# پیغام پاکستان

# شریعت کی عدالت میں

تالیف: شیخ خالد حقانی شہید تقبلہ اللہ

# فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

# عرضِ مترجم

الحمد لله الذي جعل آدم خليفة، وأنزل القرآن لنا شريعة، والصلاة والسلام على من بُعث لإظهار دين الله القويم، وعلى آله الذين هم هداة مهتدين، أما بعد:

ایک وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت نصف آباد دنیا سے زائد پر عملًا نافذ تھی، لوگوں کے درمیان فیصلے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوتے تھے، لوگوں پر جو پابندیاں تھیں یا جو آزادی انہیں حاصل تھی وہ قرآنی قانون کے اندر تھی، ہر مسلمان خود کو دنیا وآخرت میں قانونِ الٰہی کے سامنے جوابدہ سمجھتا تھا، حاکم ومحکوم، راعی ورعایا سب کے سب قرآن کریم کو اپنے لیے دستور وآئین سمجھتے تھے، جو کام قرآنی آئین کے مطابق واجب ولازم تھے اُن کے کرنے میں کسی سے پوچھنے اور اجازت کی ضرورت نہ تھی، جن کاموں پر قرآن کریم نے پابندی عائد کر رکھی تھی اُن کا ارتکاب کرنے والے کو رُوکنا ہر مسلمان اپنا فریضہ سمجھتا تھا، قرآنی دستور کے موافق ہر شخص حُسنِ معاشرت کا پابند تھا، حتیٰ کہ دار الاسلام میں شرعی طریقے پر جو کفار (ذمّی) رہتے تھے اُن کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کا حکم تھا، البتہ قرآنی دستور ہی کے موافق اسلام دشمنوں کے لیے مسلمانوں کے دل سوائے نفرت وغضب کے کچھ نہ تھا، کفار کے لیے قرآنی قانون یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اگر مسلمان نہیں ہوتے تو قرآنی قانون کے سایہ میں زندگی گزارنا قبول کریں، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

قرآنی آئین کے موافق ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی تھا، عرب وعجم کا اس میں امتیاز نہ تھا، ہندوستان کا مسلمان عرب میں آزادانہ بود وباش کر سکتا تھا، اور عرب بھی ہندوستان یا خراسان کے کسی علاقے میں رہنے کے لیے حکومتی دستاویز حاصل کرنے کے پابند نہ تھے۔

الغرض! جب تک قانونِ الٰہی نافذ تھا اُس وقت تک مسلمان معزز تھے، عزت اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین کے لیے تھی، کفار ماتحتی کی زندگی گزار رہے تھے۔

مگر سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد سے دنیا کا نقشہ یکسر بدل گیا، لوگوں کی ترجیحات بدل گئیں،

عزت وذلت کا معیار بدل گیا، لوگوں کے بود و باش میں فرق آیا، دینی اقدار کو پس پُشت ڈال کر بالکل نظر انداز کیا گیا، انگریزی تہذیب وتمدن نے پوری دنیا پر قبضہ جمایا، جو لوگ اب تک معزز تھے انہیں بدنام کرکے معاشرے کا جزو معطّل بنادیا گیا، اور یہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا۔

ہوا یوں کہ جب قابض یورپین اقوام نے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقے اس لیے چھوڑنے کا فیصلہ کیا کہ اُن کا یہاں حکومت کرنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے مسلم ماں باپ کے اُن بچوں کو آگے لایا جو اُن کے تربیت کردہ تھے، وہ صرف نام کے مسلمان تھے اُن کا اسلام کے ساتھ رشتہ صرف مسلم معاشرے کی وجہ سے برائے نام تھا، وہ یورپین اقوام کے ساتھ مخلص تھے، اس لیے انہوں نے اسلام کو محض انفرادی معاملہ قرار دیکر اسے اجتماعی زندگی سے الگ کر دیا، اسلام کا معاشی نظام چھوڑ کر یہودیوں کا بنایا ہوا سودی نظام اپنے اپنے ممالک جاری کیا، اسلامی تعلیمی نظام چھوڑ کر سیکولر نظامِ تعلیم کو حکومتی عہدوں کے لیے لازمی قرار دیا، سیاسی میدان میں جمہوریت کو اصل قرار دیکر اسلامی سیاست (خلافت) کو تو بالکل ختم کیا۔ چنانچہ اب سیکولر افراد کو تو چھوڑیئے ! اپنے آپ کو دیندار کہنے والے بھی یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اب حکومت کرنے کے لیے عوام کے پاس جانا ضروری ہے، اُن کا اعتماد (ووٹ) حاصل کرکے ہی حکمرانی کی جاسکتی ہے، ڈنڈے اور بندوق (جہاد) کے ذریعے حصولِ حکومت کے عدم جواز پر اقوامِ عالم نے اتفاق کیا ہے۔

حالانکہ الٰہی حکومت کا قیام مسلمانوں پر واجب ہے، اس کے لیے بندوق اٹھانا پڑے یا تلوار، مسلمانوں کی گلوخلاصی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالی کی حاکمیت کو دنیا میں نافذ نہ کریں، اللہ تعالی کے احکامات (خصوصاً حدود اللہ) کو کسی رعایت کے بغیر ہر مستحق سزا پر اللہ تعالی کا حکم سمجھتے ہوئے جاری کریں، کیونکہ وہی نظام اسلامی ہوگا جس کے سامنے لوگ سر تسلیم خم کردیں۔ اگر کوئی اسلامی قانون صرف اس لیے کوئی حکومت نافذ کرے کہ وہ عوامی خواہشات کے موافق ہے تو بھی وہ اسلامی قانون نہ ہوگا، وہ کفری جمہوریت کا ایک عام قانون ہی ہوگا، اسلامی قانون وہ اُس وقت سمجھا جائے گا جب اُسے الٰہی قانون تسلیم کرتے ہوئے نافذ کیا جائے۔

معزز قارئین ! "پیغامِ پاکستان" کے اکثر عنوانات اور ان کے تحت تفصیل میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح حکومتِ پاکستان کو اسلامی ثابت کرکے ان کے خلاف اُٹھنے والے (مجاہدین) پر وہ

احکامات جاری کیے جائیں جو کسی اسلامی خلافت کے خلاف خروج کرنے والوں کے ہوتے ہیں (جنہیں فقہاء کرام بغاوت وخروج سے تعبیر کرتے ہیں) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس پیغام کو اسلامی بلکہ فقہی رنگ دینے کے لیے بہت سارے علماء کو اکٹھا کرنے اور اُن سے دستخط لینے کو ضروری سمجھا گیا، اور حکومت بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے، مگر اہلِ حق کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ باطل کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے آشکارا کریں، چاہے باطل کو کتنے پردوں میں چھپانے کی کوشش کیوں نہ کی گئی ہو۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں پاکستان میں جاری جنگ (جہاد) کو خروج یا بغاوت کا نام دینا درست نہیں۔ کیونکہ فقہاء کرام نے خروج وبغاوت کے جو شرائط واحکام بیان فرمائے ہیں ان کے بارے میں اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ یہ کن حالات کے ساتھ متعلق ہیں؟ آیا نظامِ حکومت شرعی اصولوں تلے تھا یا وضعی قوانین کے تحت؟ محکمۂ قضاء میں فیصلے شرعی احکامات (فقہ اسلامی) کے تحت تھے یا انگریزی قوانین کے تحت؟ آیا معاشرہ اسلامی اصولوں کے تحت استوار تھا یا مغربی تہذیب میں رنگا ہوا تھا؟......

معزز قارئین! پہلے ادوار میں ایسا ہوتا تھا کہ جب خلیفہ یا سلطان بے دینی (فسق وفجور) کی راہ اختیار کر لیتا تو علمائے اُمت اُن کی درستگی کے لیے وعظ ونصیحت کی راہ اختیار کرتے تھے، اُن کے خلاف مسلح خروج سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ یہ ایک شخص ہے اوّل تو ٹھیک ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ اس کی نصیب میں ہدایت نہیں تو چونکہ اسلامی نظام بالفعل قائم ہے اور جزئی معاملات کے علاوہ پورے نظام پر یہ شخص حاوی نہیں(چنانچہ معاملہ صرف ایک شخص کا ہے) اور اس کو بزور ہٹانے میں دیگر مسلمانوں کی جان ومال خطرے میں پڑ سکتے ہیں، اس لیے جب تک کفرِ بوّاح (یہ ایک ایسا سبب ہے کہ اس سے خود بخود وہ شخص معزول ہو جاتا ہے) صادر نہ ہو تو خروج کو منع فرمایا دیا، لیکن ساتھ میں یہ بھی انتظام کرتے تھے کہ اس فاسق کے بعد جو ولی العہد ہوتا تھا اس پر محنت کرتے، تاکہ جو عارضی مشکل اسلام اور اہلِ اسلام کو درپیش ہے مستقبل میں اس کا تدارک ہو سکے۔

مگر موجودہ صورت حال میں معاملہ اشخاص کا نہیں (کہ مسلمانوں کی جان ومال کی خاطر مصلحتاً ان کے فسق وفجور پر خاموشی اختیار کی جائے) یہاں معاملہ نظام کا ہے۔ سابق میں نظام،

اسلامی ہوا کرتا تھا، جبکہ موجودہ نظام جمہوری (کفری) ہے، جب تک جمہوری نظام باقی ہو، نہ تو اشخاص پر محنت کارگر ہے اور نہ انفرادی واجتماعی اصلاحی کوششیں نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ موجودہ جمہوری نظام میں اصلاح کی یہ کوشش کرنا کہ اس کو اسلام کے چوکاٹ میں لایا جائے یہ بھی بے سود (بے کار) ہے، اصلاح کی یہ کوشش اس وقت درست ہوتی جب جمہوریت ایک مباح چیز ہوتی اور ترمیمات کے ذریعے مجبوراً عارضی طور پر نافذ کیا جاتا، مگر یہاں معاملہ ایسا نہیں چونکہ جمہوریت کی اصل کفر ہے (جو کسی بھی صورت خلافت کے متبادل کے طور پر ماننے کے لائق نہیں) اس میں جتنی بھی ترمیمات کی جائیں یہ اپنے کفر سے نکلنے کے لیے تیار نہیں، چہ جائے کہ ایک آدھ ترمیم کے ذریعے اسے اسلامی بنایا جائے، اس کے خمیر میں کفر گوندھا ہوا ہے، جو اس کے ہر ہر جزء میں سرایت کر گیا ہے، جب تک اس کو باہر نہ پھینکا جائے اور اس کے بعد خوب صفائی نہ کی جائے ایک خالص اسلامی نظام بھی اس کے جراثیم سے بچ نہیں سکتا۔

اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ فقہاء نے خروج علی الامام کی جو شرائط بیان کیے ہیں وہ اُس صورت کے ساتھ خاص ہیں جب بالفعل اسلامی نظام (خلافت اپنے تمام شعبہ جات کے ساتھ) قائم ہو، محض مقتدر طبقے کے چند اشخاص (جس میں سربراہِ مملکت بھی داخل ہے) بے راہ روی کے شکار ہوئے ہوں۔ بالفاظِ دیگر جب مسلمانوں کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے قانون (شریعت) کے تحت چل رہے ہوں صرف سربراہ (خلیفہ) اپنی ذات کے حد تک شریعت کا پابند نہ ہو تو فقہاء نے خروج کے معاملہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، لیکن جب اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے سے قولاً یا عملاً انکار ہو تو ایسے حالات میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اُٹھنا فرض ہو جاتا ہے، اور کسی بھی طرح کفری نظام کے مدافعین کے ساتھ کھڑا رہنا جائز نہیں رہتا۔

بعض لوگ ایسے حالات میں یا تو بھولے سے یا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلامی انقلاب روکنے کے لیے خروج علی الامام کی شرائط چھیڑ دیتے ہیں، اور چونکہ علماء نے

خروج علی الامام کی شرائط میں قدرے سختی سے کام لیا ہے (تاکہ مسلمانوں کی مال جان اور آبرو کا حتی الامکان تحفظ ہو)اس لیے اِس وقت ان شرائط کو چھیڑنے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اسلامی انقلاب کو روکا جائے۔

معزز قارئین! میں ایک بار پھر کہتا ہوں خروج علی الامام کی شرائط اور احکامات اس وقت ہوتے ہیں جب بنیادی طور پر اسلامی نظام (اللہ تعالیٰ کی حاکمیت) نافذ ہو۔ لیکن جب اسلامی نظام معطّل ہو یا سرے سے تسلیم ہی نہ ہو تو اس وقت بدونِ شرائط قیامِ دین کی خاطر اٹھنا لازمی ہو جاتا ہے ،ملا علی القاری رحمہ اللہ نے "مرقاۃ المفاتیح شرح مشكاۃ المصابيح" کے "كتاب الإمارة والقضاء" میں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح النووى على مسلم" کے باب "وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية وتحريمها" کے تحت علمائے اُمت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جب نظامِ صلوٰۃ معطّل ہو جائے یا بدعات کو فروغ حاصل ہو تو اُس وقت ایک شرعی خلیفہ بھی معزول مانا جائے گا اور اِقامتِ دین کے لیے اٹھنا واجب ہو جاتا ہے۔ (کیا پاکستان میں نظامِ صلاۃ قائم ہے؟ آیا بدعات وشرکیات کو فروغ حاصل نہیں ہے؟)

اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ جب حکام کی طرف سے شریعت میں تغییر واقع ہو جائے تو اُن کی اطاعت ختم ہو جاتی ہے، اور اُن کے خلاف اُٹھنا واجب ہو جاتا ہے۔ قَالَ الْقَاضِیْ: فَلَوْ طَرَأَ عَلَيْهِ كُفْرٌ وَتَغْيِيْرٌ لِلشَّرْعِ أَوْ بِدْعَةٌ خَرَجَ عَنْ حُكْمِ الْوَلَايَةِ، وَسَقَطَتْ طَاعَتُهُ، وَوَجَبَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ الْقِيَامُ عَلَيْهِ وَخَلْعُهُ وَنَصْبُ إِمَامٍ عَادِلٍ إِنْ أَمْكَنَهُمْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور قاضی عیاض فرماتے ہیں: (علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر کے لیے امامت کا انعقاد نہیں ہوتا، اور اس بات پر بھی (علماء کا اجماع ہے) کہ اگر امام پر کفر طاری ہو جائے اور شرع کی تغییر کا ارتکاب ہو جائے یا بدعت کا صدور ہو تو وہ حکمِ ولایت (ذمہ داری) سے نکل جائے گا اور اس کی اطاعت (عوام) سے ساقط ہو جائے گی، اور مسلمانوں پر اس کے خلاف قیام واجب ہو جائے گا اور اسے معزول کرکے امامِ عادل کو مقرر کرنا واجب ہو جائے گا، اگر ان کے لیے یہ ممکن ہو۔(شرح النووي على مسلم)

اب آپ ذرا یہ سوچیں کہ پاکستان کے حکام نے شریعت میں تغییر (تبدیلی) کی ہے کہ نہیں؟ جو لوگ پاکستان کے آئین کو اسلامی کہتے ہیں، اگر ہم یہ ثابت کریں کہ آئین میں شرعی احکامات کی جگہ غیر شرعی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور عملی طور پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے نافذ بھی ہیں تو اسے تغییر کہا جائے گا کہ نہیں۔

بطورِ مثال دیکھتے ہیں کہ آئینِ پاکستان میں کس طرح غیر شرعی (ناجائز) اُمور کو قانونی (جائز) قرار دیا گیا ہے، اور کس طرح شرعی (جائز) اُمور کو غیر قانونی (ناجائز) قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ آرٹیکل: 12، شق: 1، پیرا: (الف) میں ہے:

> کسی ایسے فعل یا ترکِ فعل کے لئے جو اس فعل کے سرزد ہونے کے وقت کسی قانون کے تحت قابلِ سزا نہ تھا سزا دینے کی اجازت نہیں دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی جرم کو آئینی حیثیت نہ دی گئی ہو اُس وقت تک وہ قابلِ سزا نہیں۔

آرٹیکل: 177، شق: 2 میں ہے:

> کوئی شخص عدالتِ عُظمٰی کا جج مقرر نہیں کیا جائے گا، تاوقتیکہ وہ پاکستان کا شہری نہ ہو اور (الف) کم از کم پانچ سال تک کسی عدالت عالیہ کا جج نہ رہا ہو یا (ب) پندرہ سال تک کسی عدالتِ عالیہ کا وکیل نہ رہا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ چیف جسٹس (یعنی قاضی القُضاۃ) کے لئے صرف پاکستانی ہونے کی شرط ہے، پھر چاہے وہ ہندو ہو یا کوئی دوسرا غیر مسلم، جس کا عملی مشاہدہ "رانا بھگوان داس" (ہندو) کی شکل میں ہو چکا ہے۔

آرٹیکل: 45 میں ہے:

> صدر کو کسی عدالت، ٹریبُونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا کو معاف کرنے، ملتوی کرنے اور عرصے کے لئے روکنے، اور اس کے میں تخفیف کرنے، اسے معطل یا تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا۔

چنانچہ عملاً 1988ء میں صدرِ پاکستان نے تمام سزائے موت کے فیصلوں کو عمر قید میں تبدیل کیا۔ جس پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ چلا، چنانچہ اس کو 1992 میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ سُناتے ہوئے

ختم کیا کہ: عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بنا پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے متجاوز ہے۔

حالانکہ تحلیلِ حرام اور تحریمِ حلال باجماعِ علمائے اُمت کفر ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اَلْاِنْسَانُ مَتٰی حَلَّلَ الْحَرَامَ وَحَرَّمَ الْحَلَالَ الْمُجْمَعَ عَلَیْهِ أَوْ بَدَّلَ الشَّرْعَ الْمُجْمَعَ عَلَیْهِ کَانَ کَافِرًا مُرْتَدًّا بِالتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ". یعنی انسان جب حرام کو حلال سمجھے اور مُجمَع علیہ حلال کی تحریم کرے یا مُجمَع علیہ شریعت کو بدلے تو ایسا شخص انفاقِ علماء سے کافر و مرتد ہے۔
(مجموع فتاوى ابن تيمية)

عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "العقيدة وأثرها فى بناء الجيل" اور "الحاكمية" میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ "مَنِ ادَّعٰی حِلَّ النَّظْرَةِ فَقَدْ کَفَرَ بِالْإِجْمَاعِ، وَمَنْ حَرَّمَ الْخُبْزَ فَقَدْ کَفَرَ بِالْإِجْمَاعِ". (یعنی اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کو جائز سمجھنے والا اور روٹی کو حرام سمجھنے والا بالاجماع کافر ہے)

میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آئین کے مذکورہ بالا دفعات پر تغییرِ شرع کی تطبیق ہوتی ہے، اگر کوئی اور محمَل ہو تو ہمیں بھی بتایا جائے۔

کسی آئین یا فرد کے کافر قرار پانے کے لئے پورے آئین کا کفریہ ہونا یا اُس فرد کے ہر عقیدے کا کفری ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایک بھی کفر کا عقیدہ یا قانون پایا جانا اُس کو کافر قرار دینے کیلئے کافی ہے۔

باقی رہی بات "پاکستان کا اسلامی ریاست ہونا" تو یہ ہمیں منظور نہیں، اس کی وجوہات بہت ہیں (جس طرح شیخ خالد صاحب حفظہ اللہ نے زیر نظر رسالہ میں تفصیل کے ساتھ انہیں بیان کیا ہے، مگر ان درج شدہ وجوہات سے ہٹ کر) ایک سادہ سی بات کہہ کر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ ریاستِ پاکستان اسلامی نہیں۔

اسلامی شریعت نے انسانی عزت و شرافت کی حفاظت، اور (انسان کو) غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے بچانے کی خاطر پانچ چیزوں کو انتہائی حساس قرار دیا ہے اور انہی کو اپنے احکامات کا محور بنایا ہے، وہ پانچ اُمور ("ضروراتِ خمس" یا "مَصَالِحِ خمسہ" یا "مقاصد خمسہ" کہلاتے ہیں، جو) درج ذیل ہیں:

1: دین کی حفاظت،
2: عقل کی حفاظت،
3: جان ونفس کی حفاظت،
4: عزت وناموس کی حفاظت، جس میں نسب ونسل کی حفاظت بھی شامل ہے،
5: مال کی حفاظت۔

**چنانچہ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے درج ذیل اقدامات اٹھائے ہیں:**

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ ہر مسلمان (چاہے مرد ہو یا عورت) پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے وہ اپنے فرائض منشاءِ شریعت کے موافق ادا کرسکے اور حرام اقوال وافعال سے بچ سکے۔ اور اگر خود مکمل علم حاصل کرنا دشوار ہو تو دینِ اسلام نے ایسے شخص کو حکم دیا ہے کہ ان معاملات میں علماء وفقہاء کی طرف رجوع کرے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے بہت سارے اُمور میں عمل کو فرض وواجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کی خاطر یہ بات بھی مسلمانوں پر واجب کی کہ وہ اپنے مابین ایک خلیفہ مقرر کرے تاکہ وہ دین کی حفاظت متعین اُصولوں کے مطابق کرے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کی خاطر شریعتِ مطہّرۃ کی تحکیم کو واجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے دعوت وتبلیغ واجب قرار دی ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے جہاد فی سبیل اللہ (چاہے اقدامی ہو یا دفاعی) کو واجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے امیر المؤمنین (خلیفہ) کے باغیوں کے ساتھ (باوجود مسلمان ہونے کے) جنگ کی اجازت دی۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے مسلمانوں پر کفار سے براء (دشمنی) اور مسلمانوں کے ساتھ ولاء (دوستی) کو واجب قرار دیا، تاکہ کفار ومنافقین مسلمانوں کے ساتھ قربت اختیار کرکے مسلمانوں پر اُن کے دین کو گڈمڈ (خلط ملط) نہ کریں۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے مرتد کے لیے قتل کی سزا مقرر کی ہے، تاکہ اس طرح دین کی اہانت نہ ہوسکے اور دین کی حفاظت ہو۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے زنادقہ اور ملحدین کے قتل کو جائز قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے ایسے شخص کے خون بہانے کو جائز قرار دیا ہے جو دینی اُمور کے ساتھ استہزاء کرے، شعائر اللہ کی توہین کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔

☼ اور اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے گنہگاروں اور نافرمانوں کے لیے توبے کا دروازہ آخری سانس تک کھلا رکھا ہے۔

**چونکہ عقل انسانی اعضاء میں سب سے قیمتی جوہر ہے، اس لیے تمام احکامات کا مدار عقل پر رکھا گیا ہے، بغیر عقل کے انسان مکلّف ہی نہیں، تو جس طرح اسلام نے دین کی حفاظت کے لیے مخصوص اوامر ونواہی دیئے ہیں اسی طرح عقل کی حفاظت کے لیے بھی عملی اقدامات اُٹھائے ہیں۔**

☼ چنانچہ اسلام نے شراب بلکہ ہر نشہ آور شے کو حرام قرار دیا، تاکہ مسلمانوں کی عقل کی حفاظت ہوسکے۔

☼ اسلام کے ہاں عقل اتنی محترم ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے شراب پینے والے، شراب بنانے والے، شراب خریدنے والے، شراب بیچنے والے، شراب اٹھا کر لیجانے والے، جس کی طرف لیجایا جائے ان سب پر لعنت بھیجی ہے۔

☼ اسی لیے تو اسلام نے شراب پینے والے کے لیے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔

☼ عقولِ مسلمین کی حفاظت کے لیے مسلمان معاشرے میں مسلمان پر شراب کی صنعت وتجارت، اور اس کی نقل وحرکت حرام قرار دی ہے۔

☼ اسلام نے عقل کی حفاظت کے لیے نہ صرف یہ کہ نشہ آور اشیاء حرام کی ہے بلکہ صحتِ انسانی کے لیے ہر مُضر چیز کو حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے عقل کو انتہائی محترم قرار دیتے ہوئے اس پر اعتداء کرنے والے پر مکمل دیت لازم کی ہے۔

**اسلام نے دین وعقل کے بعد انسانی جان ونفس کی حفاظت کے لیے بھی مخصوص احکامات دیئے ہیں، مثلاً:**

☼ اسلام نے بلا سببِ شرعی مسلمان کی جان کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص عمداً کسی کو قتل کرے تو اللہ تعالیٰ نے قصاص کو واجب قرار دیا ہے، اور اُخروی سزا جہنم مقرر کی ہے۔

☼ قتلِ خطأ اور ما دون النفس اتلافات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی دیتیں، دو ماہ مسلسل روزہ رکھنے اور اعتاقِ رقبہ کو واجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے جان کی حفاظت کے لیے عدوِّ صائل سے دفاع کو واجب قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے جان کی حفاظت کے لیے "حدِّ حرابہ" کو مشروع قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے جان کی حفاظت کے لیے خودکُشی کو حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے جان کی حفاظت کے لیے مُضر اشیاء (جن سے انسانی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، ان) کو حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے جان کی حفاظت کے لیے امراض کی تداوی کو جائز قرار دیا ہے۔

**اسلام نے عزت و ناموس (جس میں نسب بھی شامل ہے) کی حفاظت کے لیے بھی مضبوط اور ٹھوس احکامات دیئے ہیں:**

☼ اسلام نے عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے زنا کو حرام قرار دیا۔

☼ اسلام نے دنیا میں اس کی سزا "محصن" کے لیے رجم اور "غیر محصن" کے لیے ۱۰۰ کوڑے اور تعزیراً ایک سال کی جلاوطنی مقرر کی ہے، اور وہ سزا بھی لوگوں کے سامنے ہونی چاہیے، تاکہ اس شرمندگی کے خوف سے لوگوں کی عزتیں محفوظ ہوں۔

☼ اسلام نے عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے صرف زنا نہیں بلکہ ہر ایسے بُرے انحراف کو ممنوع قرار دیا ہے جسے فطرتِ سلیمہ مکروہ و ناپسند سمجھے، مثلاً: لواطت، استمناء بالید (جلق) اور سحاق وغیرہ۔

☼ زنا وغیرہ کے تمام ذرائع کی روک تھاک کے احکامات جاری فرمائے۔اسی لیے نکاح کی ترغیب دی ہے، اپنی لونڈی کے ساتھ ازدواجی تعلقات کی اجازت دی ہے، عورتوں پر پردہ کرنا لازمی قرار دیا ہے، عورتوں کو (بوقت ضرورت) مردوں کے ساتھ بات کرتے وقت سخت لہجہ اپنانے کا فرمان جاری کیا ہے، تاکہ دل میں شیطانی وساوس کے لیے جگہ باقی نہ رہے، اسی طرح نگاہیں نیچے رکھنے کا

حکم دیا ہے، گھر وغیرہ میں داخل ہونے کو اجازت پر موقوف کیا ہے، اجنبی عورت کے ساتھ سفر وحضر میں خلوت کو حرام قرار دیا ہے، میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلقات میں خلل پڑنے کے بعد اگر استمرارِ زوجیت مُضر ہو تو طلاق وخلع کی اجازت دی ہے، طلاق وخلع اور موتِ زوج (شوہر) کے بعد عدت کو واجب قرار دیا ہے، تاکہ دوسری شادی کے بعد اشتباہِ نسب کا معاملہ پیش نہ آئے۔ اور بعد میں باپ کو بچے کے حقوق کی ادائیگی میں اشتباہ نہ ہو اور بچے کو بھی اپنے حقوق مل سکے۔

☼ اسلام نے عزت وناموس کی حفاظت کے لیے زنا کے ثبوت کے واسطے چار گواہوں کو پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اور جو شخص چار گواہ پیش نہ کرسکا اس پر حدِّ قذف (جو کہ ۸۰ کوڑے ہیں) جاری کرنے کا حکم دیا ہے، اور ساتھ ہمیشہ کے لیے (دیانات میں، نہ کہ معاملات میں) اس کی گواہی قبول نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

☼ اسلامی شریعت میں عزت وناموس کی اتنی اہمیت ہے کہ "فواحش" کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

☼ اسلام نے عزت وناموس کی حفاظت کے لیے غیبت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح بُرے القاب سے پکارنے پر پابندی عائد کی ہے۔ مسلمان کے ساتھ حسنِ ظن کا حکم دیا ہے، بدظنی سے منع کیا ہے، بِلا ضرورت تجسّس سے منع فرمایا ہے، تہمت اور شبہات کی جگہ سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

**اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے بھی مخصوص احکامات دیئے ہیں، مثلاً:**

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے چوری کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے چور کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

☼ ڈاکہ زنی (جس میں جان لینے کے ساتھ ساتھ مال بھی لوٹا جاتا ہے) حرام قرار دیتے ہوئے اس کی سزا "حدِّ حرابہ" مقرر کی ہے (وہ سزا بصورتِ قتل بھی نافذ ہو سکتی ہے، ہاتھ پاؤں کاٹنا، یا جلاوطنی بھی ہو سکتی ہے)

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے اُن تمام ذرائع کو حرام قرار دیا ہے جن کی وجہ سے دوسرے لوگوں کا

مال باطل طریقے سے کھایا جاتا ہے، مثلاً رشوت لینا اور دینا وغیرہ۔

☼ چیزوں میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی اور دھوکا دہی سے اسلام نے منع کیا ہے۔

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے غصب (زبردستی قبضہ) کرنا حرام قرار دیا ہے۔

☼ اسلام نے مال کی حفاظت کے لیے حرام کاروبار اور حرام منافع کو ممنوع قرار دیا ہے۔

☼ مالی حقوق کی حفاظت کے لیے معاملات لکھنے اور اس پر گواہ مقرر کرنے کا حکم از راہِ شفقت دیا۔

☼ مال کے ضیاع کو منع فرمایا اور فضول خرچی پر پابندی لگادی، اسی طرح بے وقوف لوگوں کو سِنِّ رُشد تک مال کی سپردگی کو ممنوع قرار دیدیا۔

☼ اسلام نے میراث کے احکامات دیئے، تاکہ ہر وارث کو اس کا پورا حق مل سکے اور اس میں کوئی ظلم و تعدّی سے کام نہ لے۔

☼ زکوۃ و صدقات کے احکامات دیئے، تاکہ فقراء کے حوائج پورے ہوں اور مجبور ہو کر اغنیاء کے اموال پر دست درازی سے خود کو بچائیں۔

خلاصۃً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے ہمیں ہر اُس چیز کا حکم دیا ہے جس سے مسلمانوں کے مال کی حفاظت ہو، اور اس کے ناجائز طور پر لینے دینے کا سدِّ باب ہو، اور ساتھ میں اس کے جائز استعمال کے اُصول بتلائے۔

یہ بات بھی مدِّ نظر رہے کہ جن جرائم کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہوتا ہے یا دنیاوی اُمور متاثر ہوتے ہیں اُن کے سدِّ باب کے لیے اسلام نے ایسی سزائیں مقرر کی ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ فاعل منع ہوتا ہے بلکہ وہ (سزائیں) اور لوگوں کے لیے بھی باعثِ عبرت ہیں، اور یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ ان سزاؤں کی تجویز کو انسانی عقل پر نہیں چھوڑا (کہ جس طرح چاہے قانون سازی کریں) چنانچہ دین کے تحفّظ کے لیے "حدِّ ردّۃ" واجب کیا، نفس کے بچاؤ کے لیے "حدِّ حرابہ" اور "قصاص" واجب کیا، عقل کی حفاظت کے لیے "حدِّ شرب خمر" واجب کیا، نسب اور عزت کی حفاظت "حدِّ زنا" اور "حدِّ قذف" کے ذریعے کی، مال کا تحفظ "حدِّ سرقہ" اور "حدِّ حرابہ" کے ذریعے کیا۔

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد شاید آپ کے ذہن میں یہ سوالات اُبھرے ہوں کہ...

☼ پاکستان میں یہ احکامات نظریاتی طور پر کس حد تک تسلیم ہیں؟اور عملی اعتبار سے کتنے نافذ ہیں؟

☼ آیاایسا تو نہیں کہ ان کی جگہ وضعی (انسانوں کے بنائے ہوئے) طاغوتی قوانین مسلمانوں پر مسلط ہوں؟

☼ آیا اپنے ملک میں ایسا تو نہیں کہ انہی اسلامی احکامات کو منوانے کے لیے اُٹھنے والے مجاہدین کے دین داری کو بے دینی، ان کی عقلمندی کو کم عقلی و جنون کہتے ہوئے ان کی جانیں لینا، ان کے مال کی ارزانی اور ان کی عزت کی پامالی کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہو؟

... ہمارے ملک میں مسلمانوں کی جانوں کو کتنا تحفظ حاصل ہے؟آیا آئے دن پاکستانی ریاستی اداروں کے خفیہ ٹارچر سلوں سے تشدد زدہ لاشیں مسلمان مجاہدین کی نہیں نکلتیں؟ جیلوں سے مجاہدین کو نکال نکال کر جعلی پولیس مقابلوں میں شہید نہیں کیا جارہا ہے؟روزانہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھ کتنے مسلمان اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں اور ریاست ہاتھ پر ہاتھ دھرے کھڑی ہے؟

... مسلمانوں کی املاک کس قدر محفوظ ہیں؟اس کا اندازہ ہر کسی کو ہے، حکومتی سرپرستی میں لینڈ مافیا کی سرگرمی ہر شہر میں عروج پر ہے، حکومت خود سے نظریں ہٹانے کی خاطر حالات خراب کرتی ہیں جس کے نتیجے میں مارکیٹوں کے مارکیٹ جلا دیئے جاتے ہیں، آئے دن ہنگاموں میں سینکڑوں گاڑیاں نذر آتش کی جاتی ہیں، موبائل چھیننا ایک عام معمول بن گیا ہے، گاڑیوں (خصوصاً موٹر سائیکلز) کی چوری اور بزور چھیننے کا تناسب دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

... مسلمانوں کی عزتیں کتنی محفوظ ہیں؟ مسلمانوں کی عزت کے رکھوالے خود کس قدر عصمت دری میں مبتلا ہیں، اس کا اندازہ آئے دِن اخبارات میں چھپنے والی خبروں سے کیا جا سکتا ہے، مسلمان بچیوں کو کس طرح حکومتی سرپرستی میں بے راہ روی پر گامزن کیا جارہا ہے؟حکومتی سرپرستی میں عصمت فروشی (قحبہ خانوں، رنڈی خانوں، کال گرلز اور ماڈل گرلز کی صورت میں) زوروں پر ہے، کوایجوکیشن سسٹم، غیر اخلاقی سی ڈیز سینٹرز پر عدم پابندی (بلکہ سرپرستی) اور انٹرنیٹ و موبائل کو بے لگام چھوڑنے کے باعث مسلمانوں کی نئی نسل "عزت وآبرو" کے نام سے ناآشنا ہوتی جارہی ہے، اسی لیے تو اخبارات ورسائل میں سب سے زیادہ خبریں عصمت دری اور قتل وغارت گری ہی کی پائی جاتی ہیں۔

**ذرا سوچیں!** اور اپنے دل سے حقیقتِ حال پر تبصرہ کیجیے کہ اہلیانِ پاکستان کس رُخ پر جارہے ہیں؟ان کا دھارا اِسلام کی طرف ہے کہ کفر کی جانب؟ اہلیانِ پاکستان کا کردار اُن کے آخرت کی کامیابی ہے کہ بربادی؟

آج پاکستان سمیت پوری دنیا میں حکومتیں انسانی عقل کے ساتھ گھناؤنا کھیل رہی ہیں، بادیٔ النظر میں آزاد انسانوں کے عقلوں کو غلامی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے حکومتیں تمام ذرائع کو بروئے کار لا رہی ہیں، دانشوروں کو خریدا جارہا ہے، مذہبی اسکالروں کو مخصوص ٹاسک دیا جاتا ہے، ائمہ ٔمساجد کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ وہی کچھ منبر سے بیان کرے جو حکومتی پالیسی ہو، کالم نگار اور مضمون نویس حضرات تو وہی کچھ لکھتے ہیں جس سے انہیں دو ٹکے ملے، اِنکر پرسن اور تجزیہ نگاروں کا کام ہی عوام الناس کو ورغلانا ہوتا ہے، سینکڑوں نشریاتی ادارے صرف اسی مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں کہ عوام کے ذہن میں وہ کچھ ڈالیں جو حکومت چاہتی ہے، کسی کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنی ہو یا کسی کو ہیرو بنانا ہو تو حکومتیں یہ کام آج کل میڈیا کے ذریعے بآسانی کرواتی ہیں اور عوام کو محسوس تک نہیں ہوتا، مسلمانوں کے اہم ترین مسائل وفرائض سے لوگوں کی توجہ ہٹانا مقصود ہو تو یہی میڈیا اپنا کردار ادا کرتی ہے۔

ریاستِ پاکستان میں مقاصدِ شریعۃ کی ناپیدی بدرجہ اتم موجود ہے، بلکہ ان مقاصد کے خلاف حکومتی اہلکار سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں، تو جب ایک ریاست کی یہ حالت ہو وہ کس طرح ایک اسلامی ریاست کہلا سکتی ہے؟ اور کس طرح مسلمان اپنے حق سے دستبردار ہو کر ایک ایسے نظام تلے زندگی گزارنا گوارہ کریں جو بنیادی طور پر ایک غیر اسلامی نظام ہے، اور وہ اسلامی خلافت کے متبادل کے طور پر مسلمانوں پر اغیار کی طرف سے مسلط کردہ ہے، جس میں نہ مسلمانوں کا دنیوی فائدہ پنہاں ہے اور نہ اُخروی، بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ اللہ تعالی ہمیں ایک حقیقی اسلامی ریاست (جس میں تمام انسانوں کے حقوق کی ضمانت موجود ہے) عطا فرمائیں۔آمین۔

ابو محمد عبدالرحمٰن حماد

عفااللہ عنہ

بسم الله الرحمن الرحيم

# مقدمه

الحمدلله، والصلاة والسلام على رسول الله، وعلى آله وصحبه ومن والاه، - - - - -
أما بعد :

پیغامِ پاکستان کے نام سے جو پیغام شائع ہوا، وہ پاکستان کے کفری ادارے کی حمایت کے واسطے شائع ہوا ہے، اس میں "متفقہ فتویٰ" اور "متفقہ اعلامیہ" کے نام پر ریاستِ پاکستان کے خلاف مسلح جہاد کرنے والے مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا گیا ہے، اور اس فتویٰ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ "غیر اسلامی پاکستان" ایک مکمل اسلامی ریاست ہے، حتیٰ کہ اسے خلافتِ راشدہ بلکہ مکمل ریاستِ مدینہ کی شکل دی گئی ہے۔ لگتا ایسا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایک مبارک حکومت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کی طرز پر قائم ہے، اور اس میں اسلامی احکامات نافذ ہیں۔

یہ ، ناکام کوشش بعض ایسے ملحدین (جیسا کہ ا سلامی ادارہ تحقیقات وغیرہ جو ماڈریزم اور جدیدیت کے علمبردار ہیں) کی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو دنیا کے سامنے ایسی شکل میں پیش کریں کہ اسلام ایک بے چارہ مذہب ہے جو اپنے دفاع سے بھی بے بس ہے، اسلام میں دیگر ادیان سے متعلق کوئی نفرت نہیں پائی جاتی، اور وہ صرف اخلاقیات کا ایک مجموعہ ہے، اور مدنی قوانین عوامی رائے کی طرف مفوّض ہیں، اگر وہ چاہیں تو انہیں نافذ کریں ورنہ انہیں لغو قرار دیں، چنانچہ اسلام کلّی طور ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہے، یہ سب کچھ ملکی اور ریاستی رِٹ کے قیام کے لیے اور انگریزی قانون کے نفاذ کے لیے ہے۔

ایک طرف قانون نافذ کرنے والے ادارے، ٹینک، جہاز اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس مسلح افواج اور طاقتور لوگوں کی رِٹ کو بحال رکھنے کے لیے مکمل اجازت ہو، لیکن دوسری جانب ا سلام مظلومیت کی نشان بنا رہے, اس کے احکامات کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا رہے کہ اس کا نفاذ انہی قوّتوں وطاقتوں، مسلح افواج، اور وسائل سے لیس اداروں کا کام ہے، اگرچہ آج وہ اسی اسلامی قانون کے دشمن ہیں، بس ان کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ انہیں نافذ نہ کریں تو لوگوں کو صرف اتنی اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کے ان باغیانوں اور اللہ تعالیٰ کے ان دشمنوں کے سامنے صرف فریاد کر سکیں، اور باوجود اس کے

کہ یہی مسلح قوتیں ہی ہیں کہ زبردستی رب ذوالجلال کا نظام معطل کیا ہوا ہے اور مسلمانوں پر کفری نظام ظلم وجبر کے ساتھ منوایا ہے، مسلمانوں کو فقط اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے سامنے درخواست پیش کریں کہ اللہ کا نظام نافذ کریں، اور اسے قانونی شکل دیں۔

ایک طرف اسی ظالم، جابر اور کفر کے علمبردار فوج کو مکمل اجازت ہے کہ وہ اپنی بندوق اور اسلحہ کے زور پر کفری انگریزی قانون کی رٹ قائم کریں، اور دوسری جانب ان کے مدمقابل مسلمانوں کو فقط رونے، فریاد کرنے، صلح وسلامتی اور امن کے ساتھ ایسی جدوجہد کی اجازت ہے کہ جس سے مسلح طاقتوں کو معمولی تکلیف بھی نہ پہنچے۔

حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کے جانے کے ستر سال بعد بھی انگریزی قانون کے محافظ ہیں، اور آج تک پاکستان میں یہی انگریزی قانون نافذ ہے، آئین کفری دفعات پر مشتمل ہے، کفری جمہوری نظام نافذ ہے، فوجداری اور دیوانی قوانین انہی کے عملی ہیں، انہی قوتوں کے ظلم اور انہی کے اسلحے اور طاقت کے خوف سے مسلمان عوام سر تسلیم خم ہیں، اور اس کے باوجود اسی قوت کو اولو الأمر کا درجہ دیا جائے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مبارک ہستی کے اقوال کے ذریعے ان طاقتوں کی مدد کی جائے؟ اور ان کا دفاع کیا جائے۔ کبھی اولو الأمر کی اطاعت والی احادیث ان کے واسطے استعمال کی جائیں، کبھی مسلمان حکمرانوں کے حقوق ان کے لیے ثابت کئے جائیں، حالانکہ اسی ہستی کے لائے ہوئے دین کے نفاذ کی راہ میں ستر سال سے صرف رکاوٹ ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف پوری قوت یہی قوتیں استعمال کر رہی ہیں، جبکہ دوسری جانب جو لوگ اسی ہستی کے لائے ہوئے دین کا نفاذ چاہتے ہیں، قرآن وسنت کو عملی جامہ پہنانے کا مطالبہ کرتے ہیں انہی کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال استعمال کئے جائیں جو دینِ اسلام کے دشمنان (خوارج) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے۔

یہ کام پاکستان کے بعض ملحد قوتوں کا ہے، ہم اس بات کے ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں کہ یہ دینی مدارس کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے، اور اس بات پر ہمارے پاس کئی شواہد موجود ہیں:

- **کئی علماء کا انکار:** اس پیغام اور برائے نام فتویٰ کے جاری ہونے کے بعد کئی علماء نے بالکل اس بات

سے لاعلمی کااظہار کیااور میڈیا کو یہ بیان جاری کیا کہ وہ اس برائے نام فتویٰ پر دستخط کرنے سے بے خبر ہیں،اس فتویٰ کے اخیر میں درج کیۓ گیۓ ناموں میں سے بہت سارے علماء ایسے ہیں ہیں جو سرے سے وہاں حاضر ہی نہ تھے بلکہ فیس بک اور ٹوئیٹر کی آئی ڈیز سے نام لے کر درج کیۓ گیۓ ہیں۔ لہٰذا جس فتوے کی بنیاد جھوٹ پر ہو وہ کس طرح شرعی فتویٰ ہو سکتا ہے؟!

- تعجب کی بات یہ ہے کہ اس فتویٰ پر دستخط کے واسطے صدر ہاؤس میں ایک تقریب صدر ممنون حسین کی صدرات قائم ہوئی، (واللہ اعلم) لیکن پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ توثیق اور بعض افراد سے دستخط لینے کے لیے شاید یہ فتویٰ عالمِ ارواح بھی بھیجا گیا، کیونکہ اس فتویٰ پر بعض ایسے لوگوں کے دستخط بھی ہیں جو اس فتوے کے جاری ہونے سے تقریباً ایک سال قبل وفات پاچکے تھے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدر صاحب کا رابطہ اتنا مضبوط ہے کہ ان لوگوں کی ارواح کو دستخط کے واسطے صدر ہاؤس بلایا ہو۔
- اس فتویٰ پر بعض حضرات سے زبردستی دستخط لیے گئے ہیں، اور پاکستان میں ریاستی جبر کا یہ پہلا واقعہ نہیں، بلکہ اس سے پہلے سینکڑوں واقعات ہیں جو ریاستی جبر کے منہ بولتا ثبوت ہیں، فی الحال اس طرف جانا مقصود نہیں۔

جبر والی بات ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اس پر بعض ایسے لوگوں کے دستخط بھی ہیں جن کا موقف اور فتاویٰ جات ان کی مطبوعہ کتابوں میں اس اعلامیے اور برائے نام فتویٰ کے خلاف موجود ہیں، ہم چند مثالیں ذکر کرتے ہیں:

- مثال نمبر1: اس فتویٰ پر استاذ الحدیث مولانا فضل محمد یوسفزئی صاحب (استاد جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) کے دستخط بھی ہیں، حالانکہ اس اعلامیہ اور برائے نام فتوے کا ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے:

> جہاد کا وہ پہلو جس میں جنگ اور قتال شامل ہیں کو شروع کرنے کا اختیار صرف اسلامی ریاست کا ہے اور کسی شخص یا گروہ کو اس کا اختیار حاصل نہیں۔ کسی بھی فرد یا گروہ کے ایسے اقدامات کو ریاست کی حاکمیت میں دخل اندازی سمجھا جائے گا اور ان کے یہ اقدامات ریاست کے خلاف بغاوت

تصور ہوں گے جو اسلامی تعلیمات کی رو سے سنگین اور واجب تعزیر جرم ہے۔ (متفقہ فتویٰ اہم نکات/7)

اسی طرح اس پیغام میں جہاد شروع کرنے اور اسے جاری رکھنے کا حق صرف اسلامی ریاست کو دیا گیا ہے، مسلمانوں کی کسی جماعت کی طرف سے جہاد کرنے کو سنگین جرم (ریاست کی حاکمیت میں دخل اندازی اور بغاوت) کہا گیا ہے، حالانکہ خود شیخ الحدیث مولانا فضل محمد صاحب حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "دعوتِ جہاد" کے صفحہ نمبر 64 سے لیکر صفحہ 70 تک ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے، جس میں انہوں نے کئی دلائل اور حوالے اس بات پر پیش کئے ہیں کہ جہاد کرنے کے لیے نہ کسی حکومت کا وجود ضروری ہے اور نہ امیر المؤمنین کا موجود ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے اپنی بات پر استدلال ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما کے واقعے سے، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعے سے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعے سے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ کا ابراہیم اور محمد نفس زکیہ کو منصور کے خلاف خروج کرنے کا فتویٰ دینے سے کیا ہے۔ اور ساتھ میں انہوں نے اس کی تائید میں انگریزوں کے خلاف سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی جنگ اور انگریز خلاف علمائے ہند کی جنگ بطورِ دلیل پیش کئے ہیں اور آخر میں ایسے فتویٰ (کہ اسلامی ریاست کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا حرام ہے) کی مذمت درج الفاظ میں کی ہے:

> 9- یہاں پر مسئلہ امیر کی بحث میں انگریز کی رائے معلوم کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، کیونکہ انگریز کا بھی ایک دارالافتاء ہے جہاں سے وہ باقاعدہ فتوے جاری کرتا ہے اور اسلام کے جس حکم میں اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے وہ نہایت صفائی سے اس کے خلاف فتویٰ دیتا ہے اور پھر پیسہ اور نشریات کی زور سے اسے عام کرتا ہے اور اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کو غیر ضروری مسائل اور دور دراز کی موشگافیوں میں اُلجھائے رکھتا ہے، چنانچہ برِّ صغیر میں جب مسلمانوں نے تحریکِ آزادی میں شامل ہونا شروع کیا (جس نے بعد میں جنگ آزادی کی صورت اختیار کرلی) تو حکومتِ برطانیہ نے غلام احمد قادیانی سے جہاد کے خلاف بہت بڑا کام لیا اور سر سید احمد خان وغیرہ کو بھی جہاد کے خلاف استعمال کیا اور اس کے بعد اپنے دارالافتاء سے جہاد کے خلاف فتوے جاری کئے کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ "تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ" نامی کتاب میں مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے اس بارے میں صفحہ 118 پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ

پیش کرتا ہوں، ان شاءاللہ قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ امیر کے تقرر میں انگریز ہمیں کس طرح اُلجھاتا ہے، شیخ الہند رحمہ اللہ نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری قرار دیا کہ وہ یاغ ستان (صوبہ سرحد کے آزاد قبائلی علاقہ جات) چلے جائیں اور ضروری عملی کارروائی شروع کریں، چنانچہ حاجی ترنگ زئی صاحب قبائلی علاقہ پہنچے، مجاہدین کا مجمع شمار سے زیادہ ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد جنگ چھڑ گئی اور بحمد اللہ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابی ہونے لگی اور انگریز پسپا ہو کر واپس اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔اس کے ردعمل میں انگریز نے چند اقدامات جہاد اور مجاہدین کے خلاف کئے بعض کو ملاحظہ فرمائیں:

1- عوام میں پروپیگنڈہ کیا جائے کہ یہ جہاد نہیں ہے، جہاد بغیر بادشاہ کے نہیں ہوتا ہے، بغیر بادشاہ کے جہاد حرام ہے۔

2- پانی کی طرح پیسہ بہایا جائے اور اپنے لوگوں کو قبائل کے سرداروں کے پاس بھیج کر بے شمار پیسہ دے کر مجاہدین اور حاجی صاحب سے لوگوں کو توڑا جائے۔

3- عوام میں یہ تبلیغ کی جائے کہ مسلمانانِ سرحد اور افغانوں کا بادشاہ امیر حبیب اللہ والیٔ افغانستان ہے، مسلمانوں کو اُن سے بیعتِ جہاد کرنا چاہئے اور اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ علم جہاد بلند نہیں کرتا۔

4- اس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کاغذوں پر بیعتِ جہاد کر کے دستخط کریں اور امیرِ کابل کے نائبِ سلطنت سردار نصراللہ خان کے دفتر میں یہ کاغذات بھیج دیں۔

5- امیر حبیب اللہ خان کو مختلف وعدوں کے سبز باغ دکھا کر بے تحاشا مال دیکر جہاد میں کھڑے ہونے سے روکا جائے۔

6- انگریز سے جو ترکوں کی جنگ ہے اسکے متعلق یہ پروپیگنڈہ کیا جائے کہ یہ مذہبی جنگ اور جہاد نہیں بلکہ سیاسی جنگ ہے۔

7- سلطان عبدالحمید خان (جو ترکی خلیفہ تھے،ان) کی طرف سے انگریز نے ایک جھوٹا فرمان حاصل کیا اور پورے ہندوستان میں شائع کیا کہ سلطان کے اسی فرمان پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے فرض ہے، وہ فرمان یہ تھا کہ انگریز کی اطاعت ضروری ہے، ان سے لڑنا جہاد نہیں، چنانچہ اس سے لوگوں کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے، امیر عبدالرحمٰن والی کابل اپنے تزک میں لکھتے ہیں کہ

اس فرمانِ خلیفہ کی بناء پر سرحدی قبائل ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔انتہی۔ (دعوت جہاد، ص:65 تا 70)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خود مولانا فضل محمد صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ اسلامی ریاست اور بادشاہ کے بغیر بھی جہاد جائز ہے، اور اس قسم کی شرط انگریزکے دارالافتاء سے جاری کردہ شرط تھی، جس سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا مقصود تھا۔ واضح بات ہے کہ ایک طرف مولانا فضل محمد صاحب کی مذکورہ بالا عبارت اور فتویٰ ہے (جو کتابی شکل میں بغیر اکراہ کے اختیاراً صادر فرمایا ہے) اور دوسری طرف پیغام پاکستان ہے (جس پر مولانا صاحب کا دستخط موجود ہے) جس میں اُس فعل کو حرام کہا گیا ہے جو مولانا صاحب کے یہاں بلا غبار جائز بلکہ مستحسن امر ہے، لہٰذا متضاد موقف اور فتویٰ پر ایک ہی شخص کے دستخط کس طرح درست مان لیے جائیں؟! حالانکہ فتویٰ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستخط کرنا سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ایسی تضادات اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ریاستی جبر کے ذریعے بعض دستخط حاصل کئے گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت استاذ الحدیث صاحب حفظہ اللہ نے ایک موقع پر اس قسم کے جہاد کی تائید کی تھی (جو مسلمانوں کے کی ایک جماعت کی طرف سے شروع ہوا تھا) حالانکہ انہیں کسی اسلامی ریاست کی اجازت اور پشت پناہی حاصل نہ تھی، مثلاً ملاکنڈ ڈویژن میں نفاذِ شریعت کی خاطر جہاد کی تائید کی تھی، جس کا حوالہ بعد میں آئے گا۔

اسی طرح اس "متفقہ اعلامیہ" میں شریعت کے لیے جنگ کرنا ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے اور اس پر استاذ الحدیث مولانا فضل محمد یوسفزئی صاحب کے دستخط موجود ہیں، حالانکہ انہوں نے خود ہی نفاذِ شریعت کے لیے جنگ کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، وہ اپنی مشہور کتاب "دعوتِ جہاد" میں لکھتے ہیں:

> "اس فتویٰ سے تیسرا یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لئے مسلح جہاد کرنا ضروری ہے اور ملاکنڈ کے غیور مسلمانوں نے جو نفاذِ شریعت کے لئے جانیں قربان کی ہیں وہ سچے شہید ہیں، چوتھا مسئلہ اس سے یہ حل ہو گیا کہ افغانستان میں جو اس وقت طالبان کی اسلامی تحریک اٹھی ہوئی ہے یہ بھی نفاذِ شریعت کے لئے مسلح جہاد ہے اور ان کے مقتولین طلبائے کرام شہید ہیں اور ان کے مدِ مقابل لوگ ظالم اور ناحق پر قائم ہیں"۔ (دعوت جہاد ص178)

چنانچہ ایک طرف شیخ الحدیث صاحب کا یہ فتویٰ اور دوسری طرف نفاذِ شریعت کے لیے جنگ کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ کھلا تضاد ہے، لہٰذا ہم نتیجتاً کہہ سکتے ہیں کہ اگر شیخ الحدیث صاحب کے یہ دستخط

اگر جعلی نہ ہوں تو ان سے یہ فتویٰ زبردستی حاصل کیا گیا ہے۔ اور یہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی جانب سے شائع کردہ اُس پیغام کی واضح تکذیب وتردید ہے کہ جس میں تکرار کے ساتھ وسعت نظری وغیرہ جیسے دعوے کئے گئے ہیں، لہٰذا کس طرح مان لیا جائے کہ علمائے کرام اپنی سابقہ علمی تحقیق سے رجوع کئے بغیر اس کے خلاف فتویٰ دیں؟!

البتہ یہاں یہ بات عین ممکن ہے کہ ریاستِ پاکستان اس تحریر کے بعد ایک دفعہ پھر ان علماء کو دھمکا کر جمع کرے اور میڈیا کے سامنے لا کر سابقہ فتاویٰ جات سے رجوع کرنے پر مجبور کرے، لیکن حقیقتِ حال ہر باشعور شخص پر واضح ہونی چاہیے کہ وہ بھی اکراہ اور جبر کے تحت ہوگا۔

- **مثال نمبر 2:** اسی طرح زبردستی دستخط لینے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس اعلامیے پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے حامد الحق صاحب کے دستخط بھی ہیں، جبکہ اس فتویٰ اور پیغام میں یہ بات ہے کہ موجودہ جنگ قطعی حرام بغاوت ہے۔ حالانکہ حکومتِ پاکستان کے خلاف جنگ شروع کرنے کا بڑا سبب پاکستان کا امریکا کی صف میں فرنٹ لائن اتحادی کی شکل میں آنا اور نتیجتاً امریکیوں کی مدد کی خاطر قبائلی مسلمانوں کے خلاف آپریشنز کرنا ہے، حالانکہ اس بارے میں دارالعلوم حقانیہ کا فتویٰ یہ ہے:

> کسی مسلمان ملک کے خلاف کسی بھی کافر ملک سے محض دنیاوی مفادات کی خاطر تعاون کرنا یا اس کا آلہ کار بننا شرعی نقطہ نظر سے حرام وناجائز ہے کسی بھی مسلمان ملک کا سربراہ اگر ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا اور ایسی لادین قیادت کو ختم کرکے صالح اور دیندار شخص کو حاکم مقرر کرنا مسلمان رعایا پر لازم ہے اور ضروری ہے اس لئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو خود اس پر ظلم کرے گا اور نہ بے بنیاد الزامات کی بنا پر اسے کسی کافر کے حوالے کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔ لقوله عليه السلام: المؤمن أخ المؤمن لا يظلمه ولا يسلمه. (الحديث) (فتاوی حقانیہ، ج:5، ص:342)

ہر کسی کو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ جنگ اسی جنگ کا تسلسل ہے جس جنگ کے بارے میں حقانیہ سے متفقہ فتویٰ صادر ہوا تھا اور آج ریاستِ پاکستان امریکا و نیٹو اتحاد میں شامل ہے اور سرزمینِ پاکستان سے روزانہ اسلحہ اور فوجی سامان افغان مسلمانوں کی تباہی کے لیے سپلائی کیا جا رہا ہے، تو آج یہ کس طرح حرام بغاوت بن گئی؟ حالانکہ کل تک یہی جنگ اسی سبب سے ریاستِ پاکستان کی رعیت پر

لازم تھی، لہٰذا یہ واضح تضاد ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فتویٰ زبردستی حاصل کیا گیا ہے اور جنہوں نے کسی لالچ وغیرہ میں آکر دستخط کئے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہوگی۔

- **مثال نمبر 3:** اسی تضاد کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ "پیغامِ پاکستان" میں متفقہ فتویٰ کے اہم نکات کے تحت نمبر 9 میں لکھا ہے:

> ریاست پاکستان میں امن وسکون قائم کرنے اور دشمنانِ پاکستان کے خلاف جو جد وجہد شروع کی گئی ہے ہم اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ (متفقہ فتویٰ:9)

یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ ان ملحدین کے نزدیک دشمنانِ پاکستان سے مُراد طالبان ہیں، مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس فتویٰ پر مفتی تقی عثمانی صاحب اور مفتی رفیع عثمانی صاحب کے دستخط موجود ہیں (فتاوی عثمانیہ فتویٰ نمبر 48/72۔ فتاوی عثمانیہ ج: 3، ص: 494 تا 496) حالانکہ انہی حضرات کا خلیج کی جنگ کے متعلق فتویٰ یہ ہے کہ اس جنگ میں حصہ لینا حرام ہے، کیونکہ یہ جنگ ان حضرات کے نزدیک فتنہ کی جنگ تھی، فتنہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ ایک جانب امریکی کافر ہیں (جن کی خواہش ہے کہ کسی طرح عراقی قوت کو ختم کیا جائے) اور دوسری جانب چونکہ عراق نے یہ جنگ ظالمانہ طور پر شروع کی گئی ہے، اس لیے صدام کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا جائز نہیں اور نہ امریکی صف میں کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ وہ کافر ہیں۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ جہاں صدام کی صف میں کھڑا ہونا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اُس نے کویت پر ظالمانہ حملہ کیا ہے تو یہاں پاکستانی فوج کی حمایت کا اعلان کس طرح ممکن ہے؟ حالانکہ ظالمانہ حملہ کی صورت میں مجاہدین کے خلاف پہل پاکستانی فوج کی طرف سے تھا، حکومتِ پاکستان نے 2001ء میں "المیزان" کے نام پر آپریشن شروع کیا۔ جبکہ طالبان نے حکومتِ پاکستان کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا، پھر قبائلی علاقہ "وانا" میں آپریشن بھی پاکستانی فوج نے شروع کیا تھا۔ پھر 2005ء کو محسود کے علاقے جنوبی وزیرستان میں بھی عملیات (آپریشنز) کی ابتداء پاکستانی فوج نے کی، اور شمالی وزیرستان میں یہی کچھ ہوا، اسی طرح لال مسجد والوں کا معاملہ صرف احتجاج کی حد تک تھا، مگر اُن کے خلاف مسلح آپریشن حکومتِ پاکستان نے شروع کیا، سوات میں مولانا فضل اللہ صاحب کا معاملہ مقامی سطح پر اِصلاح معاشرے کی

حد تک تھا, انہوں نے بگڑتے ہوئے معاشرے کو دیکھتے ہوئے فقط امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شروع کیا تھا، ان کے خلاف بھی ظالمانہ آپریشن کی ابتداء پاکستانی فوج نے کی۔

اب ایک بار پھر ہم پوچھتے ہیں کہ صدام کی حمایت میں امریکی کفار کے مقابلے میں کھڑا ہونا حرام ہے، حالانکہ اُس نے صرف ایک بار کویت پر حملہ کرنے میں پہل کیا تھا، جبکہ ریاستِ پاکستان اور فوج نے ہر محاذ پر حملہ کرنے میں پہل کیا، اور مسلمانوں کے خلاف پاکستان کی طرف سے جاری آپریشنز امریکی مدد کی وجہ سے اور اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والوں کو ختم کرنے یا دبانے کے لیے ہیں۔ اس جنگ میں قبائلی مسلمان کی حیثیت کم از کم حکومتِ کویت اور امریکا سے بہتر ضرور ہوگی۔ ساتھ میں یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہنی چاہیے کہ ان کے خلاف ریاستِ پاکستان کی ظالم افواج کا ظلم اُس صدام حسین کے ظلم سے کہیں زیادہ ہے جس کی حمایت کرنا حرام اور غیر شرعی ہے، لہٰذا بار بار ظلم کا ارتکاب کرنے والی فوج کی حمایت کس طرح شرعی اور جائز ہو سکتا ہے؟ اور پھر فتویٰ بھی ایسی شکل میں کہ یہ فتویٰ صرف اپنی طرف سے نہیں بلکہ پاکستانی عوام کی نمائندگی کا اعلان بھی کیا گیا کہ ہم سب اس جنگ میں ناپاک فوج کی حمایت کرتے ہیں۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)

1- صدام نے کویت پر جو حملہ کیا تھا اس میں اُس کا قصور یہ تھا کہ جنگ میں پہل اس کی طرف تھا، لہٰذا یہ حملہ ظالمانہ ہوا، جبکہ یہاں ریاستِ پاکستان کا حملہ کرنے میں پہل کرنا ثابت شدہ امر ہے، آئی ایس آئی میں کام کرنے والے ریٹائرڈ میجر عامر نے خود ہی "المیزان" آپریشن شروع کرنے کا اعتراف کیا ہے کہ ہم (ریاستِ پاکستان) نے 2001ء میں سی آئی اے کے کہنے پر طالبان کے خلاف آپریشن شروع کیا۔

2- صدام نے کویت پر حملہ اپنے مفادات کی خاطر کیا تھا (بظاہر کسی کافر ملک کی مدد مقصود نہ تھی) جبکہ ریاستِ پاکستان کا طالبان اور قبائلی مسلمانوں کے خلاف جنگ امریکا کی مدد اور حمایت کے واسطے تھی، چونکہ پاکستان امریکی اتحاد میں فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا خود ہی اقراری اور معترف ہے۔

- اسی طرح ریاستِ پاکستان نے بھی حملہ کیا ہے اور تاحال حملہ ختم نہیں ہوا، بلکہ برقرار ہے، ابھی تک مسلمانوں کے گھر اور گاؤں ان کے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ پاکستان اس صلیبی جنگ میں

ابھی تک امریکا کا فرنٹ لائن اتحادی ہے، ان کی ایمونیشن وغیرہ کی ترسیل پاکستان کی معاونت سے جاری ہے، اور ابھی تک حکومتِ پاکستان شرعی قانون کے نفاذ کی راہ میں سدِّ سکندری بنی ہوئی ہے۔

- مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پہل صدام نے بھی کیا اور ناپاک فوج نے بھی، مگر عجیب بات یہ ہے کہ صدام کی حمایت کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس نے کویت کے خلاف جنگ کرنے میں پہل کیا، جبکہ بعینہٖ یہی علت ریاستِ پاکستان میں بھی پائی جاتی ہے مگر اس کے باوجود قبائلی مسلمانوں کے خلاف اس ظالم فوج کی حمایت نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ ضروری؟!!! اور اچنبھے کی بات یہ ہے کہ صدام کا مدِّ مقابل کافر تھا، مگر اس کی حمایت جائز نہیں، کیونکہ جنگ میں پہل اس کی طرف سے تھا، اور ریاستِ پاکستان کی حمایت کرنا واجب حالانکہ اس کی جنگ مسلمانوں کے خلاف ہے؟!!!
بریں عقل و دانش بباید گریست
- صدام نے جن پر حملہ کیا تھا ان کی حکومت شرعی نہ تھی، بلکہ وہ بھی دنیا کے دیگر سیکولر ممالک کی طرح ایک لادین حکومت تھی، لیکن صدام کی معاونت ان کے خلاف اس لیے درست نہ سمجھی گئی کہ اس نے ظلماً حملہ کرنے میں پہل کیا، لیکن یہاں ریاستِ پاکستان نے مظلوم عوام اور مجاہدین کے خلاف جہاد اور شریعت کا مطالبہ کرنے کی وجہ حملہ کیا ہے، مگر اس کے باوجود ریاستِ پاکستان کی حمایت و معاونت جائز؟!!!

ان نکات کو دیکھتے ہوئے ہر مسلمان کو یہ احسان کرنا چاہیے کہ یہ ایک ایسا واضح تضاد ہے جس کی بنا پر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ ان میں اکثر دستخط زبردستی لیے گئے ہیں۔

- **مثال نمبر 4:** اسی طرح تضاد کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ ایک طرف "پیغامِ پاکستان" میں "ریاست پاکستان اور معاشرے کو درپیش مسائل" عنوان کے تحت درج ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

> 6۔3۔ قومی میثاق کو نظر انداز کرنے کا رجحان بعض حلقوں میں اسلام کے نام سے معاہدات اور وطنی میثاق کی مخالفت کی جاتی ہے، بعض گروہ اس سلسلہ میں جغرافیائی حد بندی کے بھی قائل نہیں، چنانچہ وہ کسی دوسرے ملک میں لشکر کشی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ رویہ اسلامی تعلیمات کی رو سے عہد شکنی میں آتا ہے۔(ریاست پاکستان اور معاشرے کو درپیش مسائل:6۔3)

تعجب کی بات ہے کہ بہت سارے دستخط کنندگان سالہا سال سے اس عہد شکنی کا عملی نمونہ بنے ہوئے ہیں، یا کم از کم فتویٰ اور نظریات کی حد تک تو اکثریت اس میں مبتلا ہیں۔ افغانستان میں امریکا کے خلاف افغان طالبان کی حمایت کا فتویٰ دینا اور ان کی مالی و جانی تعاون کرنے کا کیا معنی ہے؟ ایک طرف یہ عہد شکنی (غدر) ہے، جبکہ دوسری جانب قول و فعل اس کے خلاف! اگر پیغام پاکستان میں موجود مذکورہ بالا جغرافیائی حدبندی کو شرعی مان لیا جائے تو افغانستان میں جہاد کے لیے جانا اپنی جغرافیائی حدود سے نکلنا تصور ہوگا، اسی طرح ریاستِ افغانستان کے طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح یہ اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی ہے جو پاکستان اور امریکا کے مابین ہوا ہے، اسی طرح یہ اقوام متحدہ کے تحت طے شدہ معاہدات کی خلاف ورزی ہے، حالانکہ یہ حضرات افغان حکومت اور امریکا کے خلاف افغان طالبان کو خود بھی چندہ دیتے ہیں اور ان کے لیے مہم بھی چلاتے ہیں، بعض حضرات تو عملًا اس جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔ اب کیا بنے گا؟ آیا جو پاکستانی شہری افغانستان میں امریکا کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے ہیں وہ ناجائز و حرام کام کے ارتکاب کے نتیجے میں مرے ہیں؟ (کیونکہ مذکورہ بالا "پیغام پاکستان" کی روشنی میں وہ عہد شکنی کے مرتکب غدار ہیں) اور کیا قیامت کے دن ان کے ساتھ غداروں جیسا معاملہ کیا جائے گا؟ (العیاذ باللہ)

امارتِ اسلامی افغانستان کے نئے امیر کے لیے بیعت دار العلوم حقانیہ میں لی گئی، وہیں سے جہادِ افغانستان کی مسلسل حمایت ہو رہی ہے، معتصم آغا جان (سینئر طالبان راہنما) کچھ عرصہ قبل تک جامعۃ الرشید کے بالکل پڑوس میں (شاید اُن کے تعاون سے) رہے، تو خود ہی یہ حضرات فیصلہ کریں کیا یہ غدر تھا؟ یہ وہ واضح تضاد ہے جسے ایک جانب غدر کہا جاتا ہے اور اور دوسری جانب پڑوسی ممالک کے خلاف اسی غدر کا ارتکاب۔

حقیقت یہی ہے کہ ریاستِ پاکستان اسلامی نہیں, لہٰذا ان کے کئے ہوئے معاہدات مسلمانوں پر لازم نہیں اور ان معاہدات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، لہٰذا امریکا کے ظالمانہ حملے کے خلاف پاکستان و افغانستان (دونوں جگہ) لڑنے والے مقدس جہاد میں مشغول ہیں اور بہترین شہید ہیں۔

## خلاصۂ کلام :

اس پیغام میں تلبیس سے کام لیا گیا ہے:

- ✓ علماء کا ا، یک طبقہ پیغام بنانے کے و قت سرے سے موجود ہی نہ تھا، چنانچہ بعض حضرات نے میڈیا کے ذریعے اس سے انکار بھی کیا ہے۔
- ✓ بعض علماء اس برائے نام فتویٰ کی ترتیب سے قبل وفات پا چکے تھے، مگر تعجب کی بات ہے کہ ان کے دستخط فتویٰ پر موجود ہیں۔
- ✓ بعض حضرات سے زبردستی دستخط لیے گئے ہیں۔
- ✓ البتہ درباری مولویوں کا ایک ٹولہ اپنے بعض مفادات کی خاطر اس پیغام کا حامی ہے اور اس پر دستخط بھی اپنی خوشی سے کئے ہیں۔

اس پیغام میں جس غلط بیانی اور دجل سے کا لیا گیا ہے وہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ہے، درحقیقت ہم نے اسی ادارے پر ردّ کیا ہے۔

## علمائے کرام کی خدمت میں

## عاجزانہ درخواست

علمائے کرام سے ہماری درخواست کہ وہ خود کو اس موضوع کی حقیقت آگاہ رکھیں اور فریقین کی رائے بھی جاننے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ پاکستان بنے ہوئے ستّر سال ہوئے، مگر بعض خوش نما وعدوں کے علاوہ پاکستان کے عوام کو کیا ملا؟ کبھی سوچا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں تا حال اسلامی قوانین کی راہ روک رکھی ہے؟ اور جن کی بدولت آج تک کفری قوانین مکمل قانونی حیثیت کے ساتھ نافذ العمل ہیں؟ اسلامی قوانین کے نفاذ میں جو لوگ رکاوٹ ہیں آیا ان کے خلاف ساٹھ سال تک غیر مسلح جدوجہد کافی نہیں؟؟ فقط خوش نما وعدوں کی اساس پر پاکستان ایک اسلامی ریاست کس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے؟ اور اس کے خلاف جنگ کو کس طرح ناجائز کہا جاسکتا ہے؟ ذرا شرعی و عقلی نقطۂ نگاہِ سے ستّر سال کی صورت حال کا جائزہ لیجئے کہ اب تک کیا ہوا؟ اور کیا ہونا چاہئے۔

# پیغامِ پاکستان کا مختصر خلاصہ

## پیغامِ پاکستان پانچ بڑے عنوانات پر مشتمل ہے:

(1) اسلامی ضابطۂ حیات،

(2) اسلامی جمہوریہ پاکستان،

(3) ریاستِ پاکستان،

(4) معاشرے کو درپیش مسائل،

(5) متفقہ اعلامیہ (متفقہ فتویٰ)

## اس کے رد میں ہماری ترتیب درج ذیل شکل میں ہے:

1) ہم پیغامِ پاکستان کے صرف ان مواضع پر رد کریں گے جہاں اس پیغام کے ترتیب کنندگان نے کسی شرعی دلیل کا سہارا لیا ہو اور اس میں تحریف کی ہو۔

2) ہم رد میں شرعی دلائل اور حوالے اختصار کی وجہ سے کم ذکر کریں گے، تاکہ حجم زیادہ نہ بنے اور دیکھنے والوں کو مشکل نہ ہو۔

3) بعض جگہ ہم اس طرف بھی اشارہ کریں گے کہ پیغام بنانے والوں نے واضح طور پر دلیل کو بدلا ہے۔

4) عملی کوتاہی کے بہ نسبت ہماری زیادہ تر کوشش یہ ہوگی کہ قارئین کی نگاہ اس طرف کی طرف موڑ دیں کہ کس طرح اس پیغام میں قانونی تبدیلی اور شریعت کی مخالفت کی گئی ہے؟

5) ہماری تحریر میں جگہ جگہ تکرار بھی دیکھنے کو ملے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ خود پیغامِ پاکستان میں بہت زیادہ تکرار پایا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیغامِ پاکستان کا شرعی جائزہ

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (الممتحنة: 4)

## (1)

## اسلامی ضابطۂ حیات

"پیغامِ پاکستان" کے نام سے جو پیغام شائع ہوا ہے اس کے شروع میں "اسلامی ضابطۂ حیات" کا عنوان لایا گیا ہے، اور اس میں اُمتِ مسلمہ اور مسلم معاشرے کی کمزوری کی بنیادی وجہ اسلامی ضابطۂ حیات پر عمل نہ کرنا بتایا گیا ہے۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور اسی ضابطۂ حیات کی تابعداری نہ ہونے کی وجہ سے آج اُمت ذلت میں گھری ہوئی ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ جانا جائے کہ "اسلام" کیا ہے؟ اور اسلام نے "اسلامی ضابطۂ حیات" کی کیا تعبیر کی ہے؟ پیغامِ پاکستان میں اسلام اور اسلامی ضابطۂ حیات کی وضاحت میں تدلیس سے کام لیا گیا ہے، اس لیے ہم اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

## اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے

جس طرح اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا دین بھی اسلام ہے، اور کوئی بھی نبی اسلام کے علاوہ دوسرے دین کے واسطے نہیں بھیجا گیا، بلکہ اسلام انبیاء علیہم السلام کا دستور و آئین رہا ہے اور اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے تو اُن کے دین پر "اسلام" کا اطلاق کیا ہے اور اُن پر "مسلم" کا اطلاق کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام

کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭوَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران: 67)

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، بلکہ وہ توحید پر مضبوط قائم مسلمان تھا اور وہ مشرکوں میں نہ تھا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات آگاہ کر رہے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام مسلمان تھے، یعنی اُن کا دین اسلام تھا، اور وہ یہودیت، نصرانیت اور شرک پر نہ تھے، آیت میں اس طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ یہودیت یا نصرانیت یا اشراک کے نام پر کوئی دین اللہ جل جلالہ کی طرف سے نہیں آیا۔

اسی دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کی وصیت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰھٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭيٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرة: 132)

ترجمہ: اور اسی بات کی ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہ دین منتخب فرمایا ہے، لہٰذا تمہیں جب بھی موت آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (يونس: 72)

ترجمہ: اگر پھر بھی تم نے منہ موڑا تو تم سے تو میں نے کوئی اجرت نہیں مانگی، میرا اجر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں شامل رہوں۔

قومِ لوط (علیہ السلام) پر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو اس کا نقشہ اللہ تعالیٰ کچھ یوں بیان

فرماتے ہیں:

﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الذاريات: 36)

ترجمہ: پس ہم نے اس میں سوائے ایک گھر کے کسی اور گھر کو مسلمان نہیں پایا۔

یعنی شہر سدوم میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر تھا اور وہ لوط علیہ السلام کا گھر تھا۔

اور فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (يونس: 90)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب اُسے (فرعون کو) ڈوبنے نے آگھیرا تو کہنے لگا: میں اس پر ایمان لاتا ہوں (اس بات پر) کہ جس الٰہ پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور میں مسلمانوں میں شامل ہوں۔

فرعون نے توبہ کے وقت خود کو مسلمانوں کی طرف منسوب کیا، حالانکہ اُس وقت جو مسلمان تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم (بنی اسرائیل) تھی، اور اس وقت بنی اسرائیل مسلمان تھے، بعد میں اپنے دین کو یہودیت میں بدل ڈالا۔

قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیتیں موجود ہیں جو واضح طور پر یہ بتاتی ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام تھا۔

اور جس شخص نے بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ایجاد کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس کی بغاوت قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ﴾ (آل عمران : 19)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر دین اسلام ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی (اہل کتاب) انہوں نے الگ دین لاعلمی میں اختیار نہیں کیا بلکہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول دین اسلام ہے۔ رہی یہ بات کہ اہل کتاب کا بھی (یہودیت اور نصرانیت کے نام پر) الگ الگ دین تھے، تو اس بارے میں مختصراً اتنا عرض کرنا

کافی ہے کہ درحقیقت دین ایک تھا (جو کہ اسلام ہے) مگر انہوں آپس کی بغاوت اور ضد کی بنا پر الگ الگ دین بناڈالے۔

اس لیے اُمتِ محمدیہ کو واضح اعلان ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ: 3)

ترجمہ: آج کے دِن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کیا۔

## اسلام کسے کہتے ہیں؟

اسلام کیا ہے؟ اسلام کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جائزہ لینا ہوگا، اس کے بعد علی وجه البصيرة بات کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کیا ہے۔ ویسے تو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، اس کو ذکر کرنے کا یہاں موقع نہیں، البتہ قرآن کریم اجمالاً اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے (ہم اسے ذکر کریں گے) اور بنیادی طور پر رسالت کا مقصد بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل: 36)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا ہے، جو کہا کرتے: اللہ کی عبادت کرو اور خود کو طاغوت سے بچاؤ۔

اور اِس اُمت کو راہِ نجات بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرۃ: 256)

ترجمہ: پس جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے اس نے مضبوط کنڈا تھام لیا، جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہے، اور یہی اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ماننا اور طاغوت کا انکار کرنا۔ اب یہ بات کہ طاغوت کیا ہے؟ اور اس کے انکار کا کیا مطلب ہے؟ اور انکار کی کیا صورت ہوگی؟ یہ ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

## طاغوت کا مطلب

طاغوت کی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں، مگر سب کا مطلب ایک بنتا ہے، ہم دو اقوال نقل کرتے ہیں جو ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لائے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: "الطَّاغُوتُ": الشَّيْطَانُ فِي صُورَةِ إِنْسَانٍ، يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهِ وَهُوَ صَاحِبُ أَمْرِهِمْ.

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "طاغوت" انسان کی شکل میں شیطان ہے جس کے پاس لوگ فیصلے لے جاتے ہیں اور وہ اُن کے معاملات کا بڑا مانا جاتا ہے۔

وَقَالَ الْإِمَامُ مَالِكٌ: "الطَّاغُوتُ": هُوَ كُلُّ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ، عَزَّ وَجَلَّ.

ترجمہ: اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ "طاغوت" ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: جلد: 2، ص: 334)

تفسیر عثمانی میں طاغوت کا معنیٰ "ہڑدونگے" کے لفظ کے ساتھ فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"ف: حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: "ھڑدونگا" وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے، کچھ سند نہ رکھے، ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں۔ بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

پس جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو اپنی طرف منسوب کرے وہ طاغوت ہے، یا جس حق کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے بندوں پر ثابت کریں اور لوگ اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت مانیں اور وہ اس پر راضی بھی ہو، تو وہ طاغوت ہے۔

اسلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ کی عبادت کرنا اور اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرنا، اللہ جل جلالہ کی طاعت اختیار کرنا اور اس کی اطاعت کے مقابلے میں کسی اور کی اطاعت نہ کرنا۔

اسی کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ملتا ہے کہ:

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق".

یعنی اللہ تعالی کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔(مصنف ابن ابی شیبة، حدیث: 33717)

مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا حکومت کسی ایسے کام کو کرنے کا امر کرے جس کے کرنے میں اللہ تعالی کی نافرمانی ہوتی ہو تو وہ کام کرنا جائز نہیں، لہٰذا اس آخر کی اطاعت کی بجائے اللہ تعالی کی اطاعت کی جائے گی۔

لہٰذا جس طرح اسلام کا معنی لغت سے معلوم ہے کہ انقیاد اور تابعداری کو کہا جاتا ہے، اسی طرح اصطلاحِ شرع میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکانے، تابعداری کرنے اور منقاد ہونے کا نام اسلام ہے۔

## « تفرقہ اور اختلاف »

"متفقہ فیصلہ" میں اسلام کی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ اسلام اتفاق واتحاد کا داعی ہے، اور اتفاق واتحاد انسانیت کی اساس پر ہی ممکن ہے، جس پر بعض آیتوں سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ ﴾ (الحجرات: 13)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، درحقیقت تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ (الإسراء: 70)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے اور انہیں خشکی اور سمندر میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا ہے، اور ہم نے انہیں اپنی دیگر مخلوقات پر بہت فضیلت دی ہے۔

یہ آیتیں یقیناً کتاب اللہ کی آیتیں ہیں، مگر ان کی تطبیق اور محمل غلط جگہ پر کیا گیا ہے، یہ تو ہیومنزم (Humanism) کا نعرہ ہے کہ سب انسان (ہر اعتبار سے) ایک جیسے ہیں، اور اس نعرے سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ دینی اعتبار سے کوئی کسی سے بالاتر نہیں۔

یہ آراسمس، بوتر، شیلر اور کانٹ وغیرہ کا نعرہ ہے جو انہوں نے دین اور مذہب کے مقابلہ میں ایجاد کیا ہے اور یہ ایک الحادی فلسفہ ہے۔

## اصل میں تفرق دو قسم پر ہے:

1- تفرّق للدین (دین کے واسطے اختلاف)

2- تفرّق فی الدین (دین میں اختلاف)

تفرق للدین (دین کے واسطے اختلاف) مشروع اور مأمور به (واجب) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، ارشاد گرامی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن۔ (التغابن: 2)

مقصد یہ ہے کہ بنی نوعِ انسانی دو قسم پر ہے، ایک قسم مؤمنین کی ہے اور دوسری قسم کفار ہیں، اور یہ بات بھی یاد رہے کہ ان دونوں کے درمیان دُشمنی، بُغض اور دینی عداوت رہے گی۔ یہ فیصلہ انسانی تاریخ کی ابتداء سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ (البقرة: 36) اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت سے اللہ تعالیٰ منع فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴾ (النساء: 144) حتیٰ کہ ماں باپ، بہن بھائی کے ساتھ دوستی کرنا بھی حرام ٹھہرایا ہے جب یہ کافر ہوں، جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ﴾ (التوبه: 23)

یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے: «مُحَمَّدٌ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ» یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کے درمیان جدائی اور تفرقہ لایا۔ (صحيح البخاری، حديث: 2281)، یہ تفرقہ تفرق للدین کے قبیل سے تھا۔ تب ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی گئی۔

یہی شان ابراہیم علیہ السلام کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہے، قرآن کریم نے اُمت مسلمہ کے لیے ان کا عملی نمونہ کچھ یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُۥٓ﴾ (الممتحنة: 3)

ترجمہ: یقیناً تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے متبعین میں بہترین نمونہ ہے، جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کا انکار کرتے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے ظاہراً بُغض اور دشمنی رہے گی، جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

**اسلامی ضابطۂ حیات کی روشنی میں خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ:**

- اسلام عالمی دین ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہے، مگر عالمیت کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ تمام انسان انسانیت کی بنیاد پر ایک ہیں اور ان کے مابین دینی تفرقہ اور اختلاف کسی معنی میں نہیں پایا جاتا، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمیت تھی کہ تمام انسانانِ عالم کو دو حصوں میں تقسیم کیا: کافر اور مسلمان، جس طرح سابقہ اقوام کو ان کے پیغمبروں نے تقسیم کیا تھا۔
- تفرقہ مطلقاً مذموم نہیں، بلکہ تفرقہ فی الدین مذموم ہے اور تفرقہ للدین (یعنی دین کے واسطے تفرقہ) مذموم نہیں۔ بلکہ وہ تو "براء" کا عقیدہ ہے جو کہ مأمور بہ ہے، ہر کافر، مشرک اور بدعتی سے براءت لازم ہے۔ لہٰذا مسلمان اور کافر کے مابین برابری نہیں۔
- اس بات سے کوئی مسلمان منکر نہیں کہ اسلامی ریاست میں کفار محفوظ اور مأمون رہیں گے، اس

شرط کے ساتھ کہ وہ ذمی یا مستأمن ہوں۔ یعنی دو شرطوں کے ساتھ:

1- ملک دار الاسلام ہو، 2- کفار بحیثیت ذمی یا مستأمن رہائش پذیر ہوں۔

- "اسلام" قوم، نسل اور زبان کی بنیاد پر تفرقہ کا قائل نہیں اور نہ اسلام میں اس بنیاد پر جنگ کا جواز ہے، البتہ نفاذِ دین اور دفاعِ دین کی خاطر جنگ جائز ہے، چنانچہ ہماری جنگ اور ہمارا اختلاف اسی بنیاد پر ہے۔
- وہ مظلوم و محکوم اقوام جن پر ظلم و ستم ہو رہا ہے اور جن کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں۔ اگر وہ پُرامن طریقے سے اپنے حقوق کے حصول سے مایوس ہو چکے ہیں تو ظلم کو دفع کرنے کی خاطر ان کا حق ہے کہ وہ اختلاف اور جنگ کرتے ہوئے اپنے حقوق کو حاصل کریں۔
- غیر مسلموں اور ان کے مذاہب کا احترام اسلام میں موجود ہے، مگر تقابل کی صورت میں مسلمان کو ترجیح حاصل ہے، غیر مسلموں پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کا احترام کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں: «لَا تَبدَأُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَىٰ بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَىٰ أَضْيَقِهِ». (صحيح مسلم: 4030)

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَيْ: وَلَوْ كَانُوا ذِمِّيِّينَ، فَضْلًا عَنْ غَيْرِهِمِ مِنَ الْكُفَّارِ (یعنی اگرچہ یہ یہودی اور نصرانی ذمی ہوں، چہ جائے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار ہوں) (مرقات، ج: 13، ص: 418)

اور «فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ» کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فَاضْطَرُّوهُ) أَي: أَلْجِئُوا أَحَدَهُمْ (إِلَى أَضْيَقِهِ) أَيْ: أَضْيَقِ الطَّرِيقِ بِحَيْثُ لَوْ كَانَ فِي الطَّرِيقِ جِدَارٌ يَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ۔ یعنی انہیں راستے کی تنگ طرف جانے پر مجبور کرو، چنانچہ اگر راستہ میں دیوار ہو تو وہ دیوار کے ساتھ چمٹ جائے۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام» (یعنی جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو گویا کہ اس نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے میں معاونت کی)۔ لہٰذا جب ایک مبتدع (جو کہ در حقیقت مسلمان ہے، مگر اس) کا احترام کرنا ممنوع ہے تو

کافر کا احترام کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

لہٰذا مسلمانوں کی کامیابی کا راز اسلامی ضابطۂ حیات میں ہے اور اسلامی ضابطۂ حیات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی عبادت سے خود کو بچایا جائے، اللہ تعالیٰ کا قانون اور نظام کو مانا جائے، اور دیگر قوانین اور نظاموں سے بغاوت کی جائے، اللہ تعالیٰ کے دوستوں (مسلمانوں) کے ساتھ دوستی رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں (کفار) سے دشمنی اور عداوت ہو، اللہ تعالیٰ کے دین پر مضبوط عقیدہ ہو اور دیگر ادیان اور نظاموں کا انکار کیا جائے، چاہے کوئی اسے توہین کا نام دے یا مخالفت کا۔

آج مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ تمام (برائے نام) اسلامی ممالک (بشمول پاکستان) کے مسلمان سیکولر کفری نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، انسانی حقوق کے نام پر ایک لادین منشور کے تابع بن گئے ہیں، مسلمانوں سے ان کی دینی، مذہبی اور اجتماعی آزادی اور نظامِ حاکمیت کو چھینا گیا ہے، یہ سب کچھ کفار کے دین سے نفرت نہ کرنے کی خاطر اور ان سے دوستی رکھنے کی وجہ ہوا ہے۔

**خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ذلت ورُسوائی کی بنیادی وجوہات دو ہیں:**

1) اسلامی ضابطۂ حیات کی غلط تشریح، کہ اس میں کفر اور اسلام کا ملغوبہ، اور کفار و مسلمانوں کے درمیان بُغض وعداوت کا خاتمہ ہے، جس طرح "پیغامِ پاکستان" میں اس کی کوشش کی گئی ہے اور تقاربِ ادیان (جیسے سازشی منصوبے) کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے مختلف تعبیرات سے کام لیا گیا ہے۔ اور حالات اتنے ابتر ہو چکے ہیں کہ لوگ "ولاء وبراء" (دوستی اور دشمنی) جیسے اہم اسلامی عقیدے کو بیان کرنے پر شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔
2) عملی زندگی میں اسلامی ضابطۂ حیات سے منہ موڑنا اور روگردانی کرنا، طاغوت کی تابعداری، طاغوت کی مدح، طاغوت کا ساتھ دینا، اور طاغوتی قوانین کا نفاذ ہے۔

**دراصل پیغامِ پاکستان میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ**

1) دینِ اسلام کو بعض اخلاقیات تک محدود کیا جائے اور اسے ضابطۂ حیات کا نام دیا جائے۔
2) وہ آیتیں جن میں اخلاقیات کی ترغیب موجود ہے ان میں معنوی تحریف کرتے ہوئے ایسی شکل دی جائے کہ اس کے نتیجے میں کفار کو دعوت دینے اور اجتماعات منعقد کرنے کی مکمل آزادی ہو،

حالانکہ اسلام کسی بھی صورت میں اس کو برداشت کرنے کا قائل نہیں، چنانچہ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

3) پیغامِ پاکستان میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کے امتیازی عقیدے (ولاء و براء) کو کسی طرح ختم کیا جائے، حالانکہ اسلام کفار کے دین، لباس اور تہذیب سے مسلمانوں کو بچانے پر زور دیتا ہے اور اس پر نبی علیہ السلام کی بہت سی احادیث شاہد ہیں، چنانچہ کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع اسی بنا پر ہے، حتیٰ کہ مکہ مکرّمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سر کے بالوں میں بیچ میں مانگ بنانے سے منع کیا، اور حکم دیا کہ مانگ نکالے بغیر، سر میں کنگھی کرتے ہوئے بال پیچھے کی جانب سنوارے جائیں، کیونکہ سر کے بیچ میں مانگ بنانا مشرکینِ مکہ کی عادت تھی۔ اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ یہود جنازے کے بعد نہیں بیٹھتے تو فوری طور مسلمانوں کو بیٹھنے کا حکم دیا اور خود بھی عملاً بیٹھ گئے۔ اسی طرح بہت سے مواقع میں پارسیوں کے رسم ورواج کی مخالفت کا حکم دیا۔ جاہلی تہذیب سے مکمل بائیکاٹ کرنا اسلام کی خصوصیت اور امتیازات میں سے ہے، لیکن پیغامِ پاکستان میں کفری پیوندکاری کی ناکام کوشش کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

> اس عظیم الشان تہذیب نے اخذ وعطا اور تازہ کاری کے اصولوں کی بنا پر نہ صرف ترقی یافتہ قدیم تہذیبوں سے استفادہ کیا بلکہ تازہ کاری کے ذریعے علوم وفنون کی نشو نما میں حصہ ڈالا۔

الحمد للہ! اسلام ایک کامل دین ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس نے دوسری تہذیبوں سے بالکل استفادہ نہیں کیا، موجودہ دور میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام کو جمہوریت، سیکولرازم اور لیبرل ازم کے ساتھ اکٹھا کیا جائے، بدھ مت اور ہندوازم کے بارے میں کوشش کی جارہی کہ ان کی تہذیبوں کو ایک کیا جائے۔ حالانکہ ایسا ممکن نہیں، کم از کم اسلام کو دیگر ادیان کے ساتھ اکٹھا کرنا ناممکن ہے، (البتہ بعض وہ لوگ جو اسلام کی طرف منسوب ہیں وہ بدل جائیں تو دوسری بات ہے، مگر اسلام میں تبدیلی نہیں ہو سکتی) کیونکہ اسلام نے تو کفار کے ساتھ خوراک اور پوشاک میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»۔ (سنن ابی داود، حدیث: 4033)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: جو شخص جس قوم کے ساتھ مشابہت اختیار وہ انہی میں سے ہے۔

ان واضح دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک مستقل نظام ہے۔اس کی اپنی ایک تہذیب ہے، جس میں وہ قدیم تہذیبوں سے استفادہ نہیں کرتا، بلکہ اس سے منع کرتا ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد کفر بالطاغوت پر قائم ہے،اسلام ہر قسم کے طاغوت سے براءت کرتا ہے، ہر قسم کے تشبہ بالکفار سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔اور لاالہ الااللہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر معبود، حاکم اور مُطاع کاانکار کیا جائے۔آج اُمت مسلمہ کے افراد میں دوستی و دشمنی کا عقیدہ، اللہ تعالیٰ پر مضبوط ایمان اور کفر بالطاغوت کا عقیدہ کمزور ہو چکا ہے، طاغوت سے نفرت ختم ہو چکا ہے،اور ہیومینزم کے منحوس فلسفے کے تحت کفار اور مسلمانوں کو برابر کرنے اور کفر وا سلام کو مکس کرنے کی کوشش شروع ہے،اور مسلمانوں کے ممالک میں کفری قوانین نافذ ہیں، اسی وجہ سے مسلمان پوری دنیا میں کمزور ہوئے اور معاملہ اس حد پہنچ چکا ہے کہ پوری دنیا میں قرآن وسنت پر قائم ایک ملک بھی وجود نہیں رکھتا۔

☆☆☆☆☆

# (2)

# اسلامی جمہوریہ پاکستان

## 2.1 قیامِ پاکستان کا پس منظر :

قیامِ پاکستان کے پسِ منظر میں ایک نظریہ تو یہ ہے کہ پاکستان ایک سازش کی تحت وجود میں آیا (اسی لیے علمائے حق کی ایک جماعت نے انگریز کے مکر وفریب سے باخبر ہونے کی وجہ سے شروع ہی سے اسے رد کیا) جبکہ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ حقیقتاً ایک اسلامی ریاست کو وجود دینے کے لیے یہ کوشش ہوئی۔ ہماری گفتگو زیادہ تر اس دوسرے نظریہ کے تحت ہو گی۔

یہ کھلی حقیقت ہے کہ تحریک آزادیٔ پاکستان کے قائدین کو چھوڑ کر باقی مسلمان عوام اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے آزادی کی تحریک کا ساتھ اس لیے دیا کہ یہاں اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا، اسی وجہ سے مشہور نعرہ لگایا گیا: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الا اللہ"۔

لیکن یہ بات ہر آدمی وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ برِّ صغیر (موجودہ: ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) میں مسلمان پہلے دن سے کم تعداد میں رہے ہیں، مگر حکمران بھی یہی تھے، اور جس وقت انگریز نے بر صغیر پر قبضہ کیا اُس وقت بھی حکمران مسلمان تھے، اس لیے لازمی بات تھی کہ بر صغیر سے انگریزوں کے جانے کے بعد حکومت پر قبضہ ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں کا ہونا تھا، (اور اسلام کے منصفانہ نظام کے سایے میں سابقہ کئی صدیوں کی طرح دونوں قومیں مل جُل کر رہ سکتی تھیں) چونکہ انگریزوں کو اس بات کا احساس تھا اس لیے مسلمانوں کو یکجا ہونے نہیں دیا اور اپنے جانے سے پہلے مسلمانوں کو تقسیم کر دیا۔

اس بات کے دلائل درج ذیل شکل میں پیش کریں گے:

- انڈین انڈی پینڈنس ایکٹ 1947ء (قانون آزادیٔ ہند) جسے شاہِ برطانیہ (جارج ششم) نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں تقسیمِ ہند کے حوالے پیش کیا تھا، اس کی بعض دفعات درج ذیل ہیں:
  - آرٹیکل 1: پندرہ اگست 1947ء سے ہندوستان میں دو (برائے نام) آزاد ریاستیں بنائی

جائیں گی جو کہ انڈیا اور پاکستان کے نام پر ہوں گی۔

- آرٹیکل نمبر 5: ہر نئی ریاست کا ایک گورنر جنرل ہوگا جسے شاہِ برطانیہ مقرر کرے گا اور وہ اپنی ریاست کے حکومتی امور میں شاہِ برطانیہ کی نمائندگی کرے گا۔
- 'ہر نئی ریاست تمام صوبی اور دیگر علاقہ جات گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے مطابق چلائی گی۔
- برطانوی قانون اور اس کے دیگر حصے (انڈین پینل کوڈ 1860 اور سی آر پی سی 1898) جو 15 اگست 1947 سے قبل نافذ العمل تھے وہ کچھ تبدیلیوں کے ساتھ نئی ریاستوں میں بطورِ قانون نافذ ہوں گے۔

- اسی طرح 1935ء انڈیا ایکٹ شیڈول چہارم کے مطابق قیامِ پاکستان کے بعد ہر بڑے سرکاری عہدے کا حلف اُٹھاتے وقت یہ بات لازمی ہے کہ شاہِ برطانیہ کی وفاداری کا حلف اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد محمد علی جناح (قائد اعظم) اور دیگر لیڈر حضرات کی تقاریبِ حلف برداری ریکارڈ پر ہیں۔
- قیامِ پاکستان کے بعد صوبہ پنجاب کا پہلا گورنر سر رابرٹ فرانس موڈی، اور صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) کا پہلا گورنر سر جارج کننگم تھا اور دوسرا گورنر سر ایمبروس ڈنڈس تھا، اسی طرح بنگال کا پہلا گورنر سر فیڈریک جار ملز تھا، اسی طرح پاکستان کا پہلا فیلڈ مارشل سر کلارڈ اکلنک تھا اور پھر پہلا آرمی چیف سر فرانک میسروی اور دوسرا آرمی چیف سر ڈگلس گریسی تھا۔
- اسی طرح قیامِ پاکستان کے بعد گورنر جنرل قائد اعظم جناح کی نگرانی میں گورنمنٹِ برطانیہ انڈیا ایکٹ نافذ کیا گیا، کیونکہ اس کا فیصلہ برطانیہ کی پارلیمنٹ کر چکی تھی۔

اگرچہ ہم ماضی کے قصوں کی طرف جانا نہیں چاہتے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ "پیغامِ پاکستان" اور "متفقہ فتویٰ" کے نام سے شائع کردہ جعلی فتوی کا جواب دیں۔ اور اس سے دو باتیں واضح کرنا مقصود ہیں:

اول یہ کہ تمام ثبوت کی دلالت اس بات پر ہے کہ درحقیقت مسلمانانِ ہند کی تقسیم کا منصوبہ ایک خفیہ سازش تھی جسے انگریزوں نے تیار کیا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں اس کا بل پیش کیا گیا، اور مستقبل میں بننے والی دونوں ریاستوں کا مکمل نقشہ تیار کیا گیا۔

دوم یہ کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس ملک کو ریاستِ مدینہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔آیا ریاستِ مدینہ میں کسی کافر کی وفاداری کاحلف اٹھایا جاتا تھا؟ (العیاذ باللہ) جس طرح یہاں (پاکستان میں) جارج ششم کی وفاداری کاحلف اٹھایا گیا؟آیا ریاستِ مدینہ میں نافذ آئین کفار کا بنایا ہوا تھا؟آیا مدنی ریاست میں ولایت (گورنری) یا دوسرا کلیدی عہدہ کفار کے حوالے تھا؟جس طرح یہاں (پنجاب، بنگال اور صوبہ سرحد میں) ہوا؟آیا ریاستِ مدینہ کی افواج کے سربراہ کی تقرری کفار کی طرف سے تھی؟ (العیاذ باللہ)

پاکستان کی تشبیہ ریاستِ مدینہ کے ساتھ دینا ایسی واضح البطلان بات ہے کہ ایک ذی شعور شخص کسی طرح اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں، ریاستِ مدینہ تو درکنار ایک اسلامی ریاست ثابت کرنا بھی ناممکن ہے۔ یہاں لکھنے کو تو بہت کچھ ہیں مگر ہماری موضوعِ گفتگو یہ نہیں۔

☆☆☆☆☆

# (3)

## قیامِ پاکستان

پیغام پاکستان میں "قیامِ پاکستان" کے عنوان کے تحت ایک اسلامی معاشرے کے لیے ایک خیالی نقشہ پیش کیا گیا ہے، مثلاً آئین پاکستان میں چند (بظاہر) اسلامی آرٹیکلز شامل کرکے مسلمانوں کو ایسا خواب دیکھانے کی کوشش کی جو کبھی شرمندۂ تعبیر ہونے والا نہیں، سود وغیرہ حرام کاری ختم کرنے سے متعلق محض وعدے ہیں جو کبھی پورے نہ ہوں گے۔ اگر بالفرض اسلامی دفعات کو عملی شکل دے بھی جائے، مگر پاکستان میں موجود جمہوری نظام کے ہوتے ہوئے وہ کارآمد نہیں، کیونکہ جمہوریت کی اساس آزادیٔ اظہارِ رائے اور مساوات پر ہے، اور یہ دونوں چیزیں اسلامی نظام کے ساتھ جس انداز سے ٹکراؤ میں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں، ان شاء اللہ ہم بعد میں قرآن وسنت اور اقوالِ فقہائے اُمت کی روشنی میں نقد وجرح پیش کریں گے۔

## اسلامی جمہوری پاکستان کی کامیابیاں

اس عنوان کے تحت پیغام پاکستان کے راقم نے کوشش کی ہے کہ کسی طرح سادہ مسلمان عوام کو دھوکہ دیا جائے، اس عنوان کے تحت دو باتوں کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

**پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔**

اور درج ذیل اُمور بطورِ دلیل لائے ہیں:

**(الف)** اسلامی ممالک میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جس میں سب سے زیادہ اسلامی قانون سازی ہوئی ہے۔

**(ب)** قرار دادِ مقاصد بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ملک اسلامی ملک ہے، کیونکہ آئین کے دفعہ: 227 بتاتی ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا۔

**(ج)** وفاقی شرعی عدالت، ہر قسم کے خلافِ شرع قوانین کے خلاف اقدامات اٹھا کر اس

قانون کو تبدیل کر سکتی ہے۔

(د) پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل جیسا ادارہ ہے جو قوانین کی نگرانی کرتی ہے اور خلافِ شرع قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی سفارشات پیش کرتی ہے۔

## تجزیہ:

مذکورہ نکات کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح پاکستان کو ایک اسلامی ملک ثابت کیا جائے، 95 فی صد قوانین اسلامی ہونے کی بات ہو یا آئینِ پاکستان کے اسلامی ہونے کی بات ہو۔ اس بارے میں ہم ایک مختصر تجزیہ پیش کرتے ہیں، تاکہ مسلمانانِ پاکستان حقیقت سے باخبر ہو کر اِن سیانے شکاریوں کی جال میں نہ پھنسیں۔

سب سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں جاری جہاد کی وجہ شریعت کا نفاذ یا عدمِ نفاذ نہیں، بلکہ اختلاف کے بنیادی نکات دو ہیں:

پہلا نکتہ شریعت کی قانونیت کا ہے، یعنی ہمارے ملک پاکستان میں شریعت تو ویسے بھی نافذ العمل نہیں، البتہ بہت سے شرعی احکامات ایسے ہیں جنہیں سرے سے قانونی حیثیت ہی حاصل نہیں۔

دوسرا نکتہ کسی حکمِ شرعی کو قانونی حیثیت دینے کے معیار کا ہے، مثلاً جو لوگ آئینِ پاکستان کو اسلامی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک سب سے اہم دفعہ یہ ہے کہ اس میں "حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ ٹھہرایا گیا ہے" لیکن کبھی اس پر سوچا نہیں کہ اس دفعہ کو کس مقصد کی خاطر آئین یا قرار دادِ مقاصد کا حصہ بنایا گیا ہے؟

**اب ہم پہلی بات کی طرف آتے ہیں کہ پیغام پاکستان میں لکھا گیا ہے:** پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کے آئین میں تمام اسلامی ممالک کی بنسبت سب سے زیادہ اسلامی قانون سازی کی گئی ہے، اور وہ قانون سازی تقریباً 95 فیصد تک ہے۔

**اس بارے میں ہماری گفتگو درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:**

- پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح ان حضرات کا خود ہی کہنا ہے کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس میں سب سے زیادہ اسلامی قانون سازی ہوئی ہے، اس سے تو بالکل بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے کچھ احکامات ایسے بھی ہیں جنہیں قانونی حیثیت حاصل نہیں۔ رہی یہ بات کہ ان کی فیصدی کیا

ہے؟ فالحال اس سے ہماری گفتگو متعلق نہیں، لیکن اتنی بات تو یقینی ہے کہ بعض احکامات کو قانونی حیثیت حاصل نہیں۔ اور وہ آئین کے آرٹیکل 12 شق الف: (کسی ایسے فعل یا ترکِ فعل کے لئے جو اس فعل کے سرزد ہونے کے وقت کسی قانون کے تحت قابلِ سزا نہ تھا سزا دینے کی اجازت نہیں دے گا) کے مطابق قانون نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو شریعت میں جرم ہو اور وہ ان پانچ فیصد احکام میں سے ہو جنہیں تاحال قانونی حیثیت حاصل نہیں، تو اس پر اُس شخص کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی، کیونکہ وہ کام قانوناً جرم نہیں۔ اسی طرح ایک کام ایسا ہے جو شرعاً کرنا ضروری ہے مگر کسی نے اس لیے بجا نہ لایا کہ وہ قانوناً بجالانا ضروری نہیں، تو ایسے شخص کو آئینِ پاکستان کی رُو سے سزا نہیں دی جا سکتی، حالانکہ وہ شخص شرعاً سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ، پاکستان میں شریعت نافذ ہے ہمیں منظور نہیں۔ اسی طرح یہ بھی منظور نہیں کہ ملک میں تمام اسلامی احکام کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔

- دوسری بات یہ ہے کہ اسلام میں فیصد کا کوئی اعتبار نہیں، نفاذ کے بارے میں تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ قانوناً تسلیم کرنے میں فیصد کا اعتبار نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی ایک حکم کے قانون ہونے سے بھی انکار کرے تو بھی یہ شخص کافر ہو گا، کیونکہ اس بارے میں شرعی احکامات بمنزلہ واحد متصل ہے، کسی ایک سے انکار تمام سے انکار کے مترادف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «من أنكر شيئًا من شرائع الإسلام فقد أبطل قول لا إله إلا الله» (یعنی جو بھی شخص اسلامی احکامات میں سے کسی ایک کا انکار کرے تو اس نے لا الہ الا اللہ کا ابطال کیا)۔ لہٰذا کسی ایک حکمِ شرعی کی قانونیت لغو قرار دینا کفر ہے، جبکہ پاکستان کے آئین میں کم از کم پانچ فیصد قوانین کی قانونیت لغو ہے۔
- تیسری بات یہ ہے کہ ایک شخص میں بعض اعمالِ غیر شرعیہ موجود ہو جائے تو یہ شخص گنہگار ہو گا (جسے اصطلاحاً فاسق کہا جاتا ہے)، لیکن اگر قانون کی کسی کتاب اور آئین میں یہی بات پائی جائے تو یہ صرف گناہ نہیں کہ ہم اسے فاسق قانون اور فاسق آئین کہیں، کیونکہ کتابِ قانون کسی قول و فعل کو جائز و ناجائز قرار دینے کا حکم صادر کرتی ہے، لہٰذا بجائے گناہ کے کفر سمجھا جائے گا، چنانچہ یہ

**بات کہ "آئینِ پاکستان یا قوانینِ پاکستان 95 فیصد اسلامی ہے اور پانچ فیصد اس کے خلاف ہے" یہی پانچ فیصد بھی کفر ہے۔ چونکہ اس میں ایک ناجائز کو جائز اور ایک جائز چیز کو ناجائز کہا گیا ہے۔**

**علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

يُنْكِرُ تعالىٰ عَلَى مَنْ خَرَجَ عَنْ حُكْمِ اللهِ -المُحْكَم الْمُشْتَمِلِ عَلَى كُلِّ خَيْرٍ، النَّاهِي عَنْ كُلِّ شَرٍّ- وَعَدَلَ إِلَى مَا سِوَاهُ مِنَ الْآرَاءِ وَالْأَهْوَاءِ وَالِاصْطِلَاحَاتِ، الَّتِي وَضَعَهَا الرِّجَالُ بِلَا مُسْتَنَدٍ مِنْ شَرِيعَةِ اللهِ، كَمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَحْكُمُونَ بِهِ مِنَ الضَّلَالَاتِ وَالْجَهَالَاتِ، مِمَّا يَضَعُونَهَا بِآرَائِهِمْ وَأَهْوَائِهِمْ، وَكَمَا يَحْكُمُ بِهِ التَّتَارُ مِنَ السِّيَاسَاتِ الْمَلَكِيَّةِ الْمَأْخُوذَةِ عَنْ مَلِكِهِمْ جِنْكِزْخَانَ، الَّذِي وَضَعَ لَهُمُ الْيَساقَ وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ كِتَابٍ مَجْمُوعٍ مِنْ أَحْكَامٍ قَدِ اقْتَبَسَهَا عَنْ شَرَائِعَ شَتَّى، مِنَ الْيَهُودِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ وَالْمِلَّةِ الْإِسْلَامِيَّةِ، وَفِيهَا كَثِيرٌ مِنَ الْأَحْكَامِ أَخَذَهَا مِنْ مُجَرَّدِ نَظَرِهِ وَهَوَاهُ، فَصَارَتْ فِي بَنِيهِ شَرْعًا مُتَّبَعًا، يُقَدِّمُونَهَا عَلَى الْحُكْمِ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ مِنْهُمْ فَهُوَ كَافِرٌ يَجِبُ قِتَالُهُ، حَتّىٰ يَرْجِعَ إِلَى حُكْمِ اللهِ وَرَسُولِهِ، فَلَا يَحْكُمُ سِوَاهُ فِي قَلِيلٍ وَلَا كَثِيرٍ.

*ترجمہ: اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس محکم (منسوخ نہ ہونے والے) حکم سے نکل جائیں جو ہر خیر پر مشتمل ہے اور ہر شر سے منع کرنے والا ہے، اور (ان لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو شریعتِ مطہرہ سے منہ موڑ کر) ان قوانین کی طرف پھرتے ہیں جو لوگوں کی وضع کردہ رائے، خواہشات اور اصطلاحات ہیں، ان کا استناد اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف نہیں، جس طرح اہلِ جاہلیت اپنے اُن جاہلی گمراہ کُن اُصولوں پر فیصلہ کرتے جنہیں انہوں نے اپنی آراء اور خواہشات سے گھڑ رکھا تھا، اور جس طرح تاتاری حکمران اُن بادشاہی اصولوں پر فیصلے کرتے ہیں جو اُن کے بادشاہ چنگیز خان کے بنائے ہوئے آئین "یاسق" سے مأخوذ ہیں، اور یاسق ایک ایسی کتاب (آئین) سے عبارت ہے جس میں جو احکام (دفعات) جمع کیے گئے تھے وہ مختلف شریعتوں سے لے کر جمع کیے گئے تھے، اس کے بعض احکام (دفعات) یہودیت سے لیے گئے تھے، بعض نصرانیت (عیسائیت) سے لیے گئے تھے، بعض اسلامی ملت سے لیے گئے تھے، جبکہ اس کے بہت سے احکام (دفعات) محض اپنی فکر اور خواہش سے درج کردہ تھے، پھر یہی کتاب (آئین) اُس کی اولاد (حکمرانوں) کے لیے واجب الاتباع (واجب الاطاعت) قانون بن گئی، جسے وہ*

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر مقدم کرتے۔ لہٰذا اُن میں سے جو شخص (حکمران) یہ کام کرے (کہ اس کتاب وآئین کے مطابق فیصلہ کرے) وہ شخص کافر ہے، اس کے خلاف قتال فرض ہے، یہاں ، تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم (فیصلے و قانون) کی طرف واپس پلٹ جائے اور (نتیجتاً) وہ قلیل و کثیر (' ہر قسم معاملے) میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے علاوہ (کسی اور آئین ودستور) پر فیصلہ نہ کرے۔(تفسیر ابن کثیر، ج: 3، ص: 131)

پس تاتاریوں کے قانون (یاسق) میں بعض احکام شریعتِ مطہرہ سے مأخوذ تھے، مگر اس کے باوجود اسے کفری قانون کہا گیا ہے، اسی طرح قانونی لحاظ سے ہر وہ قانون جو بعض شرعی دفعات اور بعض خلافِ شرع دفعات پر مشتمل ہو، اُن شرعی دفعات کی بھی اسلامی قانون اور اسلامی آئین کی حیثیت نہ ہو گی، چونکہ اسلامی قوانین بحیثیت قانونی ہونے اور تسلیم کرنے میں واحدِ متصل ہے، اگرچہ عملی طور پر ایسا نہ ہو۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفي هذه الآية دلالة على أن من ردّ شيئا من أوامر الله تعالىٰ اور أوامر رسوله صلّى الله عليه وسلّم فهو خارج من الإسلام، سواء ردّه من جهة الشك فيه أو من جهة ترك القبول والامتناع من التسليم، وذلك يوجب صحة ما ذهب إليه الصحابة في حكمهم بارتداد من امتنع من أداء الزكاة وقتلهم وسبى ذراريهم؛ لأن الله تعالىٰ حكم بأن من لم يسلم للنبي صلى الله عليه وسلّم قضاءه وحكمه فليس من أهل الإيمان.

ترجمہ: اور اس آیت میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوامر میں سے کسی امر کو رد (مسترد) کرے تو وہ خارج از اسلام ہے، پھر یہ رد کرنا (قبول نہ کرنا) برابر ہے چاہے اس بنا پر ہو کہ اس کے بارے میں شک میں واقع ہوا ہے یا اسے وہ امر قابلِ قبول نہیں، یا اسے تسلیم کرنے سے رُک گیا ہو۔ اور یہ صحابہ کرام کے اُس موقف کی درستگی کو ثابت کرتی جس میں انہوں نے اسلامی حکومت کو زکوۃ کی ادائیگی سے رُکنے والوں کو مرتد سمجھا تھا، اور انہیں قتل کرنا اور اُن ذریت کو غلام بنانا روا سمجھا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں وہ اہلِ ایمان میں سے نہیں۔ (احکام القرآن، ج: 3، ص: 181)

لہٰذا یہاں پانچ فیصد اسلامی قوانین رد کئے جا چکے ہیں، اگرچہ اس حیثیت سے رد نہیں کئے گئے

کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل نہیں کیا ہے، یا اسلامی قوانین کو رد کرنے والے اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے، لیکن اس اعتبار سے رد ہے کہ اس کی قانونی حیثیت رد کی گئی ہے، اور یہ قانونی حیثیت نہ دینا اس کے قبول کرنے سے انکار ہے۔

**دوسری بات جو پیغامِ پاکستان والوں نے ملک کے اسلامی ہونے کے لیے بطور دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ** قراردادِ مقاصد (جواب آئین کا حصہ ہے، اس) میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔ اسی طرح دفعہ 227 میں قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہ کرنے اور موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کا وعدہ موجود ہے۔ ان دونوں کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ ملک اسلامی ہے۔

ہم ایک بار پھر قارئینِ کرام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے کہ بات قانونیت کی ہے، یعنی ایک حکمِ شرعی کی قانونیت نہ ماننا کفر ہے اور اس کی قانونی حیثیت تسلیم کرنا اسلام ہے، پھر نفاذ وعدم نفاذ میں تفصیل ہے۔

قراردادِ مقاصد اور دفعہ 227 والی بات قانونِ اساسی کے اسلامی ہونے کے لیے کافی نہیں، جس کی وجوہات بہت ہیں، چند کا ذکر ہم کئے دیتے ہیں:

**پہلی وجہ:** دفعہ 227 میں فقط وعدہ ہے، یعنی مستقبل میں قوانین کو قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، اور موجودہ غیر شرعی قوانین قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا۔ کوئی قانون وعدہ کے ذریعے اسلامی نہیں بنتا، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص فی الحال کافر ہے اور وہ کہے کہ میں کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کروں گا۔ یہ شخص اس قول سے مسلمان شمار نہ ہوگا، بلکہ فی الحال اسلام قبول کرنا ضروری ہے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک شخص گرنداور وید کے بعض احکامات پر عمل پیرا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہتا ہے کہ آئندہ سال قرآن کریم پر عمل کروں گا، تو یہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ تورات وانجیل (جو آسمانی کتابیں ہیں) فی الحال کوئی شخص اُن پر عمل پیرا ہے (یا فیصلوں میں اُن کی طرف رجوع کرتا ہے) تب بھی وہ شخص کافر ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمن ترك الشرع المحكم المنزل على محمد بن عبد الله خاتم الأنبياء

وتحاكم إلى غيره من الشرائع المنسوخة كفر، فكيف بمن تحاكم إلى الياسا وقدّمها عليه؟ من فعل ذلك كفر بإجماع المسلمين.

ترجمہ: پس جو شخص اُس محکم شریعت کو چھوڑ دے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم الانبیاء محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے، اور اس کے علاوہ دیگر شرائعِ منسوخہ کی طرف فیصلوں میں رجوع کرے تو اُس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا، پس جو شخص فیصلوں کے لیے یاسا (چنگیز خان کا بنایا ہوا آئین یاسق) کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی شریعت پر مقدّم کرتا ہے تو اس کا کیا حال ہے؟ جس نے ایسا کیا وہ باجماعِ مسلمین کافر ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۷ص۱۶۲)

لہٰذا جو لوگ فی الحال کسی ایسے قانون کو حاکم مانیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیا ہے بلکہ انسانوں کا وضع کردہ ہے وہ کس طرح مسلمان ہو سکتے ہیں؟

**دوسری وجہ:** قانونِ اساسی میں جو اسلامی دفعات ہیں وہ اس اعتبار سے قانون کا حصہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون ہیں، بلکہ اس حیثیت سے قانون ہیں کہ پارلیمنٹ نے انہیں منظور کیا ہے، حالانکہ ہم (مسلمان) اللہ تعالیٰ کے ہر اُس حکم کی قانونیت فی الحال مانتے ہیں جو اُصولِ اربعہ (قرآن، سنت، اجماعِ اُمت، اور قیاس) سے ثابت ہو۔ لیکن ان کے اصولوں کے مطابق قرآن وسنت سے وہ قطعی الثبوت حکم جس کی دلالت بھی قطعی ہو اُس وقت تک اساسی قانون (آئین) کا حصہ نہیں جب تک وہ دونوں ایوانوں (پارلیمنٹ اور سینٹ) سے دو تہائی اکثریت کے ساتھ پاس نہ ہو جائے، اور ساتھ میں صدرِ پاکستان کا توثیقی دستخط بھی ضروری ہے۔

اور اس کی مثال یہی قراردادِ مقاصد اور دفعہ 227 ہیں، یہ اس وقت قانونِ اساسی کا حصہ بنے جب دو تہائی اکثریت نے انہیں پاس کیا، لہٰذا ان کے یہاں قانون بننے کا معیار اکثریت ہے، نہ کہ اُصولِ اربعہ سے ثبوت وقطعیت۔

آئینِ پاکستان کی مثال چنگیز خان کے بنائے ہوئے آئین (یاسق) کیسی ہے کہ اُس نے بعض اسلامی دفعات اس میں شامل کئے تھے، اور اُن دفعات کی شمولیت کی وجہ بعینہٖ اسی طرح تھی کہ وہ اس کی خواہش کی موافق تھے، بحیثیتِ قانونِ الٰہی نہ تھے۔

**تیسری وجہ:** اگر آئین میں بعض اسلامی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے، تو بعض غیر اسلامی دفعات کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا اگر اسلامی دفعات کی وجہ سے آئین اسلامی ہے تو بعض غیر اسلامی دفعات کی موجودگی کی وجہ سے کفری کیوں نہیں؟

**چوتھی وجہ:** جن اسلامی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے وہ اُن آئینی دفعات کے ساتھ برابر ہیں جو سیکولر اور کفری دفعات ہیں، کیونکہ دونوں قسم کی دفعات آئین کا حصہ ہیں اور آئین کی کوئی دفعہ کسی اور دفعہ پر حاکم نہیں، بلکہ ان کی حیثیت مساوات کی ہے۔

**پانچویں وجہ:** جو اسلامی دفعات آئین کا حصہ ہیں انہیں عملی تنفیذی حیثیت حاصل نہیں اور جو غیر اسلامی دفعات ہیں وہ فی الحال نافذ ومعمول بہا ہیں۔

**خلاصۂ کلام:** پاکستان کے اسلامی ملک ہونے سے انکار اور یہ دعویٰ کہ ملک پاکستان میں طاغوتی نظام نافذ ہے اس وجہ سے رد نہیں ہو سکتا کہ قرار دادِ مقاصد میں حاکمیتِ اعلیٰ کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دیا گیا ہے، یا دفعہ 227 وغیرہ موجود ہیں، کیونکہ ایک تو یہ صرف وعدہ ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ آئین میں ان دفعات کی شمولیت بحیثیت قانونِ الٰہی نہیں، اور ساتھ میں اسی آئین میں وہ دفعات بھی شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے کھلی بغاوت ہے اور عملاً تنفیذ اُن غیر اسلامی دفعات کو حاصل ہے۔ خلاصے سمیت تفصیل ایک بار پھر دیکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسے آئین کو کس طرح اسلامی مانا جائے؟ اور اس کی وجہ سے ملک کس طرح اسلامی بنے گا؟

کون اتنا جرّی ہے کہ وہ خالق کے قوانین اور مخلوق کے قوانین کو مساوی یا خالقِ کائنات کے قوانین کو وضعی آئین کے ماتحت دیکھتے ہوئے بھی اُسے اسلامی کہے؟ یا قانونِ الٰہی کی منظوری مخلوق کے رحم و کرم پر چھوڑے؟ آیا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کرنے کا یہی معنی ہے کہ اُس کے قانون کو انسانوں کی دو تہائی اکثریت کا محتاج بنایا جائے؟ (نعوذ باللہ من ذلك) اگر یہ بدترین کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

**تیسری بات جو پیغامِ پاکستان والوں نے ملک کے اسلامی ہونے کے لیے بطورِ دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت ہے، جس میں ہر اُس قانون کو چیلنج کیا جا سکتا ہے**

جو شریعت کے خلاف ہو، اور نتیجتاً غیر شرعی قانون کی جگہ شرعی قانون کو لایا جاسکتا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت سے پاکستان کا اسلامی ہونا کس حد تک درست ہے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات پہچان لیں۔

آئین کے آرٹیکل 203 (ج) میں ہے:

> قانون،، میں کوئی رسم ورواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو، مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قوانین، کسی عدالت یا ٹربیونل کے ضابطۂ کار سے متعلق کوئی قانون یا، اس بات کے آغازِ نفاذ سے [دس] سال کی مدت گزرنے تک، کوئی مالی قانون محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔

**مطلب یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے درج ذیل اُمور خارج ہیں:**

**الف:** آئینِ پاکستان، (یعنی آئین میں جو خلافِ شرع دفعات اور مواد ہیں وفاقی شرعی عدالت ان کا جائزہ تک نہیں لی سکتی)

**ب:** مسلم عائلی قوانین، (کے نام سے جو قوانین ہیں غیر شرعی ہونے کے باوجود وفاقی شرعی عدالت ان کا جائزہ تک نہیں لی سکتی)

**ج:** عدالتوں کے طریقہ کار سے متعلقہ قوانین، (جیسے دعویٰ کو قبول یا رد کرنے سے متعلق قانون، عدالت کے دائرہ اختیار سے متعلق قانون، گواہی سے متعلق قانون، اثباتِ جرم سے متعلق قانون، وکالت سے متعلق قانون، اثباتِ جرم کے دلائل سے متعلق قانون، اثباتِ جرم کے ذرائع سے متعلق قانون، قانون ودستور کی تفسیر وتشریح سے متعلق قانون، عدالتی حق سے متعلق قانون، عدالتی فیصلوں کے ابطال وترمیم کے حق سے متعلقہ قواعد وقوانین میں وفاقی شرعی عدالت کا کوئی کام نہیں، کیونکہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں)

**ہ:** مالیاتی قوانین، (یہ بھی وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات کے تحت داخل نہیں، لہٰذا سود، لاٹری اور پرائز بانڈ آئینِ پاکستان میں جائز ہونے کے باوجود شرعی عدالت انہیں غیر قانونی (ناجائز) قرار دے کر ان پر کسی شخص یا کسی ادارے کا مؤاخذہ نہیں کر سکتی)

و: ٹیکس اور فیس سے متعلقہ قوانین، (یہ بھی وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات کے تحت داخل نہیں)

ز: بیمہ اور انشورنس سے متعلق قوانین، (یہ بھی وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات سے خارج ہیں)

اور جن اُمور میں وفاقی شرعی عدا لت کو دخل اندازی کی اجازت ہے، (2) 203D اور آرٹیکل 203F کے مطابق اگر کوئی شخص اس دخل اندازی سے ناخوش ہو تو اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کر سکتا ہے اور سپریم کورٹ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو منسوخ یا تبدیل کر سکتا ہے۔

معزّز قارئین! یہ ہے وفاقی شرعی عدالت اور یہ ہے اس کی حیثیت، اتنے اہم اُمور اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں کلمۂ اسلام پڑھتا ہوں مگر اسلام کا فلاں فلاں حکم سے میں مستثنٰی ہوں گا، اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ آئینِ پاکستان متعدد غیر اسلامی دفعات پر مشتمل ہے (حالانکہ آئین تمام قوانین کا مرجع ہے) جس پر شرعی عدالت کو اختیار اور حاکمیت نہیں، البتہ آئین یہ اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے وفاقی شرعی عدا لت کو ختم یا اس کے اختیارات مزید کم کرے، کیونکہ آئین کا دفعہ 238 اور 239 پارلیمنٹ کو مکمل ترمیم کا اختیار دیتی ہیں، حتیٰ کہ دفعہ 239 (5) یوں کہتی ہے:

> دستور میں کسی ترمیم پر کسی عدالت میں کسی بناء پر چاہے جو کچھ ہو کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ 239(6) کا ایک قدم آگے بڑھ کر کہنا ہے:

> ازالۂ شک کے لئے، بذریعہ ہذا قرار دیا جاتا ہے کہ دستور کے احکام میں سے کسی میں ترمیم کرنے کے مجلس شوری (پارلیمنٹ) کے اختیار پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

لہٰذا جب وفاقی شرعی عدالت کے اختیار سے آئین باہر ہے اور خود وفاقی شرعی عدالت آئین کے ماتحت ہے، اراکینِ پارلیمنٹ آئینی طور پر وفاقی شرعی عدالت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے جس شرعی عدالت کی وجہ سے پورے ملک کو اسلامی کہا گیا تھا اور اسے ملک کے قوانین کا نگران فرض کیا گیا تھا وہ بیچارہ تو اپنے آپ کے تحفظ سے لاچار ہے، باقاعدہ قانونی طور پر غیر محفوظ ہے۔

**چوتھی بات جو پیغامِ پاکستان والوں نے ملک کے اسلامی ہونے کے لیے بطورِ دلیل**

**پیش کی ہے وہ یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل جیسا ادارہ ہمارے ملک میں موجود ہے۔ انہوں نے اس ادارہ کے ذریعے نظام کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کا کام ہے کہ وہ قوانین کا جائزہ لے اور جو قوانین شریعت کے خلاف ہو ان کی تبدیلی اور شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے سفارشات پیش کرے۔**

حالانکہ اسلامی نظریاتی کونسل کا کام سفارشات پیش کرنا ہے، جس طرح آئین کی دفعہ (1) الف 230 میں اس کی تصریح موجود ہے، اختیار پھر پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ سفارش کی حقیقت ہر کسی پر واضح ہے کہ جس کے سامنے سفارش کی جائے مرضی اس کی ہوتی ہے، سفارش قبول کرے یا رد کرے، سفارش کرنے والے کا کام صرف سفارش کرنا ہے، آگے اس کے اختیارات نہیں۔ سفارش کرنے والا اگر پیغمبر کیوں نہ ہو سفارش قبول کرنا ضروری نہیں، جیسا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیث کے یہاں رہنے کی سفارش کی، مگر بریرہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ یہ آپ کا امر ہے یا مشورہ وسفارش؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشورہ ہے۔ تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں مغیث کے یہاں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول نہیں کی، جس پر وہ گنہگار نہیں۔ اس بات سے مقصد یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل صرف سفارش کرتا ہے، ایک سفارشی ادارہ ہونا ایک واضح بات ہے، یہ ایک بے بس ادارہ ہے جو ملکی نظام کو تبدیلی نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ آج تک اسلامی نظریاتی کونسل نے ہزاوں سفارشات پیش کئے ہیں، مگر ان پر غور تک نہیں ہوا۔ اس بات کا اعتراف خود سیاسی لوگ کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل کو محدود اختیار حاصل ہے اور پھر آئین میں تبدیلی کا ان کو کوئی اختیار حاصل نہیں، حالانکہ آئین خطرناک غیر اسلامی دفعات پر مشتمل ہے۔

# (4)

# پاکستانی ریاست کو درپیش مسائل

اس عنوان کے تحت چھ شق ذکر ہوئے ہیں (جو تقریباً مکرر ہیں) اور ان میں کوشش کی گئی کہ یہ بات ثابت کی جائے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جس کے خلاف جنگ بغاوت اور حرابہ ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش ہے جو کسی شرعی اساس پر قائم نہیں۔

وہ چھ شق یہ ہیں:

1. اسلامی ریاست کے خلاف جنگ،
2. ریاستی اداروں اور عام لوگوں کے خلاف دہشت گردی،
3. فرقہ پرستی اور تکفیریت کی طرف میلان،
4. جہاد کی غلط تشریح،
5. امر بالمعروف کے عنوان کے تحت قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینا،
6. قومی میثاق اور معاہدہ کو توڑنا اور نظر انداز کرنا،

ان چھ نکات میں (برائے نام) تحقیقاتی ادارے کی یہ کوشش رہی ہے کہ ریاستِ پاکستان کو ایک معصوم اسلامی اور قائم علی منہاج النبوۃ ریاست ثابت کریں اور اس کے مقابل میں جو لوگ دینی کام میں لگے ہوں یا شریعت کا مطالبہ کریں یا ریاست کی مخالفت کریں انہیں باغی، ظالم، دہشت گرد، اور قطاع الطریق ثابت کریں۔ ہم ہر نکتہ کا خلاصہ پیش کریں گے، اور پھر اس کا مختصر تحلیل و تجزیہ شریعت کی روشنی میں پیش کریں گے۔

**اسلامی ریاست کے خلاف جنگ:** اس عنوان کے تحت کوشش کی گئی ہے کہ

**(الف)** ریاستِ پاکستان ایک اسلامی ریاست ثابت کی جائے، اور خلیفۂ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ چہارم علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرح ریاست اور نظام ثابت کیا جائے اور اس کے خلاف (شریعت کے واسطے) لڑنے والے لوگوں کو خلافتِ راشدہ کے خلاف لڑنے والے لوگوں کا

نام (جیسے باغی اور خارجی) دے دیا جائے، اور پھر ان پر وہ حکم لگایا جائے جو فقہائے کرام نے باغیوں اور خارجیوں پر لگایا ہے۔

(ب) پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، اسلامی نظام کے نفاذ میں تساہل اور سستی حکام طبقے کی طرف سے ہے۔

(ج) تساہل اور سستی کی صورت میں حکومت کے خلاف بغاوت کرنا باتفاقِ علماء جرم اور حرام ہے۔

## تجزیہ (1) (الف):

الحمد للہ! ہم نے بالکل صاف اور واضح دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں۔ اسلامی ریاست کسے کہتے ہیں؟ یہ بات ہر کسی کو معلوم ہے کہ ایک ریاست ہے اور ایک حکومت ہے۔ ریاست اگرچہ جدید اصطلاح ہے جو عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، لیکن اس کی اسلامیت اور کفر کی بنیاد نظام کے ڈھانچے اور ملک کے آئین پر ہے، ملکی نظام کا ڈھانچہ جمہوریت پر قائم ہے، جو عوام پر عوام کے فائدے کے لیے عوامی حکومت کا نام ہے۔ اس میں معیارِ خیر و شر لوگوں کی رائے ہے، جو بھی چیز قانونی حیثیت اختیار کرتی ہے وہ عوامی رائے کی تصویب یا تردید سے اختیار کرتی ہے، حتیٰ کہ قرآن وسنت جو قطعی مراجع اور اُصول ہیں وہ بھی عوامی رائے پر تولے جاتے ہیں۔

لہٰذا آئین میں بعض وہ دفعات جو عوامی نمائندگان کی رائے سے منظور شدہ ہیں وہ اسلامی نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان دفعات کی بنیاد عوامی رائے ہے نہ کہ حکم اللہ۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ جو دنیا کی ہر چیز کے خیر و شر، حلال و حرام، قانونی و غیر قانونی کی پہچان کے لیے میزان (ترازو) ہیں اور وہ خود جمہوریت میں عوامی رائے پر تولے جاتے ہیں، اور وہ کتاب وسنت (جسے حاکمیت مطلقہ حاصل ہے وہ) جمہوریت میں نہ صرف یہ کہ محکوم ہیں، بلکہ عوامی رائے کے رحم و کرم پر ہیں، اگر عوام چاہیں تو اس میں ترمیم کریں، یا تبدیلی لائیں، یا تغییر و تنسیخ کریں۔

مفتی تقی عثمانی صاحب "حکیم الامت کے سیاسی افکار" نامی کتاب میں یوں رقم طراز ہیں:

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے:

It is the government of the people by the people for the people.

جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا ''جمہوریت'' کا سب سے پہلا رکنِ اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکمِ اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے، اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوا ہو وہ واجب التعمیل اور ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرتِ رائے کے اس فیصلہ پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کی اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کردے۔ (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن وسنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے، یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کرسکتی ہے۔ (حکیم الامت کے سیاسی افکار صفحہ نمبر 17)

مذکورہ بالا عبارت کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قانونِ اساسی اور آئین میں بعض دفعات کو جن بنیادوں پر شامل کیا گیا ہے وہ اسلامی اساس پر نہیں، بلکہ وہ عوامی کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہے، لہٰذا یہ قرآن وسنت کی توہین اور استہزاء ہے کہ قانونی حیثیت پانے کے لیے غیر اسلامی ترازو پر تولے جاتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ دفعات حتمی نہیں، جب بھی عوامی کثرتِ رائے انہیں تبدیل کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

لہٰذا یہ ریاست اسلامی ریاست نہیں، کیونکہ اسلامی ریاست تو وہ ریاست ہے جس کی بنیاد اسلامی اُصولوں پر ہو، اس نظام کا ڈھانچہ اسلامی ہو، یعنی جس میں قرآن وسنت قطعی اور حتمی حاکمیت کے مالک ہوتے ہیں۔ اور یہاں ایسا نہیں، بلکہ ان دونوں پر عوامی رائے حاکم ہے، لہٰذا یہ ریاست اسلامی ریاست نہیں۔ اور جب یہ ریاست اسلامی نہیں تو اس کے خلاف جنگ کرنا اسلامی ریاست کے خلاف جنگ نہیں۔ لہٰذا جو بھی اس ریاست کے خلاف لڑے اُس پر اسلامی ریاست کے خلاف لڑنے والے کے احکامات جاری کرنا بدترین تحریف اور دین کی من مانی تشریح ہے، جس کا ارتکاب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ملحد محققین ہی کرسکتے ہیں۔

آیا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی کرم اللہ وجہہ کی اسلامی حکومت ایسی تھی جس کا ڈھانچہ جمہوری ہو؟ اور جب بھی عوام چاہیں تو اسے تبدیل کر سکیں (العیاذ باللہ) یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ دونوں ریاستوں اور حکومتوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

## تجزیہ (1) (ب):

یہ بات کہ یہ ایک ریاست اسلامی ہے اور حکّام کی طرف سے احکامات کے نفاذ میں سستی ہے،

اس بارے میں ہم اتنا کہتے ہیں کہ موجودہ پاکستان کا اسلامی ریاست ہونا شرعًا اور عقلًا دونوں اعتبار سے مردود ہے۔ یہ بات کہ حکام کی طرف سے احکامات کے نفاذ میں سستی ہو رہی ہے یہ تلبیس ہے، خود پیغام لکھنے والوں نے یہ بات کہی ہے کہ پاکستان کے آئین میں 95 فیصد اسلامی قانون سازی ہوئی ہے۔

لہٰذا بقولِ کاتب جو 95 فیصد اسلامی قانون سازی ہوئی ہے وہ فقط قانون سازی کی حد تک ہے، انہیں تاحال نفاذ کا درجہ نہیں ملا، اور باقی 5 فیصد آئینی دفعات جو غیر اسلامی ہیں، انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے، (یہ معا، ملہ تو آئین کا ہے، جس کی دفعات کا 95 فیصد اور 5 فیصد کی یہ صورت حال ہے، ورنہ آئین کے 95 فیصد دفعات میں شریعتِ اسلامی کے ایک فیصد احکام بھی نہیں آتے، مذکورہ 95 فیصد دفعات وہ ہیں جن کا تعلق حکومتی نظام چلانے سے ہے، اس کے علاوہ مکمل فقہ اسلامی جو "کتاب الطہارۃ" سے لیکر "باب الوصایا" تک ہے، وہ مکمل طور پر معطل پڑا ہے) لہٰذا یہ جنگ احکامات کے نفاذ میں سستی کی بنا پر نہیں، بلکہ اس بنیاد پر ہے کہ بعض شرعی احکامات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب العمل قوانین ہیں انہیں اس اسلامی ریاست میں واجب العمل قوانین نہیں کہا جاتا تو پھر انہیں کونسا حکم حاصل ہے؟

اسی طرح اگر کوئی یہ کہے جنگ اس بنیاد پر ہے کہ بعض کفری دفعات (جیسے مذہبی آزادی وغیرہ) کو آئین کا حصہ بنایا گیا ہے اور آئین بعض خطرناک کفری دفعات پر مشتمل ہے، جنگ اس وجہ سے ہے،

اگر کوئی کہے کہ جنگ کی بنیاد اس پر ہے کہ آئین میں جو تغییر اور تبدیلی ہے، یہ اسلامی معیار پر نہیں، بلکہ ایک کفری معیار پر ہے، قرآن و سنت بھی آئین کا حصہ بننے کے لیے عوامی نمائندگان کی رائے کے لی تعا اللہ ائے بجانیت نو قا کی نین اقول مع اب جاوہ دکرل زنا: سے ف طر کی لیٰ تعا اللہ ار وا ہیں ج محتا

گکنجپھر ،ہےگکنجی رہماپر دبنیاس ا۔ہیں ف قوموپر )ےارکی ن گاہ ئند نمامی اعو( چیزی سرودکے مرا
؟گاہو حکم کیاکا

لہٰذا یہ تلبیس ہے، فی الحال ہماری جنگ احکامات کے نفاذ میں سستی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اسلامی دفعات کو قانونیت نہ دینا، ان کی مخالف اور ضد دفعات کو قانونی حیثیت دینا، اور اسلامی دفعات کی قانونیت کو ایک خارجی چیز پر موقوف کرنے کی بنیاد پر ہے۔

## تجزیہ (1) (ج):

یہ بات کہ حاکم کی طرف سے شرعی احکامات کی تنفیذ میں سستی کرنے کی بنیاد پر حکومت کے خلاف بغاوت کرنا باتفاق علماء جرم اور حرام ہے اور اسے بغاوت کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی تلبیس ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگرچہ ہماری جنگ اس وجہ سے نہیں، لیکن یہ بات کہ شرعی احکامات کی تنفیذ میں سستی کرنا (جیساکہ آج کل حکمران اس کے شکار ہیں) اور اللہ کی شریعت کے متبادل کے طور پر دیگر قوانین نافذ کرنا، یہ صورت سستی کی قبیل سے نہیں۔ اس لیے حکومت کے خلاف جنگ کرنا حرام بغاوت اور جرم نہیں، کیونکہ باغی کی تعریف یہ ہے:

أهل البغي هم الخارجون على إمام الحق بغير حق.

ترجمہ: باغی وہ لوگ ہیں جو امامِ برحق کے خلاف بغیر حق کے خروج کریں۔ (البناية، ج: 7، ص: 297)

یعنی بغاوت اُس وقت ہے جب امام (حکمران) حق پر ہو اور خروج کسی شرعی دلیل اور حق کی بنا پر نہ ہو، اب ہم دیکھتے ہیں کہ "بغیر حق خروج" کسے کہتے ہیں؟

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بيانه أن المسلمين إذا اجتمعوا على إمام، وصاروا آمنين به، فخرج عليه طائفة من المؤمنين، فإن فعلوا لظلمٍ ظلمهم، فهم ليسوا من أهل البغي، وعليه أن يترك الظلمَ وينصفهم. إلى أن ..... وإن لم يكن ذلك لظلم ظلمهم، ولكن ادّعوا الحق والولاية فقالوا: الحق معنا فهم أهل البغي.

ترجمہ: بیان اس کا یہ ہے کہ جب مسلمان ایک امام (حکمران) پر متفق ہو جائیں اور اس

کے ساتھ وہ حالتِ امن میں ہوں، اور مؤمنین کی ایک جماعت اس کے خلاف خروج کرے، اگر یہ خروج انہوں نے حکمران (امام) کے ظلم کی وجہ سے کیا ہے تواُن پر باغیوں کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ حکمران پر لازم ہے کہ وہ اپنا ظلم چھوڑ کر ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے ..... اور اگر یہ خروج امام کے ظلم کرنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ وہ لوگ کسی اور شخص کے لیے اما مت کے دعو یدار ہیں (کہ یہ تمہارا نہیں بلکہ ہمارا حق) تو اس وقت یہ لوگ باغی کہلائیں گے۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۶۱)

اس صورت میں اگر ہم غور وتدبر کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ باغی بننے کے لیے مطلقاً امام (حکمران) کے خلاف خروج نہیں، بلکہ خروج کے سبب کو دیکھا جائے گا، اگر خروج کا سبب امام (حکمران) کا ظلم ہے تو خروج کرنے والے باغی نہیں کہلائیں گے۔ اور اگر خروج کا سبب امامت ہے کہ اس کے مقابل میں کسی اور شخص کو امام (حکمران) بنانے کی غرض سے خروج ہوا ہے تو اس صورت میں یہ بغاوت ہے، چنانچہ یہ لوگ باغی کہلائیں گے۔

برادرانِ اسلام! آپ خود ہی انصاف فرمائیں کہ اسلامی قوانین کو معطل کرنا، مسلمان قوم سے جبراً غیر اسلامی قوانین منوانا، یہ ظلم عظیم نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ پر فیصلہ نہ کرنے کو ظلم کہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ: 45)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون پر فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ظالم کہا ہے جو قانونِ الٰہی پر فیصلہ نہ کرے، اور جو لوگ اللہ کے قانون پر فیصلہ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ متبادل و مخالف قانون اپناتے ہوئے اس پر فیصلہ کریں اور عوام پر جبراً نافذ کریں، آیا یہ ان کی طرف سے ظلم نہیں؟

"پیغام پاکستان" کو ترتیب دینے والوں کے پاس دو راستے ہیں: یا تو کہہ دیں کہ پاکستان میں نافذ جتنے قوانین ہیں سب کے سب اسلامی ہیں (حالانکہ 5 فیصد غیر اسلامی ہونے کے یہ لوگ خود بھی قائل ہیں) تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اسلامی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے پاکستانی حکمران ظلم میں مبتلا ہیں، اور جو قوم اس ظلم و جبر کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہو وہ فقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں باغی نہیں۔

بڑی شرم کی بات یہ ہے کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ شرعی احکامات کو نافذ نہ کرنے والے حاکم کے خلاف جنگ تمام علماء کے نزدیک جرم وحرام ہے، حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ظالم اور ایسے بادشاہ کے خلاف جو شریعت کے احکامات کے تنفیذ میں سستی کرتا ہو اُس کے خلاف جنگ کرنا افضل جہاد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایسے لوگوں کو متعدی فاسق سمجھتے ہیں اور ان کی امامت (حکمرانی) کو تسلیم نہیں کرتے، جیسا کہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن الناس من يظن أن مذهب أبي حنيفة تجويز إمامة الفاسق وخلافته، وأنه يفرق بينه وبين الحاكم، فلا يجيز حكمه، وذكر ذلك عن بعض المتكلمين وهو المسمى زرقان، وقد كذب في ذلك، وقال بالباطل، وليس هو أيضا ممن تقبل حكايته، ولا فرق عند أبي حنيفة بين القاضي وبين الخليفة في أن شرط كل واحد منهما العدالة، وأن الفاسق لا يكون خليفة ولا يكون حاكما كما لا تقبل شهادته ولا خبره.

ترجمہ: بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ فاسق شخص کی امامت وخلافت کو جائز سمجھتے ہیں، اور وہ اس کے اور حاکم کے درمیان فرق کرتے ہوئے اس کے حکم کو جائز نہیں قرار دیتے، یہ بات بعض متکلمین (جو زرقان کے نام سے موسوم ہے، اس) نے ذکر کی ہے، حالانکہ اس نے اس معاملہ میں امام صاحب رحمہ اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اور زرقان ایسا شخص ہے بھی نہیں جس کی حکایت قابلِ قبول ہو، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اس بات میں قاضی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے عدالت شرط ہے، اور فاسق شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے اور نہ حاکم (قاضی وغیرہ) جس طرح اس کی شہادت (گواہی) اور خبر قابلِ قبول نہیں۔ (تفسير الجصاص، ج: 1، ص: 86)

پھر فرماتے ہیں:

وقضيته في أمر زيد بن علي مشهورة، وفي حمله المال إليه وفتياه الناس سرًّا في وجوب نصرته والقتال معه، وكذلك أمره مع محمد وإبراهيم ابني عبد الله بن حسن.

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا واقعہ زید بن علی کے معاملے میں مشہور ہے کہ انہوں نے زید بن علی کے پاس رقم بھیجی، اور لوگوں کو ان کی نصرت اور معیت میں قتال کا

چھپکے چھپکے فتویٰ دیا کرتے۔ اور یہی معاملہ امام صاحب کا ابراہیم بن عبداللہ بن حسن اور محمد بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ تھا (یعنی ان دونوں حضرات کو بھی ابو جعفر منصور کے خلاف خروج کرنے کے فتوی کے ساتھ ساتھ مالی معاونت بھی کرتے رہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ فاسق امام کے خلاف خروج کرنے کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ صرف قائل ہی نہیں، بلکہ خود عملاً یہ کام کیا ہے، اور اسے افضل جہاد کہا ہے، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ابو اسحاق فزاری آئے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: آپ نے کیوں میرے بھائی کو ابراہیم کی معیت میں منصور کے خلاف خروج کا مشورہ دیا؟ (اور وہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے اور خود ابو اسحاق فزاری اس وقت کفار کے خلاف جنگ مصروف تھے) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: "جس راستے میں آپ کا بھائی شہید ہوا وہ مجھے آپ کے راستے بہت زیادہ پسند ہے"۔

اب انصاف آپ کی عدالت میں، اگر علماء کرام کا متفقہ مذہب یہی ہے (جیسا کہ صاحبِ پیغام پاکستان نے کہا ہے) تو پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کے نزدیک علماء میں شامل نہیں (والعیاذ باللہ) اسی طرح ابو بکر جصاص (جو حنفی مذہب کے اصحاب الترجیح ائمہ میں شامل ہیں، وہ) عالم نہیں (والعیاذ باللہ) اگر امام ابو حنیفہ اور ابو بکر جصاص علماء ہیں تو پھر اتفاق کس بات کی؟

لہٰذا یہ بات بے بنیاد ہے کہ شرعی احکامات کو نافذ نہ کرنے پر حکومت کے خلاف جنگ کرنا جائز نہیں اور یہ بات کہ یہ متفق علیہ موقف ہے، ایک ادنیٰ مسلمان بھی اس عبارت کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ پیغام کسی علمی بنیاد پر نہیں بلکہ حکومتی ایماء پر اس کی وفاداری اور اس کے کفری نظام کے دفاع کرنے کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔ اتنی بڑی علمی خیانت ایسی تحریرات میں (جس کی نسبت علماء اور سمجھ دار طبقے کی طرف ہو) مناسب نہیں۔

## تجزیہ (2):

ریاستی اداروں اور عوام کے خلاف دہشت گردی۔ اس عنوان میں پیغام لکھنے والے نے ایک بات یہ کی ہے کہ معصوم عوام کے خلاف دہشت گردی، عورتوں اور بچوں کو مارنا، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا قتل کرنا وغیرہ۔

یہ بات کہ عام مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی ہے، الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں، ان کا خون اور مال اپنے لیے حرام سمجھتے ہیں۔ البتہ عام مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی پاکستانی ریاست کا کام ہے، اور آج یہ بات تمام لوگوں پر واضح ہے، اور پی ٹی ایم (نامی تنظیم) نے تو یہ بات مزید واضح کر دی کہ ریاستِ پاکستان نے ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ہزاروں کو اذیت خانوں میں لاپتہ کر رکھا ہے، پختون تحفظ مومنٹ کے مطالبوں اور احتجاج کے نتیجے میں اب تک سینکڑوں افراد رہا ہو چکے ہیں، حالانکہ حکومت پہلے ان لوگوں کو قید کرنے سے انکار کرتی رہی کہ یہ ہمارے پاس نہیں، پھر انہیں کسی عدالتی مقدمہ چلائے بغیر رہا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ مظلوم ہیں، وہ ان کے گندے قانون میں بھی مجرم نہ تھے۔

یہی بات تحریک طالبان پاکستان نے 2014ء کو مذاکرات کے دوران حکومتی وفد سے کہی تھی کہ عام مسلمانوں کو (جو غیر عسکری لوگ ہیں انہیں) رہا کیا جائے، مگر اُس وقت بھی حکومت نے ان کے وجود سے انکار کیا تھا، اور انہیں شہید کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس ریاست کی دہشت گردی واضح کر دی، صرف ایک پولیس آفیسر (راؤانوار) نے 480 افراد کو ایس ایس پی کے عہدے پر تعیناتی کے دوران قتل کیا، اس کے علاوہ دیگر افسران نے کتنے عام مسلمانوں کو قتل کیا ہوگا؟ وہ اللہ جانے۔

لہٰذا پیغام لکھنے والوں اور اس پر دستخط کرنے والوں کے پاس دو راستے ہیں، یا تو یہ فتویٰ صادر فرمائیں کہ ریاست کو بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور بغیر کسی جرم کے اذیت خانوں میں رکھنے کی اجازت ہے، یا یہ کہے کہ اب تک ریاستِ پاکستان نے جو دہشت گردی کی ہے اور کر رہی ہے، ہم اس سے بیزار ہیں۔

رہی دوسری بات کہ ریاستی اداروں کے خلاف دہشت گردی، تو الحمد للہ! یہ بات ہم نے بار بار ثابت کی ہے کہ ریاست اور ریاستی ادارے خود ہی دہشت گردی میں مبتلا ہیں، جو کوئی بھی ملک میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرتا ہے ریاستی ادارے اس کے خلاف جنگ شروع کر دیتی ہے۔ آیا مطالبہ کرنے والے دہشت گرد ہیں؟ یا اُن کے خلاف جنگ کرنے والے ریاستی ادارے؟ افغانستان میں مسلمانوں اور

مجاہدین کی مخالفت میں امریکہ کا ساتھ دینا دہشت گردی نہیں؟ قبائلی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتداء کس نے کی؟ 2001ء میں "المیزان" آپریشن کس نے شروع کی؟ جبکہ قبائلی مسلمانوں اور طالبان نے تو اپنی دفاع 2003ء میں شروع کی۔ اگر کوئی شخص بنظرِ انصاف اس معاملے کو پرکھنے کی کوشش کرے تو اس بات کے معلوم ہونے میں دیر نہیں لگے گی کہ دہشت گرد کون ہے؟ ریاستِ پاکستان یا طالبان؟

جنہوں نے ستّر سال سے (مسلمانوں کی قربانوں کے نتیجے میں حاصل شدہ) ملک پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے خون پر پانی پھیر دیا، حالانکہ انہوں نے اپنے خون کی قربانی اسلامی نظام کے لیے دی تھی، اور ان ظالموں نے وہی اسلامی نظام معطل کیا ہوا ہے، اور اس نظام کے چاہنے والوں کے خلاف جنگ کا آغاز کرکے دہشت گردی شروع کردی، جی ہاں! یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی سرزمین (پاکستان) کو قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے مقابلے کی لیے آئے ہوئے کفار (امرکا) کے حوالے کیا، جہاں سے افغان مسلمانوں کے خلاف 57ہزار حملے ہوئے، آیا یہ دہشت گردی نہیں؟ جنہوں نے امارتِ اسلامی کو گرانے میں کفار کی مدد کی آیا ان کے خلاف لڑنا بھی دہشت گردی ہے؟ جنہوں نے نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی مسجدیں ڈھادیں، آیا ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی دہشت گردی ہے؟ جنہوں نے قبائلی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پہل کردی ان کے خلاف جنگ کرنا بھی دہشت گردی ہے؟

تیسری بات "عورتوں اور بچوں کو مارنا" الحمد للہ! ہم اسلامی احکامات کے تناظر میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام سمجھتے ہیں، ہم کبھی بھی اس کے قائل نہیں رہے اور نہ ایسا کر سکتے ہیں، البتہ وہ عورتیں یا بچے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیں وہ اسلامی احکامات کی رُو سے قتل کئے جا سکتے ہیں، جیسا کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے "بدائع الصنائع" میں لکھا ہے:

> أَمَّا الْمَرْأَةُ وَالصَّبِيُّ فَلِقَوْلِ النَّبِيِّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -: «لَا تَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا وَلِيدًا» وَرُوِيَ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - رَأَى فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ امْرَأَةً مَقْتُولَةً فَأَنْكَرَ ذَلِكَ، وَقَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -: «هَاهْ مَا أُرَاهَا قَاتَلَتْ، فَلِمَ قُتِلَتْ؟ وَنَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ» وَلِأَنَّ هَؤُلَاءِ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ، فَلَا يُقْتَلُونَ. وَلَوْ قَاتَلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ، وَكَذَا لَوْ حَرَّضَ عَلَى الْقِتَالِ، أَوْ دَلَّ عَلَى عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ، أَوْ كَانَ الْكَفَرَةُ يَنْتَفِعُونَ بِرَأْيِهِ، أَوْ كَانَ مُطَاعًا، وَإِنْ كَانَ امْرَأَةً أَو صَغِيرًا؛ لِوُجُودِ الْقِتَالِ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى.

ترجمہ: جہاں تک عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنے کا معاملہ ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کی وجہ سے ہے جس وہ فرماتے ہیں: "عورت اور بچے کو مت قتل کرو"، اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں مقتول عورت کو دیکھا تو اُس پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا: "میں نہیں سمجھتا کہ اس نے قتال میں حصہ لیا ہے تو پھر وہ قتل کیوں کی گئی؟" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اور انہیں (عورتوں اور بچوں کو) نہ قتل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اہلِ قتال میں سے نہیں تو انہیں قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی لڑائی میں حصہ لے تو اُسے قتل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ان میں سے جو قتال پر لوگوں کو ابھاریں تب بھی انہیں قتل کیا جاسکتا ہے، یا مسلمانوں کے رازوں سے پردہ ہٹائیں تب بھی انہیں قتل کیا جاسکتا ہے، یا کفار ان کی رائے سے مستفید ہوتے ہوں، تب بھی انہیں قتل کیا جاسکتا ہے، یا وہ کفار کے مابین مُطاع کی حیثیت رکھیں تب بھی انہیں قتل کیا جاسکتا ہے اگرچہ وہ عورت یا بچہ کیوں نہ ہو؟ کیونکہ (مذکورہ صورتوں میں) معنوی طور پر قتال پایا گیا۔ (بدائع الصنائع، ج: 7، ص: 101)

مگر ہمارے برعکس ریاستِ پاکستان نے ہزاروں قبائلی بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیا، بمباری جیٹ طیاروں سے بلاامتیاز بمباری کے نتیجے میں ہزاروں بچے اور عورتیں شہید ہوئیں، توپوں اور مارٹروں سے اندھادھند گولہ باری کرکے سینکڑوں مکانات سمیت ان کے مکین یا تو شہید ہوئے یا ہمیشہ کے لیے نابینا، لولے لنگڑے اور اپاہج ہوئے۔ یہ محض فرضی قصے نہیں، بلکہ اس بات کے ثبوت موجود ہیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ "اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا قتل" پیغام میں طالبان اور انقلابیوں پر یہ تہمت بھی لگائی گئی ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم (ذمیوں کو) قتل کرتے ہیں۔

اس بات کی وضاحت میں ہم کہتے ہیں کہ یہاں دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے اور دوسری بات یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا قتل ناجائز ہے۔

پہلی بات کہ پاکستان اسلامی ریاست ہے، الحمد للہ! ہم نے بڑی وضاحت کی ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ یہاں اسلامی ریاست وجود نہیں رکھتی۔ رہی دوسری بات کہ اسلامی ریاست میں طالبان غیر مسلموں کو قتل کرتے ہیں۔ اس کی تفصیلی وضاحت کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں کو قتل کرنا ان لوگوں کے لیے ناجائز ہے جو ان غیر مسلموں کے ساتھ خلط ملط

رِہ رہے ہوں، البتہ جو لوگ ان سے جدا الگ جگہ پر رہتے ہوں اور غیر مسلم اُس ملک میں آباد ہوں جس کے ساتھ (ان علیحدہ ہونے والے مسلمانوں کی اسلامی چوکاٹ کے اندر رہتے ہوئے اپنے دین، مال اور عزت کی خاطر) جنگ ہو، ایسے لوگوں کے لیے انہیں قتل کرنے کا جواز موجود ہے۔ البتہ ہم مصلحتاً عام غیر مسلموں کو قتل نہیں کرتے، کیونکہ اس میں ہمیں کوئی فائدہ نظر نہیں آ .تا، البتہ جو غیر مسلم ہمارے رسول یا قرآن کریم، یا دینِ اسلام کی بے حرمتی کریں تو پھر وہ ہمارے ہدف پر ہیں، اسی طرح جو غیر مسلم اسلام دشمن ریاستی اداروں کی مدد کریں تو پھر وہ ہمارے ہدف پر ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَيُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَخْذُ أَمْوَالِ الْكُفَّارِ فِي حَالِ الْأَمْنِ غَدْرًا؛ لِأَنَّ الرُّفْقَةَ يَصْطَحِبُونَ عَلَى الْأَمَانَةِ، وَالْأَمَانَةُ تُؤَدَّى إِلَى أَهْلِهَا، مُسْلِمًا كَانَ أَوْ كَافِرًا، وَأَنَّ أَمْوَالَ الْكُفَّارِ إِنَّمَا تَحِلُّ بِالْمُحَارَبَةِ وَالْمُغَالَبَةِ.

یہی بات قسطلانی رحمہ اللہ نے "ارشاد الساری" میں، اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "بوادر النوادر" میں اور شاہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں لکھی ہے۔

لیکن موجودہ صورت حال میں ہم نے ان کی مرافقت، مصاحبت اور معاشرت کو ترک کر دیا ہے، لہٰذا ہماری طرف یہ حکم متوجہ نہیں۔

## تجزیہ (3):

ریاستِ پاکستان کو جن چیلنجز کا سامنا ہے، اُن میں ایک چیلنج تکفیریت اور فرقہ پرستی کی طرف رجحان بھی ہے۔ اس عنوان کے تحت پیغام لکھنے والوں نے یہ کوشش کی ہے کہ یہ تمام الزامات دینِ الٰہی کی حاکمیت کے لیے قیام کرنے (اٹھ کھڑے ہونے) والوں کے سر تھوپ دیں۔

لہٰذا ہم وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے، ہم اہل سنت والجماعۃ کے صحیح اور معتدل منہج پر قائم اور اسی پر یقین رکھتے ہیں، البتہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو چیلنج کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون کے متبادل کے طور پر قانون بنایا ہے اور اسی قانون کو لوگوں سے ز.بردستی منواتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف عالمی کفری اتحاد کا حصہ بنتے ہیں، اسلامی نظام کے خاتمے اور اس کی جگہ عالمی کفری نظام کے قیام کے لیے کفار کا ساتھ دیتے ہیں اور دے رہے ہیں، ہم ایسے لوگوں کی تکفیر (اہل

سنت والجماعۃ کے علمائے کرام کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے ) کرتے ہیں، یہ ہماری تکفیریت کی طرف میلان نہیں، بلکہ اہل حق علماء کی اتباع ہے۔اسے باطل تکفیریت اور خارجیت کہنا درحقیقت اہلِ حق علماء کو خوارج اور تکفیری کہنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے خلاف کفار کی معیت میں جنگ میں حصہ لیں وہ کافر ہیں، امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں، علامہ حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایسا شخص اور ایسا ادارہ بالاجماع کافر ہے۔

لہٰذا ہم پاکستان کی فوج کو (جو کہ اس کفری قانون کے محافظین اور نافذ کرنے والے ہیں اور قانونِ الٰہی کے مخالف ہیں، ہم انہیں) کافر سمجھتے ہیں اور علی الاعلان انہیں کافر کہتے ہیں، یہ وہی فوج ہے جو القاعدہ، امارت اسلامی افغانستان اور مسلمان قوتوں کے خلاف عالمی کفری اتحاد کا حصہ ہے۔اگر انہیں کافر کہنے کی وجہ سے کوئی ہمیں تکفیری اور خوارج کہتے ہیں وہ درحقیقت ابو منصور ماتریدی حنفی کو خارجی کہتا ہے، یہی لوگ حقیقت میں ابو بکر جصاص حنفی کو خارجی کہتے ہیں، اور حسین احمد مدنی کو خارجی کہتے ہیں۔اور جب حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے ایسے لوگوں کے کفر پر اجماعِ امت نقل کیا ہے تو درحقیقت یہ لوگ اُمت کے تمام مجتہدین اور علماء کو خوارج کہتے ہیں۔

اسی طرح ہم ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو شریعتِ الٰہی کا تمسخر ومذاق اُڑائیں، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیں، یا جو لوگ خود کو لیبرل کہیں اور خود کو مذہب سے آزاد کہیں، یا ختمِ نبوت کا انکار کریں، یا صحابہ کرام کی تکفیر کریں، ایسے لوگوں کو ہم کافر کہتے ہیں، اس پر اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے، یہ عقیدہ رکھنے پر کوئی شخص تکفیری نہیں بنتا، اور اس بنا پر کسی کو تکفیری کہنا درحقیقت تمام فقہاء، محدثین، مفسّرین، مجتہدین اور متکلمین کو خوارج کہنا ہے اور یہ جہلِ عظیم ہے۔

فرقہ پرستی کے حوالہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ اختلاف اور تفرّق دو قسم پر ہے، ایک تفرق للدین ہے اور دوسرا تفرق فی الدین ہے، ہم دین میں تفرّق کے قائل نہیں، البتہ دین کے لیے تفرّق کے قائل ہیں، لہٰذا ہم فروعی مسائل میں اختلاف کی بناپر تفرقہ نہیں کرتے۔اور اُصولی مسائل میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چاہے ملک کے اندر ہو یا باہر پوری انسانیت دو فرقوں میں تقسیم ہے ایک فرقہ مسلمان ہے اور دوسرا فرقہ

کفار، اور یہ ہم نہیں کہتے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ ، اور ثانیاً مسلمان دو فرقوں میں تقسیم ہیں پہلا فرقہ اہل سنت الگ جماعت ہے اور دوسرا اہلِ بدعت (جیسے خوارج، معتزلہ اور شیعہ وغیرہ) الگ الگ ٹولے ہیں، ان کی بدعت کے مطابق ان پر حکم لگے گا، بعض مبتدعین مسلمان ہیں جبکہ بعض بدعتِ مکفّرہ کی وجہ سے کفر تک پہنچ چکے ہیں۔

لہٰذا ہمارا پیغام یہ ہے کہ فروعی مسائل میں جتنا تفرّق ہے اسے اختیار کرنا اور اس کی وجہ سے ایک مسلم جماعت کے خلاف ہونا حرام کام ہے اور جو اُصولی اختلاف ہے اس میں ہم اسلامی دوستی اور دشمنی پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ہم مغربی سیکولرزم کے عقیدۂ تعددیت (pluralism) کے قائل نہیں۔

تکفیر کے حوالے سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں یقین کے ساتھ داخل ہو، اگر (نعوذ باللہ) وہ اسلام سے خارج ہوتا ہے تو بھی یقین کے ساتھ خارج ہوگا، لہٰذا ہم اہلیانِ پاکستان میں ان لوگوں کو جو صحیح العقیدہ ہیں انہیں مسلمان اور اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ فرقے جن پر علمائے اُمت نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے ہم ان کی تکفیر کرتے ہیں، جیسے قادیانی، روافض (جو صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں) اسماعیلی وغیرہ۔ اسی طرح وہ ادارے جو اسلامی نظام کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں، اور اسلامی نظام کو نہ صرف یہ کہ نافذ نہیں کیا ہے بلکہ اسلامی شریعت کی قانونیت کو اس سرزمین پر معطل کرکے رکھا ہے، اس کے متبادل کے طور پر قانون بنایا، اور اسے مسلمانوں پر ظلماً وجبراً نافذ کیا ہے، اسلامی شریعت کے مطالبے کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں، مسلمانوں کے خلاف کفار کی صف میں کھڑے ہیں اور ان کی مدد و نصرت کرتے ہیں، بلکہ ان کی دفاع کے لیے خود میدانِ جنگ میں کود پڑے ہیں، ہم ایسے لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں، مگر یہ تکفیر ہم اپنی طرف سے نہیں کرتے، بلکہ علمائے اُمت اور مذاہبِ اربعہ کے فقہاء کی عبارات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ (جو اس تحریر میں جگہ جگہ ان کے اقتباسات مذکور ہیں)

## تجزیہ:

جہاد کی غلط تشریح۔ اس شق کے تحت پیغام لکھنے والوں نے پورے تلبیس، تدلیس اور علمی

خیانت سے کام لیا، خود ہی مقدمات بنائے اور آخر میں اس پر اپنی مرضی کا نتیجہ مرتب کیا ہے، لہٰذا یہ بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے۔ الحمد لله! علمائے اُمّت اس علمی خیانت سے بخوبی واقف ہیں اور کسی سے یہ پوشیدہ نہیں، مگر پھر بھی ہم مذکورہ بالا غلط شق پر درج ذیل نکات کی روشنی میں رد کرتے ہیں:

**پہلا نکتہ**: پیغام لکھنے والوں نے یہ بات کہی ہے کہ جہاد ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور جنگ بھی اس کی ایک قسم ہے، شخصی اور انفرادی زندگی سے لیکر سماجی زندگی تک تمام مراحل پر جہاد کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہ جہل کی انتہاء ہے، کاش کہ یہ بات اتنے اہم پیغام میں ذکر نہ کرتے، اس اعتبار سے کہ جہاد لغوی معنی کے لحاظ سے ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، یہ بات تو صحیح ہے، لیکن اصطلاحی معنی کے اعتبار سے جہاد کا معنی یہ نہیں، جہاد کا اصطلاحی معنی وہ ہے جسے فقہاء نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے کہ قتال فی سبیل الله جہاد ہے۔ چاروں مذاہب کے فقہاء اور تقریباً تمام محدثین اپنی کتابوں میں ایک عنوان "کتاب الجہاد" کے نام سے ذکر کرتے ہیں، بعض اسی عنوان کو "کتاب السیر" کے نام سے ذکر کرتے ہیں، قدوری سے لیکر مبسوط و شامی تک، ریاض الصالحین سے لیکر بخاری و مسلم تک تمام کتابوں میں "کتاب الجہاد" موجود ہے، لیکن کسی ایک محدث یا فقیہ بھی نے اپنی کتاب میں "کتاب الجہاد" کے ضمن میں روٹی کے آداب ذکر نہیں کئے، کہیں بھی "کتاب الجہاد" میں نماز کے مسائل، روزے کے مسائل اور اسی طرح دیگر اجتماعی و انفرادی مسائل نہیں۔ "کتاب الجہاد" میں صرف اور صرف وہ مسائل مذکور ہیں جن کا تعلق قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ ہے، ان کا تعلق جنگ کے ساتھ ہے، مثلاً جنگ کی ابتداء کیسے ہوگی؟ جنگ کا اختتام کیسے ہوگا؟ جنگ کے اسباب کیا ہیں؟ جنگ میں کس کو قتل کرنا ہے اور کس کو چھوڑنا ہے؟ مال غنیمت ہاتھ آئے تو اُسے کیسے تقسیم کرنا ہے؟ کس مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے؟ وغیرہ۔

لہٰذا جہاد ایک شرعی اصطلاح ہے اور اس کا شرعی معنی "قتال فی سبیل اللہ" اور "جنگ کرنا" ہے۔ یہ ایک نئی بدعت ہے جسے لوگوں نے اختیار کیا ہے کہ جہاد "جہد" سے ہے، اور جہد کا معنی کوشش کرنا ہے، لہٰذا ہر قسم کی کوشش جہاد ہے، جسے سرانجام دینے سے ہر مسلمان کی گلوخلاصی ہو سکتی ہے۔

(العیاذ باللہ)

اگر مذکورہ بالا فلسفہ درست مانا جائے تو پھر "صلوٰۃ" کے حق میں بھی اسی نظریے کا قائل ہونا پڑے گا کہ "صلوٰۃ" کا لغوی معنی "دعاء" ہے، لہٰذا جو شخص کوئی سی بھی دعا کرے اس نے نماز پڑھی، حالانکہ کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں، کیونکہ شریعت میں "صلاۃ" خاص ارکان کو خاص اوقات میں سرانجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد جاکر ظہر سے مغرب تک دعاء کرتے ہوئے بیٹھا رہے اور وہ یہ سمجھے کہ میں نے نماز پڑھی اور میرا ذمہ فرض نماز سے فارغ ہو گیا تو اس کے اس طرح سمجھنے سے نماز ادا نہ ہوئی، بلکہ یہ شخص زندیق کہلائے گا، جسے قتل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، شریعت میں جہاد معمول کے حالات میں "فرضِ کفایہ" ہے اور بعض مخصوص حالات میں فرضِ عین ہے، اور جہاد یہ ہے کہ کفار کے خلاف قتال (جنگ) میں اپنی پوری کوشش صرف کی جائے، اب اگر کوئی شخص جہاد کسی اور چیز کو کہے اور اس کو انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں جان خلاصی سمجھے تو یہ اس کی اپنی سوچ ہے، شریعتِ اسلامی میں ایسا شخص جہاد کی غلط تشریح کرنے کی وجہ سے بے دین اور زندیق ہے۔ مشہور قاعدہ ہے کہ لغوی معنی شرع میں متروک ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رعایت اصطلاحی (شرعی) معنی میں کی جاتی ہے۔

لہٰذا یہ بات کہ جہاد ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور قتال اس کی ایک شکل ہے، جو انتہائی ضرورت کے موقع پر مأمور بہ بنتا ہے، یہ تلبیس، دجل اور تحریف ہے۔ (أعاذنا الله من ذلك)

**دوسرا نکتہ:** دوسری تلبیس اس جگہ میں یہ کی گئی ہے کہ جہاد کرنا ریاست کا کام ہے اور حکمران کی اجازت کے بغیر جنگ کرنا بالکل جائز نہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اُسے تمام فقہاء کی متفقہ رائے کہا ہے۔

آفرین بر علم غلام جان! عجیب بات یہ ہے کہ جہاد ایک شرعی اصطلاح ہے اور اس کے ساتھ اتنا بڑا ظلم جاری ہے کہ اس کے معنی میں اپنی طرف سے اتنی تعمیم کی جارہی ہے کہ شرعی جہاد کو اس تعمیم میں ایک معمولی حیثیت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اور اُسے بھی حکمران کے امر و اجازت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، اور مزید جہاد کی راہ روکنے کی یہ کوشش کی گئی ہے کہ جہاد صرف ملکی دفاع کے لیے اشد ضرورت کے وقت میں جائز ہے۔

آیا اسلام میں صرف یہی ایک حکم ہے یا اور احکام بھی ہیں کہ جو اتنی ڈھیر ساری زنجیروں کے ساتھ باندھنے کے بعد کال کوٹھڑی میں مقید ہوں؟ جس کے نتیجے میں ان پر عمل کرنے کے تمام راستے بلاک کرتے ہوئے تمام تر امکانات ختم کئے گئے ہوں۔

یہ بات کہ "جہاد کے لیے حاکم ضروری ہے اور اس کی اجازت کے بغیر قطعاً جہاد ناجائز ہے"، یہ بات اور یہ حکم کلی طور پر مردود ہے۔ اس بارے میں ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ تم شرع متین کے چاروں دلائل (قرآن، سنت، اجماعِ اُمت اور قیاس) میں سے کسی ایک سے یہ ثابت کرو کہ جہاد کے صحت کے لیے حاکم کی اجازت شرط ہے۔

شرط کی کئی قسمیں ہیں، ایک شرطِ شرعی ہے، (جیسے طہارت نماز کے لیے شرط ہے) شرط کی دوسری قسم لغوی ہے، اور شرط کی تیسری قسم عقلی ہے۔ شرعی شرط کے اثبات کے لیے مسلّم قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی چیز کا شرط ہونا تب ثابت ہوتا ہے جب اس کا شرط ہونا دلیل سے ثابت ہو، اور چونکہ شرع میں دلائل چار ہیں۔ تو ان کا یہ دعوی کہ "جہاد کے لیے حاکم کی اجازت شرط ہے" دعوی بِلا دلیل ہے، کیونکہ مذکورہ چاروں ادلّہ میں جہاد کو حاکم کی اجازت کے ساتھ مشروط کرنا کہیں بھی نہیں پایا جاتا، اور اگر پیغام لکھنے والے اس شرط سے عقلی یا لغوی شرط مراد لیں تو ہم کہتے ہیں یہاں لغوی یا عقلی شرط مراد لینا اس لیے درست نہیں کہ صحتِ جہاد یا عدم صحت جہاد ایک حکم شرعی ہے جس کا توقف شرطِ شرعی پر ہو سکتا ہے، مگر عقلی یا لغوی شرط پر اسے موقوف کرنا درست نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے لیے امیر کا ہونا ضروری ہے، مگر یہ وہ امیر جسے "امیرِ جہاد" کہا جاتا ہے، اس سے امیر المؤمنین مراد نہیں، کیونکہ تاریخِ اسلامی میں بہت سے ایسے جہادی واقعات ہیں جو امیر المؤمنین کی اجازت کے بغیر رونما ہوئے، مگر تاریخِ اسلامی میں کوئی ایسا عالم نہیں گزرا جس نے اسے غیر شرعی جہاد کہا ہو، مثلاً:

1- ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما نے اپنے جہاد کو مشرکینِ مکہ کے خلاف ایسے وقت میں شروع کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، ابو بصیر اور ابو جندل رضی اللہ عنہما نے مشرکین کے خلاف ساحلِ سمندر سے جہاد شروع کیا۔ حالانکہ مسلمانوں کے حاکم

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) موجود تھے، (اور ان سے بڑا حاکم مسلمانوں میں کوئی نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو جہاد کرنے کا نہ حکم دیا تھااور نہ صراحتًا اجازت دی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو مشرکین کے ساتھ معاہدہ تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کیئے ہوئے معاہدہ کے پابند تھے۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کے خلاف اپنی جہادی سرگرمیوں کے دوران شہید ہوئے۔ تمام اُمتِ مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور وہ شہید کہلاتے ہیں، حالانکہ "پیغام پاکستان" مرتّبین نے جہاد کرنے کے لیے امیر کا حکم اور اس کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے، تو پتہ نہیں ان کے نزدیک ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی جہاد اور شہادت کا کیا حکم ہوگا (نعوذ بالله من ذلك)

-2 اسی طرح تابعین کے زمانے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے زید بن علی کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ وہ حاکمِ وقت کے خلاف جہاد کریں، اسی طرح منصور کے خلاف محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو فتویٰ صادر کیا تھا کہ وہ منصور کے خلاف جنگ کریں۔ چنانچہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقضيته في أمر زيد بن علي مشهورة، وفي حمله المال إليه وفتياه الناس سرًّا في وجوب نصرته والقتال معه، وكذلك أمره مع محمد وإبراهيم ابني عبد الله بن حسن. وقال لأبي إسحاق الفزاري حين قال له لِمَ أشرت على أخي بالخروج مع إبراهيم حتىٰ قُتل؟ قال: مخرج أخيك أحب إليّ من مخرجك.

ترجمہ: اور زید بن علی کے معاملے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قصہ مشہور ہے، (کہ انہوں نے اس کے حق میں جہاد کا فتویٰ دیا تھا) اور انہوں نے زید بن علی کی مالی معاونت کی، اور لوگوں کو زید بن علی کی مدد ونصرت اور ان کی معیت میں قتال کے وجوب کا سرًّا فتویٰ دیا۔ اسی طرح کا معاملہ (ابو جعفر منصور کی مخالفت میں) امام صاحب رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن حسن کے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم رحمہما الله کے حق میں بھی کیا۔ اسی طرح امام صاحب سے جب ابو اسحاق فزاری نے یہ کہا کہ آپ نے میرے بھائی کو ابراہیم کے ساتھ نکلنے کا مشورہ کیوں دیا تھا؟ حالانکہ وہ اُس جنگ میں شہید ہوئے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: میرے نزدیک تیرے بھائی کا (ابو جعفر منصور کی مخالفت میں ابراہیم کے ساتھ نکلنا) مجھے زیادہ محبوب ہے تیرے نکلنے

سے۔(احکام القرآن، ج: 1، ص: 84)

یاد رہے! ابو اسحاق فزاری کے بھائی کو جب امام صاحب نے ظالم حکمران کے خلاف خروج کا فتویٰ دیا تھا اس وقت خود ابو اسحاق فزاری کفار کے مقابلے میں جہاد کے لیے گئے تھے۔

اس واقعے سے اور امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا عبارت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

الف: فسقِ متعدی میں مبتلا فاسق حکمران کے خلاف خروج صحیح ہے، اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

ب: یہ راجح قول ہے، کیونکہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ علمائے احناف کے اُن مجتہدین میں شامل ہیں جو اصحابُ الترجیح ہیں، اور انہوں نے اس کو ترجیح دی ہے۔

ج: بعض اوقات امام کی اجازت کے بغیر جہاد اور امر بالمعروف جائز ہے، کیونکہ جب خود حاکم کے خلاف خروج ہو تو اُس وقت اس سے اجازت لینا عقلاً ممکن نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے خلاف خروج ہو رہا ہو خروج کرنے والا اسی سے خروج کی اجازت لے؟!

د: یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات حاکم کی اجازت کے بغیر بھی جہاد جائز ہے اور جہاد کی صحت کے لیے وجودِ حاکم یا اس کی اجازت شرط نہیں۔ یہ احناف کا مذہب ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں کہیں بھی اس قسم کی شرطیں موجود نہیں۔

رہی یہ بات کہ قولِ مجتہد اور ان کا فتویٰ وعمل، تو اس بابت یہ صریح ہیں، مسلم الثبوت میں قاعدہ بیان فرمایا ہے: "ومستنده قول مجتهده لا ظنه ولا ظنه". یعنی مقلد کے لیے دلیل مجتہد کا قول ہے، نہ کہ گمانِ مجتہد اور نہ ہی مقلد کا گمان، پس امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ آپ رحمہ اللہ کا ایسا قول ہے جس پر آپ رحمہ اللہ نے خود عمل بھی فرمایا ہے کیونکہ زید بن علی کا مالی معاونت آپ رحمہ اللہ کا اس جہاد اور خروج میں مالی لحاظ سے شریک ہونا ہے۔

اسی طرح شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ نے انگریز کا مقابلہ شروع کیا اور خود ہی امیرِ جہاد سید احمد شہید رحمہ اللہ کو مقرر کیا، آج دیوبندی مکتبِ فکر کے تمام علماء وخواص اُن کے

جہاد کو جہاد کہتے ہوئے انہیں اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔

اور 656 ھـ میں سقوطِ بغداد کے بعد سے لیکر 659 ھـ تک مسلمانوں نے تین سال تک تاتاریوں کے خلاف ایسی حالت میں جہاد کیا کہ کوئی مسلمان حاکم تک نہ تھا چہ جائے کہ امیر المؤمنین جیسی ہستی کا وجود وامر۔

تاریخِ اسلامی کے یہ عظیم واقعات جو اس وقت سے شروع ہوتے ہیں جس وقت خود رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم موجود تھے اور خود انہوں نے اس کام پر نکیر تک نہیں کیا ہے اور ہمارے دور یعنی علماء دیوبند کی انگریز حکومت کے خلاف اٹھنے ، پشتون قبائل کا انگریز کے خلاف اٹھنے تک چلے آرہے ہیں اور سلف وخلف نے ان واقعات پر کوئی نکیر نہیں کیا ہے بلکہ ان لوگوں کی جہاد کو جہاد سمجھا ہے اور ان کے مقتولین کو شہداء ، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع سکوتی منعقد ہو چکا ہے کہ بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں حاکم کے امر یا اس کی وجود کے بغیر بھی جہاد ہو سکتا ہے ، لہٰذا پیغام کے مرتبین کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے۔

### 3- اقوالِ فقہاء :

تاریخ اسلامی سے مذکورہ بالا چند واقعات کے علاوہ اب ہم فقہاء کی تصریحات ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بارے میں سکوت سے کام نہیں لیا ہے بلکہ حاکم کے امر اور اس کے وجود کے بغیر جہاد کے مشروع ہونے کے فتاویٰ صادر فرمائے ہیں۔

#### (الف) احناف کا مسلک :

اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ذکر ہوا۔ اور چونکہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (حنفی فقہاء میں اصحاب الترجیح میں سے ہیں، انہوں) نے امام صاحب کے اسی فتویٰ کو ترجیح دی ہے، اس لیے مذکورہ مسئلہ میں احناف کا راجح مذہب یہی ہوا۔

یہ بات کسی پر مخفی نہ رہے کہ جتنے فقہی مذاہب ہیں اُن میں ظالم حکومت کے خلاف سب سے مضبوط فتویٰ یہی ہے، کیونکہ یہ خود صاحبِ مذہب کا فتویٰ ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ فتویٰ خود امام صاحب کا معمول بہ رہا ہے، بایں طور کہ اس جہاد کے روح رواں (زید بن علی) کے

پاس انہوں نے بڑی مقدار میں مال بھیجا، (جیسا کہ اس بارے میں ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کا قول گزرا) ایک اور بات یہ بھی ہے کہ جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا تو خود انہی کی موجودگی میں اس پر عمل ہوا، اور جب فریقین کے لوگ اس میں مارے گئے تو امام صاحب نے ظالم حکومت کے خلاف لڑ کر شہید ہونے والے افراد کو اُن مجاہدین سے افضل قرار دیا جنہوں نے کفار کے مقابلے میں دادِ شجاعت دی تھی۔

**(ب) مالکی علماء کا فتویٰ:**

وَقَالَ ابْنُ رُشْدٍ: طَاعَةُ الْإِمَامِ لَازِمَةٌ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ عَدْلٍ مَا لَمْ يَأْمُرْ بِمَعْصِيَةٍ. وَمِنَ الْمَعْصِيَةِ النَّهيُ عَنِ الْجِهَادِ الْمُتَعَيّنِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتعالىٰ أَعْلَمُ.

ترجمہ: ابن رشد فرماتے ہیں کہ امام (حاکم وقت) کی اطاعت لازمی ہے، اگرچہ وہ عادل نہ ہو، جب تک وہ گناہ کے کام کا حکم نہ دے، اور جہادِ متعین سے کسی کو منع کرنا گناہ ہے، (لہٰذا اس بات میں امام عادل کی بھی بات نہیں سنی جائی گی) جیسے کہ پہلے یہ بات گزری ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتعالىٰ أَعْلَمُ. (فتح العلي المالك، ج: 1، ص: 390)

یہ ابن رشد کا صریحاً فتویٰ ہے کہ جہاں مسلمانوں کا امام، یا اسلامی ریاست موجود ہو اور وہ لوگوں کو جہاد کرنے کی اجازت نہ دے بلکہ منع کرے، تو یہ أمر بالمعصية سمجھا جائے گا اور امام کی بات معصیت میں نہیں مانی جائے گی، اور نہ ماننے کی صورت میں جہاد ہوگا اور وہ امام کی اجازت کے بغیر ہی ہوگا۔ یہ معاملہ امام عادل کا ہوا، اور جب ریاست برائے نام اسلامی ہو (مثلاً پاکستان) اور معاملہ اس حد تک پہنچا ہو کہ اس کے حکمرانوں کے خلاف، اس کے غیر شرعی نظام و قانون کے خلاف جہاد ضروری ہو، اور ساتھ میں اس ریاست نے جہادِ افغانستان میں شریک مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکا کے حوالہ کیا ہو، تو ایسی ریاست سے جہاد کے لیے اجازت لینے کو شرط قرار دینا انتہائی تعجب کی بات ہے۔ فإلى الله المشتكى۔

**(ج) علمائے شوافع کا فتویٰ:**

نهاية المحتاج (ج: 8، ص: 60) میں علامہ رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يكره غزو بغير إذن الإمام أو نائبه ..... وأنه لا كراهة ان فوت الاستئذان المقصود، أو عطل الإمام الغزو، أو غلب على ظنه عدم الإذن له.

ترجمہ: امام یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر جنگ کرنا (غزوہ میں شریک ہونا) مکروہ ہے، ...... لیکن جب امام سے اجازت لینے کی صورت میں مقصود فوت ہوتا ہو، یا امام نے غزوات کا سلسلہ روکا ہو، یا جہاد کے متمنّی کا غالب گمان یہ ہو کہ امام اجازت نہیں دیگا تو پھر امام کی اجازت کے بغیر بھی بلا کراہت جہاد جائز ہے۔

عبارت بالا سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جہاد کے لیے مطلقًا اجازت لینا شرط نہیں، کیونکہ اگر یہ اجازت شرط ہوتی تو اس کے فوت ہونے سے جہاد بالکل جائز نہیں ہونا چاہیے، (حالانکہ ایسی بات نہیں) جس طرح نماز کے لیے وضو شرط ہے، جب کسی شخص کا وضو نہ ہو تو اس کے لیے بدونِ وضو نماز ادا کرنا جائز نہیں اور اگر اپنے تئیں ادا کر بھی لے تو نماز ادا نہ ہو گی، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وضو نہ ہو تو نماز مکروہ ہے، بلکہ بے وضو ہونے کی حالت میں نماز ادا کرنا بالکل باطل ہے، (بلکہ قصداً استخفافاً ایسا کرنا کفر ہے)۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس کراہت سے کچھ حالتیں مستثنٰی ہیں، علامہ رملی رحمہ اللہ نے تین حالتیں ان میں سے بیان فرمائی ہیں، ایک وہ حالت ہے جب حاکم نے جہاد کو معطل کر رکھا ہو، اور جب حاکم خود جہاد دشمن ہو تو اُس وقت کیسے اُس سے اجازت لی جا سکتی ہے؟! اور جب حاکم ہی ایسا ہو کہ اُس کے خلاف جہاد فرض و لازم ہو تو پھر اس سے اجازت لینے کو شرط قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟؟ لگتا ایسا ہے کہ ایسے ٖبرائے ٖنام علماء و مفتی (مراد ہے پیغام پاکستان مرتب کرنے والے ادارہ تحقیقات کے پروفیسر حضرات) ہمیشہ کے لیے جہاد کے معطل رہنے پر راضی و خوش ہیں، حالانکہ علامہ رملی رحمہ اللہ کے فتوے کی رُو سے اس وقت جہاد میں کراہت تک نہیں، چہ جائے کہ صحیح نہ ہونے کا قول کیا جائے، علامہ رملی رحمہ اللہ نے تو بات اتنی آسان بنا دی کہ جب کسی شخص کا غالب گمان یہ ہو کہ حاکم جہاد کی اجازت نہیں دے گا تو اس کے لیے بلا کراہت حاکم کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز ہے۔

(د) حنابلہ علماء کا فتویٰ:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن عدم الإمام لم يؤخر الجهاد؛ لأن مصلحته تفوت بتأخيره، وإن حصلت غنيمة قسمها أهلها على موجب الشرع. (المغني، ج: 10، ص: 369)

ترجمہ: اگر امام معدوم ہو جائے تو جہاد مؤخر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جہاد کی مصلحت

اس کو مؤخّر کرنے سے فوت ہو جاتی ہے۔اب اگر (امام کی عدم موجودگی میں) غنیمت حاصل ہو جائے تو وہ مستحقین کے مابین شرعی اُصولوں کے موافق تقسیم ہو گی۔

**(ہ) علمائے ظاہریہ کا فتویٰ:**

**علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

وَلاَ إِثْمَ بَعْدَ الْكُفْرِ أَعْظَمُ مِنْ إِثْمِ مَنْ نَہى عَنْ جِہَادِ الْكُفَّارِ. (المحلی، ج: 5، ص: 352)

**ترجمہ:** اور کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ اس شخص کا گناہ ہے جو لوگوں کو کفار کے خلاف جہاد سے منع کرے۔

اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امام کی اطاعت معصیت میں نہیں ہے تو جب جہاد سے منع کرنا اثم اور گناہ ہے اور حاکم یہ کرتا ہے تو ظاہر ہے اس میں امام کی اطاعت نہیں کی جائے گی تو جہاد کیا جائے گا بغیر اذن کے۔

**(و) حضرت وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کا فتویٰ:**

**ابن عساکر تاریخ دمشق (ج: 5، ص: 22) میں لکھتے ہیں:**

سئل وكيع بن الجراح عن قتال العدو مع السلطان الجائر؟ قال: إن كان جائراً وهو يعمل بالغزو بما يحق عليه فقاتل معه، وإن كان يرتشي منهم ويهادنهم فقاتل على حيالك.

**ترجمہ:** وکیع بن الجراح سے پوچھا گیا کہ ظالم بادشاہ کی معیت میں دشمن (کفار) کے خلاف جنگ کرنا کیسا ہے؟ وکیع بن الجراح نے فرمایا: ظالم ہونے کے باوجود وہ بادشاہ اپنے ذمہ داری ادا کرتے ہوئے جہاد کرے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہو کر جہاد کا فریضہ سرانجام دیں، اور اگر بادشاہ کفار سے رشوت لیکر ان کے خلاف جہاد سے روگردانی کرے تو اپنے لیے خود ہی جہاد کا راستہ اختیار کر۔

علمائے کرام کے یہ اقوال "مشت نمونہ از خروارے" کے قبیل سے ہیں، ورنہ ہر مذہب کی کتابیں اس قسم کے فتاویٰ جات سے بھری ہوئی ہیں اور وہ حدیث جس میں کفرِ بواح کی صورت میں یا متعدی فسق کی صورت میں مسلمانوں کو حاکمِ وقت کے خلاف خروج کی اجازت موجود ہے وہ بھی اس بات پر صریح دلیل ہے کہ حاکم کے بغیر جنگ وجہاد درست ہے۔

چاروں مذاہب (بشمولِ اصحابِ ظاہریہ) کے اقوال ہم نے نقل کیئے، اب ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کس طرح پیغام پاکستان لکھنے والوں نے یہ کہہ دیا کہ اسلامی ریاست اور حاکم کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا، اور انہوں نے کہاں سے یہ بات نکالی کہ صحتِ جہاد کے لیے حاکم کی اجازت شرط ہے؟ اور یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ علماء کا متفقہ فیصلہ اور رائے ہے۔ معلوم نہیں کہ اس سے مراد کونسے علماء ہیں؟ اور اُن علماء کا اتفاق کہاں وقوع پزیر ہوا ہے؟

اگر کوئی شخص خود کو اسلام جیسے مقدس دین کی طرف منسوب کرے اور اس میں معمولی احساس بھی ہو تو وہ اتنی بڑی علمی خیانت نہیں کر سکتا، کیونکہ فتویٰ دینے کا معنی یہ ہے کہ یہ شخص اللہ رب العالمین کی طرف سے دستخط کرتا ہے کہ اس معاملے میں حکمِ الہٰی یہی ہے۔ مذکورہ مسئلہ میں "پیغام پاکستان" مرتب کرنے والوں نے وہ رُخ بالکل ترک کیا ہے جس پر علماء کا اتفاق ہے، بلکہ مذکورہ مسئلہ میں اپنی خواہش کو علماء کے اتفاق کا نام دیا ہے۔ (أعاذنا الله من ذلك)

## تجزیہ (5):

### "قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا":

اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل مجاہدین پر ایک اعتراض ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف کے نام پر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، حالانکہ امر بالمعروف ونهي عن المنكر ریاستی اداروں کا کام ہے، کسی کو یہ اجازت نہیں کہ ریاستی رِٹ کو چیلنج کرے۔

معترضین کے اس قاعدے میں قابلِ تجزیہ دو باتیں ہیں:

1- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ریاستی اداروں کا کام ہے،

2- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اربابِ حل وعقد کا ہونا شرط ہے۔

شاید پیغام لکھتے وقت مرتّبین کے پیشِ نظر (حدیث یا فقہ کی) کوئی کتاب نہ تھی، کیونکہ کُتبِ فقہ کی تمام کتابوں میں اس مسئلہ کے بابت واضح حکم موجود ہے، اگر مرتّبین فقہ کی کوئی کتاب بھی اٹھا کر دیکھ لیتے تو اتنی بڑی علمی خیانت کا ارتکاب نہ کرتے۔

امر بالمعروف اور نہي عن المنكر تمام اُمت کا وظیفہ ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: 110)

البتہ امر بالمعروف اور نهي عن المنكر کا حکم فرضِ کفایہ ہے، اگر اُمّت کے بعض افراد اس فریضے کی ادائیگی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو پوری اُمت کی گلوخلاصی ہو جائے گی، اور اگر سب کے سب اس فریضے کو ترک کریں تو پوری اُمت گنہگار ہو گی۔ البتہ بہتر بات یہ کہ اس کام کے لیے اسلامی حکومت ایک ادارہ تشکیل دے (جو حسبہ یا امر بالمعروف کے نام پر ہو) لیکن اگر عملاً ایسا نہ ہو تو اُمّت کے تمام افراد کا فریضہ بنتا ہے کہ لوگوں کو فرائض کی ادائیگی کا حکم دیں اور مُحرّمات و مَنہیات سے لوگوں کو بزور منع کریں۔

لیکن جب خود حکومت اور مقتدر طبقہ منکرات کی اشاعت کریں، تو اس صورت میں یہ کام ان کے سپرد نہ ہوگا، اسی طرح ایک اسلامی حکومت کی موجودگی میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومتِ وقت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر کسی کو اس کی اجازت ہے، اور اس کے لیے حکومت سے اجازت لینا بھی شرط نہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ امام قرطبی نے نقل کیا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے مابین اختلاف سامنے آیا، منافق اس معاملے کو کعب بن اشرف کے پاس لیجانا چاہتا تھا، اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے فیصلہ کرانے کے حق میں تھا، بالآخر فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا، تو منافق نے کہا کہ میں اس پر اُس وقت تک راضی نہیں جب تک عمر (رضی اللہ عنہ) کے سامنے اس معاملے کو پیش نہ کروں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ دونوں گئے، یہودی نے عمر رضی اللہ عنہ کو پورا قصہ بیان کیا، جب عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا تو گھر سے تلوار لا کر منافق کا سر قلم کر دیا، اور فرمایا: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہوں ان کے بارے میں میرا یہی فیصلہ ہے"۔ (تفسير القرطبی، ج: 5، ص: 264، و زاد المسير)

اگر کوئی شخص اس واقعہ کو انصاف کی نگاہ سے دیکھے اور معمولی فکر سے کام لے تو اُس پر یہ بات مکمل واضح ہو جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں سو فیصد خالص اسلامی ریاست

قائم تھی، مگر عمر رضی اللہ عنہ نے منکر کو روکنے کے لیے سربراہِ ریاست (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت لینے کو ضروری نہ سمجھا اور خود ہی منکر کی جڑ و سر کو ختم کیا۔ اس واقعے میں یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ نہي عن المنكر کے لیے کسی سے اجازت لینا ضروری نہیں۔

اسی طرح امام ابو داؤد اور امام نسائی نے اُس نابینا صحابی کا مشہور واقعہ نقل کیا ہے جس نے اپنی اُمّ ولد کو قتل کیا، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما: أَنَّ أَعْمَى كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيهِ، فَيَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي، وَيَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ. قَالَ: فَلَمَّا كَانَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ جَعَلَتْ تَقَعُ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَشْتُمُهُ، فَأَخَذَ الْمِغْوَلَ فَوَضَعَهُ فِي بَطْنِهَا وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا، فَقَتَلَهَا. فَلَمَّا أَصْبَحَ ذُكِرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَعَ النَّاسَ، فَقَالَ: «أَنْشُدُ اللهَ رَجُلًا فَعَلَ مَا فَعَلَ لِي عَلَيْهِ حَقٌّ إِلَّا قَامَ» فَقَامَ الْأَعْمَى يَتَخَطَّى النَّاسَ وَهُوَ يَتَزَلْزَلُ حتىٰ قَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا صَاحِبُهَا، كَانَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيكَ، فَأَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي، وَأَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ، وَلِي مِنْهَا ابْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ، وَكَانَتْ بِي رَفِيقَةً، فَلَمَّا كَانَ الْبَارِحَةَ جَعَلَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيكَ، فَأَخَذْتُ الْمِغْوَلَ فَوَضَعْتُهُ فِي بَطْنِهَا، وَاتَّكَأْتُ عَلَيْهَا حتىٰ قَتَلْتُهَا. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلَا! اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ».

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک نابینا (صحابی) تھے، ان کی ایک اُمّ ولد (لونڈی) تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتی، وہ (نابینا صحابی) اسے منع کرتے رہتے مگر وہ رُکتی، وہ اسے ڈانٹتے رہتے مگر اس پر ڈانٹنے کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ ایک رات جب وہ (ام ولد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے لگی تو انہوں (نابینا صحابی) نے نوک دار نیزہ لیا اور اس (لونڈی) کے پیٹ پر رکھتے ہوئے اس پر تکیہ لگایا، چنانچہ اسے قتل کیا، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: "میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے جو کچھ کیا میرے لیے کیا کہ وہ اٹھ کھڑا ہو"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نابینا صحابی کھڑا ہوا، لوگوں کی

گردنوں کو پھاندتے ہوئے، گرتے پڑتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، اور کہنے لگے : یارسول اللہ! وہ شخص میں ہوں، وہ (مقتول لونڈی) آپ کو بُرا بھلا کہتی، آپ کو گالیاں دیتی، میں منع کرتا مگر وہ منع نہ ہوتی، میں اسے نصیحت کرتا مگر وہ نصیحت قبول نہیں کرتی، اس کے بطن سے موتی جیسے میرے دو لڑکے بھی ہیں اور میرے ساتھ اُس کا معاملہ انتہائی مہربانی کا تھا، مگر گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے نیزہ اُٹھایا اور اس کے پیٹ پر رکھتے ہوئے تکیہ لگایا یہاں تک کہ اسے قتل کیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے فرمایا: «أَلَا! اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ» یعنی اس لونڈی کا خون ہدر ہے جس کا بدلہ نہیں لیا جاسکتا۔ (سنن ابي داود، باب: الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم، حديث نمبر: 4361)

اس حدیث میں غور کرنے سے یہی بات معلوم ہوئی کہ اسلامی ریاست کے موجود ہوتے ہوئے بھی منکر کو بزورِ بازو روکنے کے لیے اجازت شرط نہیں اگرچہ نہي عن المنکر بصورت قتل کیوں نہ ہو، پھر نہي عن المنکر کو ایک ایسی ریاست کی اجازت کے ساتھ مشروط کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے جو برائے نام اسلامی ہو، منکرات کی ترویج کنندہ اور محافظ ہو، اگر پھر بھی نہي عن المنکر کو ان کی اجازت کے ساتھ مشروط کیا جائے تو اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ اسلامی معاشرے کو تباہ کرنا مقصود ہے۔ آیا موجود غیر شرعی ریاستِ پاکستان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاستِ مدینہ سے بہتر ہے؟ حالانکہ ریاستِ مدینہ میں نہي عن المنکر کا کام کسی کی اجازت پر موقوف نہ تھا۔ اس لیے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ منکرات کو روکنے کے لیے نہ کسی ادارے سے اجازت لینے کی ضرورت ہے اور نہ کسی حکومت یا سربراہِ مملکت سے۔

اسی طرح خاتمة المحققين علامه ابن عابدين شامی رحمه الله رد المحتار (ج:4، ص: 63) میں لکھتے ہیں:

"إِذَا وَجَدَ رَجُلًا مَعَ امْرَأَةٍ لَا تَحِلُّ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَزْنِيَ بِهَا فَهَذَا لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ يَنْزَجِرُ بِغَيْرِ الْقَتْلِ سَوَاءٌ كَانَتْ أَجْنَبِيَّةً عَنْ الْوَاحِدِ أَوْ زَوْجَةً لَهُ أَوْ مَحْرَمًا مِنْهُ".

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی آدمی کو ایک ایسی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے پہلے

پائے جو اُس کے لیے حلال (بیوی یا لونڈی) نہ ہو تو اُس آدمی کا قتل کرنا جائز نہیں، بشرطیکہ پانے والے شخص کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ آدمی قتل کئے بغیر اس حرام کام سے رُک جائے گا۔ برابر بات ہے کہ وہ عورت پانے والے شخص سے اجنبی ہو، یا اس کی بیوی ہو، یا اس کی مَحرم (بہن، بیٹی وغیرہ) ہو، تمام صورتوں میں مسئلہ یہی ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

"أَمَّا إِذَا وَجَدَهُ يَزْنِي بِهَا فَلَهُ قَتْلُهُ مُطْلَقًا". یعنی جب وہ شخص کسی عورت کے ساتھ کسی آدمی کو زنا کرتے ہوئے پالے تو مطلقاً اس کے لیے اس آدمی کا قتل کرنا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اُس وقت یہ نہیں دیکھا جائے کہ وہ قتل کے بجائے کسی اور فعل سے رُک جائے گا، بلکہ فوری طور پر قتل کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت جیسی عبارتیں فقہائے کرام سے کثیر تعداد میں منقول ہیں، اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو انہیں بھی نقل کرتا۔ بہرحال! اس بات پر نصوص اور فقہاء کرام کی عبارتیں صریح ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں حاکم اور اسلامی ریاست کا نہ وجود ضروری ہے اور نہ ان سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ پیغام لکھنے والوں کی بات فقط اِدّعاء ہے جس پر کوئی ایسی شرعی دلیل موجود نہیں جس سے ایک عالمِ دین کو اطمینان حاصل ہو۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس پیغام کو پوری پاکستانی قوم کی طرف منسوب کرکے ترجمانی کا کام سرانجام دیا ہے، حالانکہ مرتّبین کو چھوڑ کر شاید یہ چند گنے چنے افراد کی بے سروپا تحقیق ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو موجودہ ریاست سے اجازت لینے پر موقوف کرنا بالکل باطل ہے، کیونکہ آئینِ پاکستان کے سینسر قوانین کی رُو سے فلمی ثقافت کو مکمل اجازت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاستِ پاکستان لوگوں کو سینما بنانے کے پرمٹ جاری کرتی ہے اور سینما کے سامنے اس کے تحفّظ کے لیے پولیس کھڑی کرتی ہے۔ اب اگر کوئی عقل سے عاری شخص یہ کہے کہ اس منکر کو روکنے کے لیے اُس ریاست سے اجازت لینا ضروری ہے جو اس منکر کے جواز کے ساتھ اس کی ترویج کی کوشش میں ہے، تو ایسے شخص کے عقل پر رونے کے سِوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟!

## تجزیہ (6):

قومی میثاق اور معاہدہ کو توڑنا اور نظر انداز کرنا، اس شق میں پیغامِ پاکستان کے مرتّبین نے مجاہدین پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے وہ قومی میثاق توڑ رہے ہیں، جو کہ غدر کے زمرے میں آتا ہے۔
ان کے تمام تر الزام کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ انھوں نے بین الاقوامی معاہدات کا سہارا لیتے ہوئے اُن مجاہدین کو غدّار کہا ہے جو امریکہ، نیٹو اور ایساف کے خلاف افغانستان کی سرزمین پر برسرپیکار ہیں۔
اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں انتہائی درجے کے دجل و تلبیس سے کام لیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دستخط کنندگان سے صاف کاغذ پر دستخط لیے گئے ہیں، یا دستخط کنندگان کی طرف سے اسے مطالعہ کئے بغیر دستخط ہوئے ہیں، کیونکہ اس پیغام پر جن حضرات کے دستخط موجود ہیں اُن میں کافی سارے ایسے ہیں جو اَصحابِ فتویٰ ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو جہادِ افغانستان میں طالبان کے ساتھ مالی، جانی اور دعوتی جہاد میں بذاتِ خود شریک رہے ہیں، حالانکہ یہ اُن کے بزعم اسلامی ریاست پاکستان کے مُعاہد (امریکہ) کے خلاف کام ہے، جو کہ غدر کے زمرے میں آتا ہے۔
سب سے پہلے ہم اس پر بحث کریں گے کہ اقوامِ متحدہ کے تحت جو معاہدات ہوئے ہیں اُن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اُن معاہدوں کی پاسداری ہم پر لازم ہے کہ نہیں؟
ہم جب بھی کسی چیز کے جائز و ناجائز ہونے کی بات کرتے ہیں تو شریعت کی نگاہ سے کرتے ہیں، اگر اُس کام کو شریعت نے جائز کہا ہو تو ہمارے نزدیک جائز اور اگر ناجائز وحرام کہا ہو تو وہ ناجائز وحرام۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ عہد شکنی اور غدر حرام ہے، لیکن پہلے تو معاہدے کو ثابت کیا جائے، بعد میں غدر کی بات آئے گی۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معاہدہ ہوا ہی نہیں تو پھر غدر کی بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ یا یوں کہئے کہ اگر شرعی لحاظ سے یہ معاہدہ کرنا درست نہ ہو تب تو مجاہدین پر غدر کا الزام لگانا درست نہ ہوگا، کیونکہ جو معاہدہ شرعی حیثیت نہ رکھے وہ سرے سے معاہدہ ہے ہی نہیں۔ البتہ جو معاہدہ ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ شرعاً بھی صحیح ہو تو یقیناً فریقین پر اس کی پاسداری لازم ہے، لیکن جب کوئی فریق اس کی پاسداری نہ کرے تو دوسرے فریق پر بھی اس کی پاسداری نہ کرنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

آمدم بر سر مطلب، آیا وہ معاہدات جو امریکا یا دیگر ممالک یا اقوام متحدہ میں بیٹھ کر کفار کے ایجنٹوں نے (مسلمانوں کا نمائندہ بن کر) کیئے ہیں آیا ان کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟

علامہ ابن حجر الهيثمي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وَكَذَا شَرْطٌ فَاسِدٌ) اقْتَرَنَ بِالْعَقْدِ فَيُفْسِدُهُ أَيْضًا (عَلَى الصَّحِيحِ بِأَنْ) أَيْ: كَأَنْ (شُرِطَ) فِيهِ (مَنْعُ فَكِّ أَسْرَانَا) مِنْهُمْ (أَوْ تَرْكُ مَا) اسْتَوْلَوْا عَلَيْهِ. أَوْ رَدُّ مُسْلِمٍ أَسِيرٍ أَفْلَتَ مِنْهُمْ، أَوْ سُكْنَاهُمْ الْحِجَازَ، أَوْ إظْهَارُهُمْ الْخَمْرَ بِدَارِنَا، أَوْ أَنْ نَبْعَثَ لَهُمْ مَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ.

ترجمہ: اسی طرح قولِ صحیح کی بنا پر عقد کے ساتھ شرطِ فاسد کے پیوست ہونے سے وہ (عقد) فاسد ہو جاتا ہے، جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ ہمارے (مسلمان) قیدی نہیں چھوڑے جائیں گے، یا ہماری جن املاک پر انہوں نے قبضہ کیا ہے انہیں واپس نہ کرنے کی شرط لگائی جائے، یا اس مسلمان قیدی کو کفار کے حوالہ کرنے کی شرط لگائیں جو ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہمارے ہاں آیا ہو، یا حجاز مقدس میں کفار اپنی رہائش کی شرط لگائیں، یا دار الاسلام میں علناً شراب نوشی کی شرط لگائیں، یا دار الاسلام میں پناہ لینے والے شخص کی واپسی کی شرط لگائیں۔ (تحفة المحتاج فى شرح المنهاج: ج: 9، ص: 206)

اسی طرح جو حاکم رشوت لیکر کوئی صلح کرے یا کفار کا اجیر یا غلام ہو اور ان سے اس بنیاد پر صلح کرے تو اس کا بھی اعتبار نہیں، چنانچہ ابن عساکر تاریخ دمشق (ج: 5، ص: 22) میں لکھتے ہیں:

سئل وكيع بن الجراح عن قتال العدو مع السلطان الجائر؟ قال: إن كان جائراً وهو يعمل بالغزو بما يحق عليه فقاتل معه، وإن كان يرتشي منهم ويهادنهم فقاتل على حيالك.

ترجمہ: وکیع بن الجراح سے پوچھا گیا کہ ظالم بادشاہ کی معیت میں دشمن (کفار) کے خلاف جنگ کرنا کیسا ہے؟ وکیع بن الجراح نے فرمایا: ظالم ہونے کے باجود وہ بادشاہ اپنے ذمہ داری ادا کرتے ہوئے جہاد کرے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہو کر جہاد کا فریضہ سرانجام دیں، اور اگر بادشاہ کفار سے رشوت لیکر ان کے خلاف جہاد سے روگردانی کرے تو اپنے لیے خود ہی جہاد کا راستہ اختیار کر۔

فائدہ: وکیع بن الجراح کے اس فتویٰ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ سلطان اور حاکم جب شریعت کے خلاف صلح کرے تو مسلمان رعایا پر اس کی پاسداری لازم نہیں، بلکہ مسلمان رعایا اُس کی مخالفت کرتے

ہوئے کفار کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں، یعنی جب معاہدے کے پس پشت دیگر مقاصد کارفرما ہوں یا اس معاہدے میں مسلمانوں کا نقصان ہو یا شعائرِ اسلام کی توہین ہو تو ایسے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں۔

آج پاکستان جس معاہدے کے تحت وقت گزار رہا ہے اس میں اقوامِ متحدہ کا منشور تسلیم کرنا ہے، جبکہ اس کے متعدد جانب ہیں (مثلاً: حقوق انسانی کا چارٹر) جو کسی بھی صورت اسلامی نہیں، بلکہ بعض انسانی حقوق صراحتاً کفر ہیں، اور بعض کو تسلیم کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور انہیں مختلف ناموں سے تقسیم کرنا لازم آتا ہے۔

اسی معاہدے کے تحت مذہبی آزادی بھی آتی ہے جو خالصتاً غیر اسلامی (کفری) ہے، چونکہ اس میں ہر کسی کو کفر وارتداد اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے، لہٰذا شرعاً اس معاہدے کا اعتبار نہیں۔

اقوام متحد کے دستور مادہ 18 میں ہے:

> ہر انسان کو آزادیٔ فکر، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مِل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

اسی معاہدے کی اساس پر پاکستان کے آئین میں بھی بنیادی حقوق کے نام پر باب شامل کیا گیا ہے، جس میں یہی دفعہ آرٹیکل 20 میں کچھ یوں لکھا ہے:

> (الف) ہر شہری کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق ہوگا۔

اور ساتھ میں غیر مسلموں سے جزیہ کی وصولی پر بھی پابندی لگائی گئی ہے، چنانچہ آرٹیکل 21 میں ہے:

> "کسی شخص کو کوئی ایسا خاص محصول ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کی آمدنی اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ و ترویج پر صرف کی جائے"۔

حالانکہ اسلام نے کبھی بھی اسلامی ریاست میں کفار کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے دین کی طرف دعوت دیں، بلکہ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جب فِرَقِ باطلہ اپنے دین کی طرف دعوت دینا شروع کریں تو انہیں قتل کیا جائے گا، لیکن آج پاکستان میں بین

الاقوامی معاہدوں کی وجہ سے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں کے چینل اور دیگر مشنری ادارے موجود ہیں۔
اسی طرح آزادئ اجتماع کے تحت لیبرل اور کمیونسٹ لوگوں نے اپنی اپنی پارٹیاں بنا رکھی ہیں، اور اپنی باطل فکر کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ان پر کوئی پابندی نہیں۔ انہی معاہدات کی وجہ سے کفار بلاد المسلمین میں کفری شعائر کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور انہیں کوئی منع نہیں کر سکتا، کیونکہ انہیں اقوام متحدہ کے منشور دفعہ: 19 کی وجہ سے اظہارِ رائے اور بیان کی آزادی حاصل ہے:

> ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے، اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملک کے سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش کرے، انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

اور اقوام متحدہ کے منشور کے مقدمے کے ساتویں پیرا گراف کے مطابق پاکستان اس بات کا پابند ہے کہ سلامتی کونسل کی جانب سے منظور شدہ جنگ کی تائید کرے، کیونکہ مشترکہ مفادات کے تحت اسلحہ اٹھانا اقوامِ متحدہ میں شامل ممالک کا فریضہ ہے، چنانچہ اسی معاہدے کے تحت پاکستان نے مسلمانوں کے خلاف اپنے ہوائی اڈے امریکہ کے حوالہ کئے، آیا اسلام میں اس قسم کے معاہدوں کا کوئی وجود اور حیثیت ہے؟

امریکا کے ساتھ معاہدے کی اساس پر ایمل کاسی، اور عرب وغیرہ مجاہدین کو پکڑ کر امریکا کے حوالہ کیا، باوجود اس کے کہ اسلام میں یہ کام حرام ہے، اور ہماری سرزمین پر ڈرون طیاروں کے ذریعے مسلمانوں پر میزائل داغے جاتے ہیں، مذکورہ معاہدوں کی وجہ سے پاکستان پر لازم ہے کہ وہ بین الاقوامی برادری کا ساتھ دے، حالانکہ شرعاً ان معاہدات کی کوئی حیثیت نہیں۔

## خلاصۂ کلام:

یہ بات کہ ایک قومی میثاق موجود ہے اور مجاہدین نے اس قومی میثاق کو توڑا ہے، یہ ایک بے بنیاد اور باطل بات ہے، کیونکہ یہ میثاق ایسے مواد پر مشتمل ہے جس میں اسلامی شعائر کی پامالی ہے، شریعتِ مطہرہ کی طرف سے حرام کردہ اشیاء کی تحلیل، اور محللات کی تحریم ہے، اس لیے ہم کبھی بھی کسی صورت

میں اس میثاق کا احترام کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے لازم سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ ہم نے مذکورہ بالا سطور میں فقہائے کرام کی تصریحات ذکر کی ہیں کہ شروطِ فاسدہ کی وجہ سے عقدِ صحیح بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

# (4)

## متفقہ اعلامیہ

پیغام میں متفقہ اعلامیہ کے نام پر ایک اعلامیہ جاری کیا گیا ہے جو 22 دفعات پر مشتمل ہے، جس کے بعض دفعات کو زیرِ بحث لائیں گے۔

متفقہ اعلامیہ کے ان نکات کو زیرِ بحث لائیں گے جن میں شریعتِ مطہّرہ کے کسی حکم کو محرَّف کرکے پیش کیا گیا ہو، ان دفعات میں بعض نکات وہ بھی ہیں جو محرَّف احکامات پر متفرّع کرکے حکومتی احکام جاری کئے گئے ہوں، ہم اس دوسری قسم کے نکات پر رد اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کی بنا فاسد پر ہے، جب اصل فاسد ہے تو یہ متفرّع احکامات خود بخود فاسد ہوں گے۔

1- ”پاکستان کا 1973ء کا دستور اسلامی اور جمہوری ہے اور یہ پاکستان کے تمام اکائیوں کے درمیان سماجی اور عمرانی معاہدہ ہے جس کی توثیق تمام سیاسی جماعتوں کے علاوہ تمام مکاتبِ فکر کے علماء ومشائخ نے متفقہ طور پر کی ہوئی ہے، اس لیے دستور کی بالادستی کو ہر صورت میں یقینی بنایا جائے، نیز ہر پاکستانی، ریاستِ پاکستان کے ساتھ ہر صورت میں اپنی وفاداری کا وعدہ وفا کرے“۔

**یہاں دو باتیں ہیں:**

**ایک تو یہ کہ** 1973ء کا آئین اسلامی اور جمہوری ہے۔

**دوسری بات یہ کہ** یہ تمام مکاتبِ فکر کے مشائخ کی طرف سے تائید شدہ ہے۔

**پہلی بات کا جواب:** ان کی بات کا رد خود ان کی عبارت میں موجود ہے، بایں طور کہ ان کی عبارت میں واضح تناقض ہے، جو کوئی بھی جمہوریت کی حاکمیت مطلقہ کے فلسفے سے واقف ہو اور اسلام میں حاکمیت کے فلسفے کا علم بھی رکھتا ہو وہ کسی صورت یہ نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے، کیونکہ اسلام میں حاکمیت مطلقہ اللہ رب العزت کو حاصل ہے، قرآن کریم نے صراحت اور وضاحت کے ساتھ اعلان

کیا ہے: ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (یوسف: 40) اور جمہوریت میں حاکمیتِ مطلقہ عوام کو حاصل ہے۔
ایک طرف آئین کی ابتداء میں حاکمیت اعلیٰ کا اثبات اللہ رب العزت کے لیے کیا گیا ہے، جبکہ بعد میں کہا ہے کہ پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت کسی بھی قسم کی قانون سازی کر سکتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آئین نے حاکمیت ارکانِ پارلیمنٹ کو دی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جمہوریت اور اسلام ایک ساتھ جمع ہو، کیونکہ اسلام خالق کی حاکمیت کا قائل ہے جبکہ جمہوریت میں حاکمیت مخلوق کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ خالق و مخلوق کے مابین جو فرق ہے اس سے ایک ذی شعور شخص منکر نہیں ہو سکتا، لہٰذا صرف اتنا کہنا ہی آئینِ پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کے لیے کافی ہے۔

اب ہم آتے ہیں اس بات کی طرف کہ آئین پاکستان کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے جو دلیل بیان کی ہے کہ اس آئین میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی گئی ہے، اور دفعہ 227 میں تو یہاں تک کہا ہے کہ قرآن وسنت کے منافی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

اس نکتہ پر شرعی لحاظ سے نقد وجرح پہلے ہو چکا ہے، مگر ایک بار پھر قارئین کے فائدے کے لیے اسے چند اضافات کے ساتھ آگے بیان کریں گے، (اس کی تفصیل ان شاء اللہ متفقہ فتویٰ پر تجزیہ کے دوران پہلے نکتے کے تحت آئے گی)۔

البتہ دوسری بات کہ تمام مکاتبِ فکر کا اس کے اسلامی ہونے پر اتفاق ہے، اور اس اتفاق کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ ایک اسلامی میثاق ہے۔

ہم اس کے دو جواب دیں گے، ایک جواب علی سبیل التسلیم ہے اور دوسرا جواب علی سبیل الانکار ہے۔ بفرض الحال ہم نے تسلیم کیا کہ پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے مشائخ اس آئین کے اسلامی ہونے پر متفق ہیں، مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حقیقتاً بھی یہ آئین اسلامی بن جائے ہمیں منظور نہیں، کیونکہ اسلامی ہونے کا تعلق ذوات کے ساتھ نہیں بلکہ اسلام میں دلیل کی بنیاد پر کسی چیز کو اسلامی یا غیر اسلامی کہا جائے گا، اور دلائلِ اسلام چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس صحیح۔ ان چاروں میں سے کسی ایک سے بھی اس آئین کا اسلامی ہونا ثابت ہو جائے تب اُسے اسلامی کہا جا سکتا ہے، مگر جب ہم نے اس آئین کو ان چاروں دلائل پر پرکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے بہت سارے آرٹیکل (دفعات) اسلام کے

ساتھ تناقض کی حد تک متصادم ہیں، بعض کا تصادم بالکل واضح، بعض کا قدرے مخفی اور بعض کا تصادم اتنا پیچیدہ کہ جب تک خوب غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ سمجھ میں نہیں آتا۔

قارئینِ کرام سے ہماری گزارش ہے کہ فقط چند افراد کا آئین پر دستخط دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ یہ آئین اسلامی ہوا بلکہ اس آئین کے ہر ہر دفعہ کو بار بار بغور پڑھیں اور اسے اسلام پر پیش کرے کہ آیا یہ اسلام کے کسی حکم کے ساتھ تو متصادم نہیں؟ ہمیں اُمید ہے کہ بہت سارے دفعات کا غیر اسلامی ہونا واضح ہو جائے گا، مثال کے طور پر اس آئین میں ہر پاکستانی کو مذہبی آزادی، شخصی آزادی، دی گئی ہے، اسی طرح یہ آئین جنسی مساوات، دینی مساوات کی اساس پر قائم ہے، اور یہ قرآن وسنت کے ساتھ کھلا تضاد ہے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر دفعات بالکل غیر اسلامی ہیں، اس وجہ سے اس آئین کو اسلامی کہنا غلط ہے۔

یہاں بعض لوگ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ ان بعض غیر اسلامی دفعات کی وجہ سے یہ آئین "فاسق" آئین ہے، جس طرح ایک شخص کے بعض اعمال بُرے ہوں تو وہ شخص کافر نہیں بلکہ فاسق ہے۔

بھائی جان! کسی شخص کے مسلمان ہونے اور کسی قانون وآئین کے مسلمان ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، آدمی جب کلمہ توحید پڑھ لے اور اسلام کے تمام احکام کو دل و جان سے مان لے تو یہ شخص مسلمان کہلائے گا، اگر کوئی عملِ فسق اس میں پایا گیا تو وہ شخص اسلام سے خارج تصور نہ ہوگا، بلکہ وہ جوں کا توں مسلمان ہی رہے گا، البتہ وہ ایک صالح مسلمان کی بجائے ایک گنہگار (فاسق) مسلمان ہوگا، جبکہ آئین کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ آئین کسی قول وفعل کے جواز اور عدم جواز کی کتاب ہے، کسی ناجائز چیز کو قانونی حیثیت دینا (جائز قرار دینا) یا بالعکس کسی جائز چیز کو غیر قانونی کہنا غیر اسلامی بلکہ کارِ کفر ہے، (اس پر دلائل ہم نے "متفقہ فتوی" کے تحت پیش کیے ہیں) لہٰذا ان مواد اور دفعات کی موجودگی کی صورت میں پاکستان کا موجودہ آئین قرآن وسنت کے ساتھ تصادم رکھتا ہے، اور اس تصادم کی موجودگی میں کس طرح یہ آئین اسلامی ہو سکتا ہے؟!

پیغام پاکستان کے مرتبین نے "تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے" کا جملہ لا کر بعض ناسمجھ لوگوں کو گمراہ اور بہکانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ تو "اجماع" ہے، حالانکہ حقیقت

ایسی نہیں، کیونکہ اجماع تو امت کے تمام مجتہدین کا کسی کام کے جواز پر متفق ہونے کو کہا جاتا ہے، آئین پاکستان کے اسلامی ہونے پر تمام مجتہدین کہاں متفق ہیں؟ بعض علماء واکابر کے دستخط سے یہ نتیجہ نکالنا کہ پوری مسلم دنیا کے مجتہدین کا اتفاق ہے، یہ ہمیں کسی بھی صورت منظور نہیں، اجماع تو تب ہوتا کہ عالم اسلام کے تمام جید علماء اس کے اسلامی ہونے پر متفق ہو جاتے، جبکہ یہاں تو پاکستان کے محدود خطے کے چند گنے چنے علماء کا اتفاق ہے جسے "اجماع" کہنا کسی صورت درست نہیں، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ نصوصِ شرعیہ کے مخالف بات کے جواز پر متفق ہونے کا بالکل اعتبار نہیں، اور آئین پاکستان میں بہت ساری دفعات ایسی ہیں جو نصوصِ شرع کے ساتھ متصادم ہیں۔ فرض کریں پوری دنیا کے تمام مکاتب فکر نصوصِ شرع کے مخالف آئین کے اسلامی ہونے پر متفق ہو بھی جائیں تب بھی ان کے اتفاق سے یہ غیر شرعی آئین شرعی نہیں بن پائے گا۔

ہمارا دوسرا جواب علی سبیل المنع ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر اس آئین کے اسلامی ہونے پر متفق ہیں، کیونکہ بہت سارے قدیم وجدید علماء ایسے ہیں جو جمہوری نظام کو اسلامی نظام کے مد مقابل تصور کرتے ہیں، اور انہوں نے وقتاً فوقتاً جمہوری نظام پر رد کیا ہے۔

چنانچہ "حکیم الامت کے سیاسی افکار" نامی کتاب میں جمہوریت پر رد اس انداز میں موجود ہے:

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے:

It is the government of the people by the people for the people

جمہوریت عوام کے حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا "جمہوریت" کا سب سے پہلا رکن اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکم اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے، اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوا ہو وہ واجب التعمیل اور ناقابلِ تنسیخ سمجھا جا تا ہے۔ کثرتِ رائے کے اس فیصلہ پر کوئی قدغن اور کوئی ، پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کی اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کردے

۔( مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن و سنت کے ,یابنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی ) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرت رائے نے عائد کی ہے۔ لہٰذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ (حکیم الامت کے سیاسی افکار صفحہ نمبر 17)

لہٰذا جس اساس پر آئین میں یہ دفعہ شامل کیا گیا ہے خود مؤلفِ کتاب اس قسم کے آئین کی اسلامیت کا قائل نہیں۔

اسی طرح مولانا نور محمد صاحب وزیرستانی نے اپنی کتاب "جمہوریت عقل و نقل کے آئینے میں" رسالہ "اذانِ سحر" سے مفتی محمود صاحب کا بیان نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ:

"یہ آئین (1973ء) کبھی بھی اسلامی نہیں، کیونکہ اس کے شروع میں یہ لکھا ہے کہ "حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے" اور بعد میں مذہبی آزادی والا دفعہ بھی موجود ہے جو حدِّ ارتداد «مَن بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ» کا صراحتاً مخالف ہے، لہٰذا اس دفعہ (کہ "حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے") سے کسی صورت آئین اسلامی نہیں بن سکتا"۔

بعد میں مفتی صاحب کے بیان پر مولانا نور محمد صاحب روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مفتی صاحب کی فقاہت ہے کہ بعد والے جملے کو پہلے والے جملے (حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے) کے لیے ناسخ بنایا ہے، لہٰذا جس دفعہ سے اس آئین کا اسلامی ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ بعد والے دفعہ (ہر کسی کو مذہبی آزادی حاصل ہے) سے منسوخ ہوا۔

**تنبیہ:** میں نے عبارت کا خلاصہ نقل کیا ہے (کیونکہ فی الحال یہ کتاب میرے پاس نہیں)۔ مذکورہ بالا کتاب جس کے پاس بھی ہو وہ لازماً مفتی صاحب کا فتویٰ لفظ بلفظ دیکھیں، تاکہ تسلّی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی واضح ہو کہ فقط ان کے دستخط کو اس کفری آئین کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے پیش کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

بہر حال! دیوبند مکتب فکر کے بعض نامور علماء نے آئینِ پاکستان کے اسلامی ہونے پر شد ومد کے ساتھ نکیر کی ہے، جیسا کہ مفتی محمود صاحب کا فتویٰ بیان ہوا، اسی طرح دیوبند مکتب فکر کے ایک

بڑے عالم شیخ الحدیث مولانا نور الہدیٰ صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، کتاب کا نام ہے: "کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟" اسی طرح سلفی مکتب فکر کے عالم "حامد محمود صاحب" نے بھی آئینِ پاکستان پر بڑے معقول انداز میں دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں رد کیا ہے، لہٰذا یہ بات کہ اس آئین کو تمام مکاتبِ فکر نے متفقہ طور ایک ملّی اور اسلامی میثاق سمجھا ہے، یہ بے بنیاد بات ہے۔

## ایک شبہہ اور اس کا جواب :

شبہہ یہ ہے کہ اس آئین پر تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کے ستخط موجود ہیں، لہٰذا یہ آئین تمام مکاتبِ فکر کا متفقہ اور منظور شدہ آئین ہے۔

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اولاً معیارِ حق و باطل کسی علاقے کے مختلف مکاتبِ فکر کا کسی بات پر جمع ہونا نہیں، حق و باطل کی پہچان اوّلاً قرآن کے ذریعے ہوگی، اگر قرآن اس بارے میں ساکت ہو تو سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کیا جائے گا، پھر اجماعِ اُمت، (مگر اجماعِ اُمت سے مراد اس زمانے کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہے، کسی مخصوص علاقے کے چند علماء کے اتفاق کا نام اجماع نہیں) اور اگر ان تینوں میں اس کے متعلق ہدایات موجود نہ ہو تب قیاس صحیح کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ آئینِ پاکستان کے اسلامی ہونے پر مذکورہ بالا چاروں دلائل میں سے کوئی دلیل موجود نہیں، محض چند علماء کی انفرادی رائے پوری اُمت پر مسلّط کرنا انصاف نہ ہوگا۔

ثانیاً یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ریاستی جبر کی وجہ سے بعض لوگوں نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے، یا کسی تأویل کی وجہ سے رُخصت کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے، جیسا کہ موجود "پیغام پاکستان" پر جن حضرات کے دستخط موجود ہیں اُن میں ایک بڑے مشہور عالم مولانا فضل محمد صاحب کا دستخط بھی ہے، اور اس "پیغام پاکستان" میں کئی بار اس بات کی تصریح موجود ہے کہ شریعت کے لیے جنگ کرنا حرام ہے، حالانکہ مولانا صاحب نے اپنی کتاب "دعوتِ جہاد" میں شریعت کے نفاذ کے لیے جنگ کرنے کا صریح، واضح اور مفصل فتویٰ جاری کیا ہے اور حکومتِ پاکستان اور افواج پاکستان کے خلاف ملاکنڈ ڈویژن میں نفاذِ شریعت کے واسطے ہونے والی جنگ کی تائید کی ہے اور اُسے شرعی جہاد کہا ہے۔

چنانچہ مولانا فضل محمد یوسفزئی صاحب منصور کے خلاف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل

کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس فتویٰ سے تیسرا یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لئے مسلح جہاد کرنا ضروری ہے اور ملاکنڈ کے غیور مسلمانوں نے جو نفاذِ شریعت کے لئے جانیں قربان کی ہیں وہ سچے شہید ہیں، چوتھا مسئلہ اس سے یہ حل ہوگیا کہ افغانستان میں جو اس وقت طالبان کی اسلامی تحریک اٹھی ہوئی ہے یہ بھی نفاذِ شریعت کے لئے مسلح جہاد ہے اور ان کے مقتولین طلباء کرام شہید ہیں اور ان کے مدمقابل لوگ ظالم اور ناحق پر قائم ہیں"۔ (دعوت جہاد، ص: 178)

اس عبارت سے شیخ الحدیث صاحب (حفظہ اللہ ورعاہ) کا موقف خود ہی واضح و معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس پیغام پر دستخط کرنا ریاستی جبر واکراہ کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا، کیونکہ "پیغام پاکستان" کا پانچواں دفعہ مولانا صاحب کے موقف کے بالکل برعکس ہے، اس میں ہے:

"نفاذِ شریعت کے نام پر طاقت کا استعمال، ریاست کے خلاف مسلح محاذ آرائی، تخریب وفساد اور دہشت گردی کی تمام صورتیں، جن کا ہمارے ملک کو سامنا ہے، قطعی حرام ہیں، شریعت کی رو سے ممنوع ہیں اور بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں"۔

دونوں عبارتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تضاد ہے، مولانا صاحب کی عبارت شریعت کے لیے جنگ وجہاد کا جواز اور افضلیت بتاتی ہے، جبکہ پیغام پاکستان کی عبارت اسے قطعی حرام اور ممنوع بتاتی ہے۔ قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کوئی شخص اپنے فتویٰ سے رجوع کئے بغیر اس کے مخالف فتویٰ پر کس طرح دستخط کر سکتا ہے؟ یا تو دستخط زبردستی لیا گیا ہے، یا پیغامِ پاکستان پر موجود دستخط جعلی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ پاکستان کے غیر اسلامی آئین کے بارے میں اُس وقت ریاستی جبر بروئے کار لائی گئی ہو، یا دھوکے اور پروپیگنڈے کے ذریعے اسے اسلامی ظاہر کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کا وہ بیان جو رسالہ "آذانِ سحر" میں آیا تھا جسے مولانا نور محمد صاحب نے اپنی کتاب "جمہوریت عقل و نقل کے آئینے میں" میں نقل کیا ہے، اس بیان میں انہوں نے 1973ء کے آئین کو غیر اسلامی کہا ہے، حالانکہ اس کے اسلامی ہونے پر ان کا دستخط بھی موجود ہے، لگتا ایسا ہے کہ یہ دستخط جعلی ہے یا مفتی صاحب سے زبردستی یا دھوکے سے دستخط لیا گیا ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا شبہے (آئینِ پاکستان کے اسلامی ہونے پر تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے) کا جواب

درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

1- یہ بے بنیاد بات ہے، اس کے ضد پر دلائل موجود ہیں کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء نے اسے غیر اسلامی کہا ہے۔

2- بالفرض بعض دستخط ثابت ہو بھی جائیں تو اس جیسی باتوں پر ہم اپنے ملک میں ریاستی جبر واضح دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو اپنے نظریے کے خلاف بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے، جس کی مثال ہم نے مولانا فضل محمد صاحب کی دی کہ ان کے دستخط پیغام پر موجود ہے، حالانکہ ان کی اپنی کتاب (دعوتِ جہاد) میں ان کا واضح اور دوٹوک نظریہ موجود ہے۔

3- ایک مخصوص خطے کے بعض علماء کا کسی بات پر اتفاق کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کی بات سو فیصد ٹھیک ہو، بلکہ انسان ہونے کے ناطے ان سے غلطی ممکن ہے، اور پھر ان چند علماء کو اجماع کی حیثیت دینا انتہائی خطرناک بات ہے، اس سے اصطلاحاتِ شرعیہ کا بگاڑ لازم آتا ہے۔ (أعاذنا الله من ذلك)

## خلاصۂ کلام:

1) آئینِ پاکستان کا غیر اسلامی ہونا دلائل سے ثابت ہوا۔

2) آئینِ پاکستان کی مثال ایک ملی و قومی میثاق کی نہیں، کیونکہ میثاق کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ غیر اسلامی دفعات پر مشتمل نہ ہو، اگر اس میں غیر اسلامی دفعات ہوں تو وہ عقدِ فاسد کی طرح ہے۔ اور آئینِ پاکستان کا غیر اسلامی نکات پر مشتمل ہونا اظہر من الشمس ہے۔

3) یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کہ آئینِ پاکستان پر پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کا اتفاق ہے۔

4) جن علماء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس آئین کو اسلامی کہا ہے ان میں سے بعض کے بیانات ایسے بھی موجود ہیں جو اس آئین کو غیر اسلامی بتاتے ہیں، جیسا کہ مفتی محمود صاحب کے بیان کا حوالہ ہم نے دیا۔

## 2- ''اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی رو سے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت حاصل ہے ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے تحت مساوات حیثیت و مواقع، قانون

کی نظر میں برابری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، عبادات اور اجتماع کی آزادی شامل ہے"۔

جتنی بھی یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس جملے کے ذریعے یہ ثابت کیا جائے کہ یہ ایک اسلامی دفعہ ہے اور یہ ذمیوں کے حقوق ہیں، لیکن حقیقت چھپتی نہیں، اس کا غیر اسلامی دفعہ ہونا ادنی تفکر سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بنیادی آزادی کی آڑ میں اظہار خیال کی آزادی ہے جو اس دستور کے تحت انہیں حاصل ہے، اور اسی طرح اجتماعات کی آزادی بھی ہے، اور اس آزادی کا معنی ہر وہ شخص جانتا ہے جو اسلامی شعور کا حامل ہو۔

**واقعیت:**

واقع اور نفس الامر یہی ہے کہ پاکستان میں مذکورہ آزادی تمام ادیان والوں کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ عیسائی مشنری آزادی کے ساتھ اپنی تبلیغات میں مصروف ہیں، ان کے ریڈیو اور ٹی وی چینلز آزاد ہیں، جن میں دِن رات کفر کی طرف دعوت دی جارہی ہے۔ مگر کفر و شرک، یہودیت اور نصرانیت تک محدود نہیں، بلکہ جدید کفر اور شرک (جیسے سیکولرزم، کیونزم اور لیبرلزم) کو اختیار کرنے کی دعوت کھلے عام دی جارہی ہے، کچھ عرصہ قبل اشتراکیت کی دعوت زوروں پر تھی، جبکہ آج لوگوں کو لیبرل بنانے اور مذہب سے آزادی حاصل کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ جس کے لیے انہیں ہر قسم کے وسائل زیرِ استعمال لانے کی مکمل اجازت ہے، اسی بنیادی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بے دین لوگ اجتماعات اور کانفرنس منعقد کراتے ہیں۔

**حکمِ شرعی:**

حالانکہ شریعت اسلامی میں یہ کام ناجائز اور حرام ہیں، مسلمانوں کے ملک یا ایک اسلامی ریاست میں اس قسم کی آزادی کی بالکل گنجائش نہیں، اہلِ ذمہ کے بارے میں جو مشہور حدیث ہے (جس میں شروطِ عمری ہیں) اس میں ان کے امن کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہیں کہ وہ ہمارے ملک میں اظہارِ شرک نہیں کریں گے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَلاَ نُظْهِرَ شِرْكًا وَلاَ نَدْعُو إِلَيْهِ أَحَدًا.

ترجمہ: اور ہم (اہل ذمہ) افعالِ شرک کو علنًا بجا نہیں لائیں گے، اور نہ اس کی طرف کسی کو دعوت دیں گے۔

اسی طرح مزید شرائط کی تفصیل بھی ہے:

وَأَنْ لَا نُظْهِرَ صُلُبَنَا وَكُتُبَنَا فِي شَيْءٍ مِنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ وَلاَ أَسْوَاقِهِمْ وَأَنْ لاَ نُظْهِرَ الصُّلُبَ عَلَى كَنَائِسِنَا.

ترجمہ: ہم اپنی صلیبوں اور کتابوں کو مسلمانوں کی راہ اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے، اور نہ ہی ہم صلیبوں کو اپنی عبادت گاہوں پر ظاہرًا لگائیں گے۔

اور آخر میں اس طرح آتا ہے:

فَإِنْ نَحْنُ خَالَفْنَا شَيْئًا مِمَّا شَرَطْنَاهُ لَكُمْ فَضَمِنَّاهُ عَلَى أَنْفُسِنَا، فَلاَ ذِمَّةَ لَنَا. وَقَدْ حَلَّ لَكُمْ مَا يَحِلُّ لَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْمُعَانَدَةِ وَالشِّقَاقِ.

ترجمہ: جو شرائط ہم نے اپنے آپ پر لازم کیے اگر ہم نے ان کی مخالفت کی تو ہمارے لیے کوئی ذمہ نہیں اور تمہارے لیے ہماری وہ تمام چیزیں حلال ہیں جو حربی اور معاند کفار کے حلال ہیں۔ (یعنی ہمارا مال لینا اور ہمارا خون بہانا تمہارے لیے حلال ہے) (السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر ۱۹۹۸۶)

مطلب یہ ہوا کہ جو آزادی پاکستان کے دستور میں کفار کو دی گئی ہے (جسے پیغامِ پاکستان میں "متفقہ اعلامیہ" کا نام دیا گیا ہے) وہ سراسر غیر شرعی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے خلافِ شرع آرٹیکلز پاکستان کے دستور کی اسلامیت کو ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

کیونکہ ایک طرف کسی ملک کا اسلامی ہونے کے لیے اس قسم کی شرائط ضرور ہیں کہ اہلِ ذمہ کفری رائے کا اظہار نہیں کریں گے، اور انہیں اجتماعات کی آزادی نہ ہوگی تو دوسری جانب پاکستان وہ ریاست ہے جس میں انہیں یہی آزادی قانونی حیثیت سے حاصل ہے، (صرف یہی نہیں، بلکہ ملک کے داخل میں ہر قسم بے دینی اسی قانون اور دستور کے تحت ہو رہی ہو) لہٰذا اس کے باوجود پاکستان کس طرح اسلامی ریاست ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اسلامی ریاست اور اس دوسری ریاست (جس میں آزادی کو قانونی حیثیت حاصل ہے، ان دونوں) میں واضح تضاد ہے۔

### 3- "اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، جس کے دستور کا آغاز اس قومی

اور ملی میثاق سے ہوتا ہے؛اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق وہ ایک مقدس امانت ہے، نیز دستور میں اس بات کا اقرار بھی موجود ہے کہ اس ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے گا"۔

دو نکات کی بنیاد پر پاکستان کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ایک یہ کہ دستور میں یہ بات ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے، اور دوسری بات یہ کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہ ہوگی۔ ہم نے ان کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل دفعات کو اس سے پہلے بھی باطل ثابت کیا ہے اور عنقریب ایک بار پھر عنوان: "متفقہ فتویٰ" کے تحت اسی نکتے پر رد کریں گے۔ البتہ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. یہ محض ایک وعدہ ہے، جبکہ اسی آئین میں اس کے متضاد دفعات موجود ہیں۔
2. جو دفعات آئین میں شامل کیے گئے ہیں وہ اُصولِ شرع کے معیار پر نہیں، بلکہ اکثریت کے معیار پر ہیں۔
3. یہ وعدہ کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا، اس سے بذاتِ خود آئینِ پاکستان مستثنیٰ ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ جو دفعات اس آئین میں کفری ہیں وہ تا حال نہ تبدیل ہوئے اور نہ آئندہ تبدیل ہوں گے)
4. فی الحال اکثر قوانین خلافِ شرع ہیں اور ان کی قانونی حیثیت تا حال برقرار ہے۔ عمل تو بعد کی چیز ہے، لیکن اگر ایک چور کو تین سال قید کی سزا دی جائے تو کوئی شخص کسی عدالت میں یہ اپیل نہیں کر سکتا کہ یہ غیر قانونی کام کا ارتکاب ہوا ہے، کیونکہ چور کے لیے پاکستان کے قانون میں تین سال قید کی سزا اب بھی قانونی ہے، لہٰذا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے، کیونکہ خلافِ شرع قوانین کو قانونی حیثیت حاصل ہے، فقط ان الفاظ کے اندراج سے کسی ملک کو اسلامی ثابت کرنے کی مثال ایسی ہے

کہ کوئی شخص کسی کافر سے کہے: صرف زبان سے "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہو (تاکہ تم اسلام کے نام سے فائدہ اٹھاسکو) باقی کلیسا یا مندر جاکر اپنی رسومات ادا کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔

**نوٹ:** ہم نے ایک بار پھر صراحتاً یہ بات کہہ دی کہ معاملہ عمل کرنے یانہ کرنے کا نہیں، بلکہ معاملہ قانونیت کا ہے، پاکستان میں تاحال غیر اسلامی قوانین کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔

"لاالہ الااللہ" کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیّت، معبودیت اور حاکمیت تسلیم کی جائے، کسی اور کی معبودیت، حاکمیت اور اُلوہیّت کا انکار کیا جائے۔ اب اگر کوئی شخص لاالہ الا اللہ کہے تو بظاہر وہ مسلمان بنا، لیکن اگر یہی شخص بت خانہ جاکر بت کے سامنے سجدہ کرے تو یہ شخص مسلمان باقی نہیں رہتا، اگرچہ اس شخص نے کلمۂ توحید پڑھ کر اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی "الٰہ" نہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی سجدے کا مستحق نہیں۔ چنانچہ آئین میں یہ الفاظ کہ "قرآن وسنت کے خلاف قانون نہیں بنایا جائے گا" ان الفاظ کا زور "لاالہ الااللہ" سے زائد نہیں، لیکن جب کوئی شخص خلاف شرع قوانین کی قانونی حیثیت پر اعتراض کرے تو یہ جواب دیتا ہے آپ کے ساتھ قانون کے مطابق معاملہ ہوا ہے۔ یہ صریح اور بواح کفر ہے۔

**4- پاکستان کے آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے قرآن وسنت کے احکام کے نفاذ کی پرامن جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا دینی حق ہے۔ یہ حق، دستور پاکستان کے تحت اسے حاصل ہے اور اس کی ملک میں کوئی ممانعت نہیں ہے، جب کہ بہت سے ملی اور قومی مسائل کا سبب اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد سے روگردانی ہے۔اس حوالے سے پیش رفت کرتے ہوئے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلنٹ بینچ کو مزید فعال بنایا جائے۔**

ان جیسے نکات کے ذریعے کوشش کی جاتی ہے کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست ثابت کیا جائے، اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے پرامن جدوجہد کی اجازت کے ساتھ پاکستان کی اسلامیت کو ثابت کریں، اور پھر اس کے لیے دستور میں موجود چند ادارہ جات کا سہارا لیا جائے، تاکہ لوگوں کو اندھیرے

میں رکھ کر دھوکہ دیا جاسکے۔

لہٰذا یہاں مقبوضہ پاکستان کی اسلامیت کے لیے پہلا نکتہ پرامن جدوجہد کی اجازت ہے اور دوسرا نکتہ بعض اداروں کا قیام ہے۔

## پہلے نکتہ پر ہمارا تجزیہ درج ذیل ہے:

**اولاً،** اسلامی نظام کے لیے پرامن جدوجہد کی اجازت پاکستان کی اسلامیت کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ پرامن جدوجہد کی اجازت تو امریکہ اور برطانیہ میں بھی ہے، اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ اس قسم کی پابندی کا نہ ہونا جمہوریت اور لبرل ازم کی وجہ سے ہے، نہ کہ پاکستان کے اسلامی ہونے کی وجہ سے۔ اور یہ بات بھی علم میں رہے کہ شریعت الٰہی کی نظر میں اسلامی ملک وہی ہے جس میں اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی حیثیت وجوبی ہوتی ہے، نہ کہ فقط جوازی۔ جبکہ پاکستان میں وجوب کو جواز کے درجے میں رکھا ہے، چنانچہ صرف اس بات کی اجازت ہے کہ مسلمان قانون اور آئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے شریعتِ الٰہی کے نفاذ کی کوشش کریں۔ اور ساتھ میں یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ یہ کوشش بھی پرامن طریقے سے ہو، تاکہ معاملہ جہاد و قتال تک نہ پہنچے۔ چنانچہ اس طرح بے سروپا باتوں کو اس بات کی بنیاد بنایا کہ اس سے پاکستان ایک اسلامی ریاست بن گیا۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون) بریں عقل و دانش بباید گریست۔

**ثانیاً،** اس نکتے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اصل حاکمیت اسی آئین کی ہے جو ایک طرف تو بعض نام نہاد اسلامی دفعات پر مشتمل ہے، تو دوسری جانب اسی آئین میں کفری دفعات بھی ہیں، جنہیں نہ صرف یہ کہ قانونی حیثیت حاصل ہے بلکہ عملاً نافذ بھی ہیں، لہٰذا اس آئین کے تحت رہتے ہوئے اسلامی نظام کے نفاذ اور اسے قانونی حیثیت دلانے کے ساتھ ساتھ غیر شرعی اور کفری قوانین کو ختم کرنے کی کوشش پرامن جدوجہد کے ذریعے ہوگی۔ یہ بات سراسر اسلامی روح کے خلاف ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہر اُس جائز حربے کو استعمال کرنے کی اجازت ہوتی جس سے لا الہ الا اللہ کے نام پر حاصل کردہ ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو جاتا، مگر یہاں تو کوشش کو آئین کے دائرے میں بند کردی گئی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے یہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کی وہ

حیثیت نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بالکل واضح ہے: "اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى" (یعنی اسلام سربلند رہے گا اس پر کوئی چیز بالادست نہیں ہو سکتی۔ صحیح البخاری حدیث نمبر 1266) لہٰذا اسلامی نظام کے قیام کے لیے یہ شرط لگانا کہ آئین کے تحت کوشش ہو گی یہ اس آئین کو اسلام پر فوقیت دینا ہے، جو ہر اعتبار سے غلط ہے۔

**ثالثاً**، آیئے! یہ بھی دیکھیں کہ آئینِ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہمیں پرامن جدوجہد کا کونسا راستہ دکھایا گیا ہے:

دستور کی دفعہ 70 تا 77 تک (قانونی طریقہ کار) اور دفعہ 239 (دستور میں ترمیم) کی وجہ سے جو بھی قانونی کارروائی ہو وہ آئین کے اس مجوزہ قانونی طریقہ کار کے پروسیجر سے ہوگا۔ حتیٰ کہ شریعت کے ایک واضح، قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت حکم کو قانونی حیثیت دلانا بھی اس سے مستثنٰی نہیں، بلکہ اس پر بھی یہ احکام جاری ہوں گے:

- احکامِ شریعت میں جس حکم کو قانونی حیثیت دلانا مقصود ہو، اس کے لیے یہ کافی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ اسے قانونی حیثیت دلانے کے یہ بات ضروری کہ یہ حکم ایک سفارشی بل کی شکل میں ایوان کا ایک نمائندہ پیش کرے۔ چنانچہ اس آئین میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون اولاً قانون کا حصہ بننے میں اس بات کا محتاج ہے کہ ایوان کے ارکان اسے منظور کریں۔ ثانیاً منظوری کے لیے ایک سفارشی بل کے ذریعے پیش کیا جائے گا، پھر ارکانِ ایوان کو اختیار ہے کہ اسے منظور کریں یا مسترد کریں۔ ثالثاً یہ بل ہر کوئی پیش بھی نہیں کر سکتا، بلکہ ایوان کا عضو پیش کرے گا۔ اس میں درج ذیل باتیں قابلِ غور ہیں:

**اول**: اللہ تعالیٰ کی جانب سے منظور شدہ قانون کو قانونی شکل دینے میں لوگوں کا محتاج بنانا۔

**دوم**: حاکمِ اعلیٰ (خالقِ کائنات) کے امر و حکم کو سفارش کا درجہ دینا۔

**سوم**: نمائندۂ ایوان کے بغیر قانونِ الٰہی کے لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ایوان میں داخل ہو سکے۔

**چہارم**: آئینِ پاکستان کو ماننے والے قانونِ الٰہی کو قانون نہیں سمجھتے، کیونکہ پھر اسے قانونی حیثیت دینے کے لیے پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا کیا معنیٰ؟ (آیا اللہ تعالیٰ کے قانون کے

ساتھ اس قسم کا مزاق کرنا اسلام ہے؟! آیا اسے استخفاف واستہزاء نہ کہا جائے گا؟!)

- شریعت بل کے دوران قانونی طریقہ کار کے مطابق ہر بل کے لیے ضروری ہے کہ وہ آئین کے ساتھ مطابقت رکھے، اگر آئین کے خلاف ہو تو پھر اسے بحث کے لیے بھی منظور نہیں کیا جائے گا۔ اس کی صورت یوں ہے کہ شریعت کے جس حکم کو قانونی حیثیت دلانا مقصود ہو اسے ایوان میں پیش کیا جائے گا، تو اگر اس کا آئین کے ساتھ تصادم ہو تو یہ بل کلّی طور پر رد کیا جاتا ہے، یا اس بل میں اتنی ترمیم کی جائے گی جس سے آئین کے ساتھ اس کی مطابقت پیدا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ان لوگوں پر پابندی لگائی جائے جو پاکستان میں لادینیت اور سیکولرزم کے پرچار کے لیے اجتماعات کا انعقاد کرتے ہیں، تو مذکورہ شخص یہ تو کر سکتا ہے کہ ایوان میں بل پیش کرے، مگر ڈپٹی سپیکر یہ کہہ کر اسے بحث کے لیے منظور نہیں کرتا کہ یہ آئین کے خلاف ہے، کیونکہ آئین میں اظہارِ رائے کی آزادی کا حق ہر کسی کو حاصل ہے، اس لیے یہ بل مسترد کیا جاتا ہے۔ اب آپ ذرا غور کریں کہ اس قسم کے بے دین لوگوں پر پابندی حکم شرعی ہے، مگر آئین کے ساتھ تصادم کی وجہ سے یہ بل مسترد ہو گا۔ جس کی ایک حقیقی مثال ہم پیش کرتے ہیں، سابقہ بے نظیر دور میں عورت کی حکمرانی کے خلاف بل اسمبلی میں پیش کیا گیا کہ اسلامی قانون کے مطابق عورت حکمران نہیں بن سکتی، لیکن اس بل کا آئین کی دفعہ 25 کے ساتھ تصادم ہے، اس لیے اسے مسترد کیا گیا۔

لہٰذا درج ذیل باتیں قابلِ غور ہیں:

- حاکمِ اعلیٰ (الٰہ العالمین) کی طرف سے منظور شدہ قانون پر آئینِ پاکستان کی حاکمیت وفوقیت۔
- ایک جانب اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس قابل ہے کہ اسے رد یا منظور کیا جائے، جبکہ دوسری جانب آئینِ پاکستان کی تمام دفعات کا استحکام اتنا ہے کہ کسی ایک دفعہ کے ساتھ تصادم کی وجہ سے کسی بھی حکمِ الٰہی کو قانونی حیثیت نہیں دی جا سکتی، تاوقتیکہ اس تصادم کو ختم نہ کیا گائے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ حاکمِ اعلیٰ کون ہے؟ الٰہ العالمین؟ یا انسانوں کا بنایا ہوا آئین؟
- آیا یہ طریقہ کار یہودیوں کے اس طریقہ کار کے ساتھ مشابہت ومطابقت نہیں رکھتا کہ کسی یہودی نے زنا کیا تھا، معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرنے کا فیصلہ ہوا، مگر

یہودیوں کے بڑوں نے کہا: اگر وہ (رسول اللہ) ایسی سزا دینے کا کہیں جیسے ہم کہتے ہیں تو قبول کرو، ورنہ اس کی بات ماننے سے بچو۔ اسی متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا﴾ (المائدۃ:41)

**ترجمہ:** اور وہ جو یہودی ہیں جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں، بات کو اس کا ٹھکا نا چھوڑ کر بدل ڈالتے ہیں، کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انہی یہودیوں نے (جیسا کہ اس آیت کی اُس شانِ نزول سے پتہ چلتا ہے جو ابن کثیر اور دیگر مفسرین حضرات نے نقل کی ہے کہ انہوں نے) قومی اتفاق رائے سے حدِ زنا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون چھوڑ کر ایک نیا قانون بنایا تھا۔ پھر ہوا یوں کہ کسی یہودی مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا، چنانچہ یہودیوں نے (یہ سوچ کر کہ اگر ہم حکمِ تورات کے مطابق سزا دیں گے تو ان دونوں کو رجم ہونا پڑے گا، جبکہ دوسری جانب قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً نہ تھا، اس لیے اگر معاملہ مسلمانوں کے پیغمبر کے پاس لے چلیں تو ممکن ہے ہمارے بڑوں کی رائے کے مطابق فیصلہ دیں گے۔ اس لیے) معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بھیجا، لیکن ساتھ میں اپنے چھوٹوں سے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی سزا دینا چاہیں جو یہودیوں کے اتفاقِ رائے سے منظور شدہ ہے تو اسے تسلیم کرو، (کیونکہ اس طرح یہ معاملہ بھی حل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ہماری گلوخلاصی ہو گی کیونکہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا ہے) لیکن اگر ان کا فیصلہ ہمارے اتفاقِ رائے کے خلاف ہو تو پھر خود کو اس سے بچاؤ۔

لہٰذا یہودیوں نے بھی قومی میثاق بنایا تھا، اور اسے معیارِ قبول و رد سمجھتے تھے، حتیٰ کہ قانونِ الٰہی کو بھی اس پر پرکھتے تھے، اگر وہ ان کے معیار پر پورا اترتا تو قابلِ قبول ہونے کے ساتھ ساتھ عند اللہ باعثِ نجات بھی سمجھتے تھے، اور اگر قانونِ الٰہی ان کے قومی میثاق کے خلاف ہوتا تو پھر اسے قبول کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھے۔

لہٰذا بعینہٖ اسی طرح پاکستان میں ہر بل (حتیٰ کہ شریعت بل) کا بھی آئینی دفعات کے ساتھ موافقت شرط ہے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آئین ان کے یہاں قبول یا رد کرنے کا معیار ہے۔

- جب کوئی بل (مذکورہ ذلت کے ساتھ) بحث کے لیے منظور کیا جاتا ہے تو پھر موضوعِ بحث یہ بات ہوتی ہے کہ آیا مذکورہ بل کو قانونی حیثیت دی جائے کہ نہیں؟ بالفاظِ دیگر یہ اس لائق ہے کہ اسے قانون بنایا جائے کہ نہیں؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت واجب الاطاعت قانون ہے، ہر کسی کے لیے، ہر لحظہ، ہر زمان ومکان میں۔ شریعت کے کسی حکم کو قانونی حیثیت دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی, وہ خود بخود اسلامی حکومت میں قانون ہے، البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ حکم یقینی طور پر اُس شریعت کا حصہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے, بس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لانا اور اللہ کا حکم ہونا سبب ہے قانون بننے کا، اس کے علاوہ پھر کسی بھی دوسرے سبب کی ضرورت نہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: 64) یعنی ہم نے تمام انبیاء کرام کی بعثت اس لیے کی ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

چنانچہ جب کسی رسول کی رسالت ثابت ہو جائے تو ان کا لایا ہوا تمام دین ونظام واجب الاطاعت قانون ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: 7) یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی بات کا کہیں تو اسے مان لو، اور جب کسی کام سے تمہیں منع کرے تو اس سے باز آجاؤ۔

چنانچہ رسول کی رسالت اس کی طاعت کے لیے علت ہے، اور رسول کا کسی حکم کا لانا اس کے واجب الاطاعت قانون بننے کے لیے علت ہے، نہ کہ کوئی اور چیز۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ويستفاد من ذلك: أن أمره صلى الله عليه وسلم إذا ثبت لم يكن

لأحد أن يخالفه، ولا يتحيل في مخالفته بل يجعله الأصل الذي يرد إليه ما خالفه، لا بالعكس.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ثابت ہو جائے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی مخالفت کرے، یا اس کی مخالفت کے لیے کسی حیلے بہانے کا سہارا لے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ایسا اصل و قانون بنائے گا کہ تمام امور اس کی طرف راجع ہوں، نہ کہ بالعکس (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو کسی اور قانون پر پرکھا جائے)۔ (فتح الباري: ج: 13، ص: 431، باب قوله تعالىٰ: وأمرهم شورى بينهم)

لہٰذا شریعت کے متعلق یہ بحث کرنا کہ اسے قانون بننا چاہیے کہ نہیں، یہ شریعت کے کل وقتی قانونیت کا انکار ہے (جو پاکستان کے پارلیمنٹ میں کئی بار شریعت کے ساتھ ہوا ہے) مگر اس کے باوجود پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے؟ شریعت کے متعلق فقط اتنا کہنا کہ "اس ملک میں شریعت بھی قانونی حیثیت اختیار کر سکتی ہے، اس لیے یہ ملک اسلامی ہے"، ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

- جب یہ بل قانون بننے کے لیے بیان کردہ ذلت کے ساتھ رکنِ ایوان کے ہاتھوں پیش ہو کر بحث کے لیے منظوری کے مرحلے سے گزر جائے، تو پھر بحث میں تمام ارکانِ پارلیمنٹ حصہ لیتے ہیں، اس میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہیں ہوتی، اس لیے اس مظلوم قرآن و شریعت پر وہ شخص بھی اعتراض کر سکتا ہے جو قرآن کی حقانیت کا منکر ہے، جو کسی بھی صورت شریعت کی بالادستی برداشت نہیں کر سکتا۔

حالانکہ فقہاء کرام نے اسلامی ملک میں رہائش پذیر کفار پر قرآن کے سیکھنے پر بھی پابندی عائد کی ہے، یہ عمری شروط میں ہے کہ وَلاَ نُعَلِّمَ أَوْلاَدَنَا الْقُرْآنَ یعنی عہد ذمہ کے وقت اہل الذمۃ اس بات کا عہد کریں گے کہ ہم اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے۔

علامہ ابن حزم "المحلی" میں لکھتے ہیں:

وَلَا يُعَلِّمُوا أَوْلَادَهُمْ الْقُرْآنَ یعنی وہ (اهل الذمة) اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم نہیں دلوائیں گے۔

اور ماوردی رحمہ اللہ نے شرائطِ ذمہ میں تحریر کیا ہے:

أَحَدُهَا: أَنْ لَا يَذْكُرُوا كِتَابَ اللهِ بِطَعْنٍ عَلَيْهِ وَلَا تَحْرِيفٍ لَهُ.

وَالثَّانِي: أَنْ لَا يَذْكُرُوا رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِتَكْذِيبٍ لَهُ وَلَا إِزْرَاءٍ

عَلَيْهِ.

وَالثَّالِثُ: أَنْ لَا يَذْكُرُوا دِينَ اللَّهِ بِذَمٍّ لَهُ، وَلَا قَدْحٍ فِيهِ - الخ-

ترجمہ: یعنی شرائط ذمہ میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ اہل الذمہ کتاب اللہ پر طعن کرکے ذکر نہیں کریں گے، اسی طرح کتاب اللہ کو محرّف شکل میں بیان نہیں کریں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس طرح نہیں کریں گے کہ ہم انہیں نہیں مانتے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عیب جوئی کرکے ان کا تذکرہ نہیں کریں گے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ اللہ کے دین کا تذکرہ مذمتی انداز میں نہیں کریں گے، اسی طرح معترضہ شکل میں بھی دینِ اسلام کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۲۲۵)

بہر حال! قرآن اور اسلام کا کوئی حکم جب اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کیا جاتا ہے تو تمام ارکانِ ایوان کو یہ حق حاصل ہے کہ اس بحث میں حصہ لیں، اور یہ اجازت نامہ پاکستان کے اُس نام نہاد اسلامی آئین نے دیا ہے جس کی وجہ سے آج ریاستِ پاکستان ایک اسلامی ریاست کی شکل میں منوانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ (حالانکہ اس آئین میں بہت سے کفری قوانین کو باقاعدہ طور پر قانونی حیثیت حاصل ہے) یہی آئین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم مشترکہ طور پر اس شریعت بل کو زیر بحث لائیں، اور یہ فیصلہ کریں کہ آیا یہ قانون بننے کے قابل ہے کہ نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فقہائے کرام کا اسلام تو یہ ہے کہ ان غیر مسلموں پر قرآن کی تعلیم و تعلّم پر پابندی ہو، جبکہ پاکستانی اسلام میں غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن کی قانون حیثیت پر اعتراض کریں، قرآنی احکامات کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کریں، انہیں کالا قانون کہیں۔ یہ ہم اُن ارکانِ اسمبلی کی بات کرتے ہیں جو خود کو مسلمان نہیں کہتے، البتہ جو ارکانِ اسمبلی خود کو مسلمان کہتے اور کہلواتے تھکتے نہیں وہ بھی اسلامی قانون کو مسترد کرنے، اسے دورِ حاضر کے تقاضوں کا مخالف سمجھتے ہوئے شریعت کو موردِ اعتراض ٹھہرانے کے باوجود اِس نام نہاد اسلامی آئین میں قابلِ مؤاخذہ نہیں، کیونکہ دورانِ اسمبلی کسی موضوع پر بھی ہر قسم کے تبصرے اور اعتراض کا حق اس آئین نے انہیں دیا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 66 (1) میں ہے:

دستور اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے قواعد ضابطہ کار کے تابع [مجلس شوریٰ

(پارلیمنٹ )] میں تقریر کی آزادی ہوگی اور کوئی رکن [ مجلس شوری (پارلیمنٹ)] میں کی ہوئی
اپنی کسی تقریر یا دیئے ہوئے کسی ووٹ کی نسبت کسی عدالت میں کسی قانونی کارروائی کا مستوجب
نہیں ہوگا اور کوئی شخص [ مجلس شوری (پارلیمنٹ)] کی طرف سے یا اس کے اختیار کے تحت کسی
رپورٹ، مضمون، ووٹ یا کارروائی کی اشاعت کی نسبت بایں طور مستوجب نہیں ہوگا۔

یعنی خود کو مسلمان کہے یا کافر، مگر اسمبلی میں جو تقریر شریعت کے خلاف کریں یا شریعت کے خلاف استعمال کریں تو اس پر اُن سے کسی عدالت میں بازپرس نہیں کی جاسکتی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے سود کے متعلق بل کی مخالفت کی تھی آج تک انہیں کسی عدالت نے کوئی سزا نہیں دی، اسی طرح شریعت بل یا حسبہ بل کے خلاف جن ارکانِ اسمبلی نے تقریر کی تھی یا ووٹ دیا تھا، اُن کے خلاف بھی تاحال کوئی کیس عدالت میں موجود نہیں، کیونکہ اُن کے خلاف کسی عدالت میں اپیل کرنا خلافِ قانون (آئین) ہے۔ حتیٰ کہ ان ارکانِ اسمبلی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے شریعت بل کو استخفافاً پھاڑ کر پاؤں تلے روندا ہے۔

اب ہمارا پوچھنا یہ ہے کہ جب یہ بل پاس نہ ہوا تو آیا کوئی تھا جس نے اس کی راہ روک لی تھی یا بدون راہ روکے تاحال پاس نہ ہوسکا؟ اگر کوئی نہیں تو کیوں اسلامی احکامات تاحال نافذ العمل نہیں؟ اور اگر کسی نے اسے پاس ہونے نہیں دیا (اور چونکہ یہ آئینِ پاکستان کی دفعہ 70 تا 77 اور دفعہ 238 و 239 کے قانونی پروسیجر اور ترمیمی پروسیجر کے تحت ہے)، تو علماء کرام سے ہمارا درج ذیل استفتاء ہے:

1. اس شخص کا کیا حکم ہے جو قانونِ الٰہی کے متعلق یہ بحث کرے کہ آیا یہ قانون بننے کے قابل ہے یا نہیں؟
2. اس آئین کا کیا حکم ہے جو قرآن کے متعلق کافر تک کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اس کے متعلق آزادانہ رائے دے، کہ آیا اسے قانون بنانا چاہیے کہ نہیں؟ اگر قانون بننا چاہیے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور اگر نہیں بننا چاہیے تو ان خامیوں کی نشاندہی کریں جن کی بنا پر قرآن کا کوئی حکم قانون نہیں بن سکتا؟
3. آیا وہ آئین اور اساسی قانون اسلامی آئین ہوسکتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب بل کو رد کرنے والوں اور فیل کرنے والوں لوگوں (کو شرعی سزا دلوانا تو دور کی بات ان) کے خلاف عدالتی کاروائی سے انہیں تحفظ فراہم کرتا ہے؟
4. اور اُن لوگوں کا کیا حکم ہے جو شریعت کا ملکی آئین میں قانون بننے کی راہ میں رکاوٹ بنیں؟

علماء حضرات لازمامذ کورہ بالااستفسارات کے جوابات قرآن وسنت اور فقہی عبارتوں کی روشنی میں ڈھونڈیں اور اُمتِ مسلمہ کے سامنے حقائق واضح کرنے کا حق ادا کریں، البتہ ہم اسی متعلق ایک فتویٰ ذکر کرتے ہیں جس سے ان جیسے لوگوں کا حکم تمہیں معلوم ہو جائے گا:

علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ (جو خلافتِ عثمانیہ کے نائب شیخ الاسلام تھے، اور علمائے احناف کے مابین ایک بڑے عالم تھے، عقیدے کے باب میں دیوبند مکتبِ فکر انہیں بڑا مرجع سمجھتے ہیں، ان) سے استفسار کیا گیا کہ اس مسلمان شخص کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے جس کی یہ کوشش ہو کہ ملک کا سرکاری مذہب تو اسلام ہو مگر بطورِ قانون اسلام نافذ نہ ہوگا، بلکہ اس کی جگہ وضعی قوانین نافذ ہوں گے؟ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

فالمسلم إذا طالب بمثل ذلك في سلامة عقله يجري عليه حكم الردة ..... وقد دلت نصوص الكتاب والسنة على أن دين الإسلام جامع لمصلحتَي الدنيا والآخرة ولأحكامهما دلالة واضحة لا ارتياب فيها, فتكون محاولة فصل الدين من الدولة كفرًا صارخًا منابذًا لإعلاء كلمة الله وعداءً موجهًا إلى الدين الإسلامي في صميمه, ويكون هذا الطلب من هذا المطالب إقرار منه بالانبتار والانفصال فيلزمه بإقراره, فنعدّه عضوًا مبتورًا من جسم جماعة المسلمين وشخصًا منفصلًا عن عقيدة أهل الإسلام، فلا تصح مناكحته ولا تحل ذبيحته؛ لأنه ليس من المسلمين ولا من أهل الكتاب.

ترجمہ: جب کوئی مسلمان اس حالت میں کہ اس کی عقل ٹھیک ہو اس جیسا مطالبہ کرے تو اس پر ردّت (ارتداد) کے احکام جارے ہوں گے... اور یقیناً نصوصِ قرآن وسنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام دنیا وآخرت دونوں کے مصالح کا جامع ہے، اور اس کے احکامات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، جس میں کوئی شک نہیں، لہٰذا یہ کوشش کہ دین کو دولت (حکومت) سے جدا کیا جائے یہ ایک ایسا واضح کفر ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کو پھینکنے والا ہے، اور یہ دینِ اسلام کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے کھلی دشمنی ہے، اور مُطالِب کی طرف سے یہ مطالبہ اس بات کا اقرار ہے کہ وہ خود دینِ اسلام سے جدا اور الگ ہونا چاہتا ہے، چنانچہ اس کا اقرار اس کو لازم ہے، لہٰذا ہم اسے جماعۃ المسلمین کے جسم سے ایک کٹا ہوا

عضو شمار کریں گے، اور اسے ایک ایسا شخص مانیں گے جو اہلِ اسلام کے عقیدے سے جدا ہو گیا ہو، اس بناپر اسے شخص کے ساتھ مناکحت (نکاح کا رشتہ قائم کرنا) درست نہیں، اور نہ ہی اس کا ذبح کردہ جانور حلال ہے، کیونکہ ایسا شخص نہ تو مسلم ہے اور نہ اہل کتاب۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

وقد عدّ الصديق الأكبر رضي الله عنه الذين حاولوا إبعاد حكم جباية الزكوة عن الأحكام التي تنفذها الحكومة ارتدادًا حتىٰ عاملهم معاملة المرتدين من قتل وسبي، وأجمعت الصحابة على موافقته .... فكيف من لا يرضى بقضاء الإسلام خارجًا عن عقيدة الإسلام منفصلًا عن جماعة المسلمين.

ترجمہ: یقیناً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو مرتدین میں شمار کیا تھا جنہوں نے مالِ زکوۃ کو جمع کرنے کے حکم کو حکومتی احکامات سے دور کرنے کی کوشش کی تھی، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی ان کو قتل کرنا اور غلام بنانا، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس بات پر اجماع کیا۔۔۔ لہٰذا جو شخص قضاء اسلام سے راضی نہ ہو وہ کس طرح مسلمانوں کے عقیدے اور مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہ ہو؟! (مقالات الكوثري، حكم محاولة فصل الدين عن الدولة ص287، بحوالہ اُصولِ تکفیر ص: 420)

دیکھئے! علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے اُس شخص کو صریح کافر کہا ہے جو اس بات پر راضی نہ ہو کہ کسی ملک میں اسلام بطورِ آئین وقضاء رہے۔ تو اگر شریعت بل کو مسترد کرنا، عورت کی حکمرانی کے خلاف بل کو یہ کہہ کر مسترد کرنا کہ یہ آئین کے ساتھ متصادم ہے، اگر یہ حکمِ اسلام اور قضائے اسلام کے بارے میں عدم رضا نہیں تو اس کی اور کونسی صورت ہو گی؟

اور یہ بات کہ ہمارے ملک کے آئین نے قانونی پروسیجر کے تحت ارکانِ پارلیمنٹ کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ شریعتِ الٰہی کو منظور کریں یا مسترد کریں، آیا ایسا آئین اسلامی ہو سکتا ہے؟

بہر حال! ہم تو یہ چاہتے تھے کہ اس موضوع پر خوب روشنی ڈالیں اور اس پر خوب مفصل بحث کریں، لیکن رسالے کو طوالت سے بچانے کی غرض سے مذکورہ بالا اختصار پر اکتفاء کرتے ہیں، مگر ساتھ میں درج ذیل خلاصہ بیان کرکے موضوع کو سمیٹتے ہیں:

**خلاصۂ کلام:**

آئینِ پاکستان کے تحت اسلام کے لیے پُر امن جدوجہد کی اجازت نہ خود اسلامی ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے کوئی ملک اسلامی بن سکتا ہے، کیونکہ یہ متعدد کفریات پر مشتمل ہے، آیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم حکم اللہ کو چھوڑ کر اس قسم کی جدوجہد اختیار کریں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

متفقہ اعلامیہ کے چوتھے مادے کے پہلے نکتے کے متعلق یہ مختصر بحث ہوئی۔اب ہم دوسرے نکتے پر بحث کریں گے، جس سے پیغامِ پاکستان کے مرتّبین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے،اس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے راستہ بتایا گیا ہے، چنانچہ اس کے لیے چند اداروں کا قیام بھی عمل میں لایا جاچکا ہے۔

**پہلا ادارہ: ادارہ تحقیقات اسلامی۔**

جیسے کہ اس کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فقط تحقیقاتی ادارہ ہے، مگر اس ادارے کی تحقیقاتی تاریخ اور تحقیقاتی مضامین سے "الامان والحفیظ"۔ پاکستان میں اسلامی محققین کی ایک تاریخ ہے ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے ملحدین (جس نے سود کو اسلام کا جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی،اس کے علاوہ مزید متعدد احکامِ شرع کو محرّف بنانے کی ناکام کوشش کی تھی، وہ) بھی پاکستان کے عظیم محقق تھے۔ اسی طرح آج بھی موجودہ تحقیق جو "پیغامِ پاکستان" کے نام سے جاری کردہ اعلامیہ انہی محققین کا عظیم کارنامہ ہے، جس میں انہوں نے بڑی دیدہ دلیری سے ہیومن ازم، سیکولرزم اور لیبرل ازم جیسے ملحدانہ فلسفے کو اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور ساتھ میں یہ کوشش بھی کی ہے کہ جمہوریت کو اسلامی لبادہ پہنا کر مسلمانوں کے لیے خوب مزیّن کیا جائے، حالانکہ یہی جمہوریت ہے جس کی اساس پر آج تک اسلامی شریعت نہ صرف یہ کہ ملتوی ہے بلکہ تین بار اس جمہوریت کے تحت قائم اسمبلی نے مسترد کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس جدّت پسند ٹولے نے ہمیشہ بے دین فلسفے کو اسلامی رنگ دیکر پیش کیا ہے، اور پاکستانی قوم پر مزید احسان یہ کیا ہے کہ اُن لوگوں کو جو دین اسلام بگاڑ رہے ہیں انہیں ایک عظیم محقق کی شکل میں لا کر اُن حقیقی محققین کی راہ روکنے کی کوشش کی ہے جو اسلام کو اپنی اصل روح کے ساتھ اُمت کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔

پیغامِ پاکستان کو مرتّب کرکے ان نام نہاد محققین نے بہت بڑی قربانی دی ہے، کیونکہ ایسے

دقیق نکات معلوم کرنا جن کا وجود کُتبِ فقہ اسلامی کے حواشی میں بھی نہیں، لیکن ان حضرات نے نامعلوم کسی کشف یا اِلہام کے زور پر منظر عام پر لانے کا کارنامہ سرانجام دیا جس سے عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بعض موضوعات تو ایسے ہیں جنہیں ان محققین حضرات نے دِن رات کی کوششوں سے زیبِ قرطاس بنا کرامتِ مسلمہ پر ایسا عظیم احسان کیا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد جیسے پُر مشقت کام سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا، کیونکہ ان محققین نے جہاد کو ہر حال میں حاکم کے وجود اور اس کی اجازت کے ساتھ مشروط کیا، اب جتنی بھی بے دینی آئے یا احکامِ کفر کا غلبہ ہو یا کوئی خارجی استعمار حملہ کرے یا اسلام کے مقدّسات پامال ہوں، جب تک حاکم جہاد کی اجازت نہ دے تو جہاد کرنا مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں داخل نہیں، اگرچہ حاکمِ وقت کفار کا ایجنٹ بن کر ایسا جوڑ توڑ کیوں نہ کرے جس سے مسلمانوں کے حقوق ضائع ہوں۔ اسی طرح ان محققین کی ایک انوکھی تحقیق یہ بھی ہے کہ نفاذِ شریعت کے واسطے سرے سے جہاد کی مشروعت وجواز ہے ہی نہیں (ان کی یہ نادر و نایاب تحقیق اس پیغام میں جا بجا صراحتاً موجود ہے) ان کے یہاں جہاد کا جواز صرف ملکی دفاع کے لیے ہے اور وہ بھی انتہائی ضرورت کے موقع پر۔

یہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی ایسی جدید اور بہترین تحقیقات ہے جس سے امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور وکیع بن الجراح رحمہم اللہ جیسی ہستیاں محروم رہی ہیں، کیونکہ اُن کی نظر اس مقام تک نہ پہنچ سکی جہاں تک اس ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے محققین کی نظر پہنچی ہے، (حالانکہ مذکورہ ائمہ حضرات سے حاکم کی اجازت کے بغیر جہاد، حکام کے خلاف خروج اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر منقول ہے) لگتا ایسا ہے کہ اس قسم کی تحقیقات مدینہ نما پاکستان کے عوام پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی رحم ہے، یا شاید یہ پاکستان کے مؤسس (محمد علی جناح) کی کرامت ہے کہ مسلمانانِ پاکستان سے ہمیشہ کے لیے جہاد جیسے پُر مشقت فریضے کو ہمیشہ کے لیے ساقط کر دیا۔

اس ملک کی تاریخ میں اکثر وبیشتر اوقات یہی ادارہ ملحدین وزنادقہ کے ایک ٹولے کے ہاتھ میں رہا ہے، جس میں یہ ملحدین اسلام کی من مانی تشریحات و تحریفات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ آیتِ قرآنی لا کر اس کی تشریح حوالہ دیئے بغیر کرتے ہیں، کبھی کبھی اس ادارے کے بعض افراد کوئی حدیث اپنی عبارتوں کے بیچ لے آتے ہیں (حالانکہ ان کی اکثریت منکرینِ حدیث ہیں) کیونکہ حدیث کے

ظاہری الفاظ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتے ہیں، مگر یہ لوگ اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کی کوئی عبارت ذکر کریں، بلکہ حدیث سے جو مطلب یہ لوگ سمجھتے ہیں وہی بیان کرتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ دستخط کنندگان حضرات میں سے اکثر وہ ہیں جن کے اُصول تو یہ ہیں کہ ان کے دار الافتاء میں جب کوئی عالمِ دین استفتاء کا جواب صرف قرآنی آیات اور احادیث سے لکھ کر ان حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں (تاکہ اُس فتویٰ پر «الجواب صحیح» لکھ کر توثیق فرمائیں) تو یہ حضرات اس پر نہ «الجواب صحیح» لکھتے ہیں اور نہ دستخط کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس عالم دین نے اس فتویٰ میں صرف قرآنی آیت یا حدیث لکھنے پر اکتفاء کیا ہے، کیونکہ یہ حضرات فتویٰ میں فقہی عبارات لکھنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، آج کا کوئی عالم مجتہد بن کر قرآن وحدیث سے نرے استدلال کو یہ حضرات نہیں مانتے، حالانکہ اس عالمِ دین نے دس بارہ سال اسلامی مدارس میں نورانی فضا میں مستند علماء کرام سے تعلیم حاصل کی ہوتی ہے، جبکہ یہاں «پیغامِ پاکستان» لکھنے والے یونیورسٹی کے گندے ماحول میں سرسری طور پر جدت پسند رنگ میں رنگے بعض شرعیات پڑھے ہوئے برائے نام مذہبی اسکالرز سے سیکھتے ہیں، انہوں نے اپنے مدّعا ومطلب پر صرف قرآنی آیتیں اور بعض احادیث خیر القرون وائمہ مجتہدین سے سمجھے بغیر لائے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے بھی اپنے اصول کو بالائے طاق رکھ کر اس جدیدیت کے علمبرداروں کے جدید وانوکھے فتوے پر دستخط کر ڈالے۔ یا ہم یہ تصور کریں کہ یہ دستخط ان حضرات سے زبردستی لیے گئے ہیں کیونکہ اپنے اصول کو نظر انداز کرنا ایک اصولی شخص کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ پاکستان کے اسلامی ریاست ثابت کرنے کے لئے جس طرح آئین کے دو تین دفعات پیش کرنا ایک ناکام کوشش ہے اسی طرح آئین کے تحت بنائے گئے بعض اداروں کا سہارا لینا بھی ایک ناکام کوشش ہے خصوصا اسلامی تحقیقاتی ادارہ جس کا کام صرف تحقیق ہے اور تحقیق بھی پھر ایسی تحقیق جو اسلامی فقہ سے یکسر مخالف ہو۔

**دوسرا ادارہ: اسلامی نظریاتی کونسل۔**

اس مظلوم اور بے بس ادارے کے حوالہ سے مختصر بحث ہم نے پہلے بھی کی تھی، جسے معمولی اضافے کے ساتھ ہم یہاں نقل کیئے دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ پیغامِ پاکستان کو مرتّب کرنے والے نے بھی ہمیشہ یہی کوشش کی ہے بار بار وہی اصطلاحات والفاظ ذکر کرے جس کے ذریعے مسلسل ستّر سال سے پاکستان کے عوام کو دھوکے میں رکھا گیا ہے، چنانچہ اسی دھوکے کے لیے تکرار کرنے سے نہیں تھکتے، لہٰذا ہم بھی اسی دھوکے کو رد کرنے کی غرض اپنا کلام مکرر ذکر کریں گے، جس سے ہمیں بھی ان شاء اللہ کوئی تھکاوٹ نہ ہوگی۔ ہماری یہ کوشش رہے گی کہ جب بھی یہ عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے ہم حقائق سے پردہ ضرور اٹھائیں گے، ان شاء اللہ۔

الغرض! اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے جو ادارہ ہے وہ مسلمانانِ پاکستان کو دھوکہ دینے کے لیے اُن دیگر خوش نما نعروں کی طرح ایک خوش کن نعرہ ہے جو پاکستان پر مسلط ٹولہ اپنی نشریات میں بار بار لگاتا ہے۔ یہ ادارہ دیگر اداروں کی بنسبت سب سے زیادہ بے بس ادارہ ہے، اور اس کی بے بسی اور بے چارگی کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ لگا ہوا ہے، چونکہ ان کی کوشش ہے کہ کسی طرح اسلام نیچا اور بے بس ثابت کیا جائے، اس لیے یہ مظلوم ادارہ بھی تبعًا اور طردًا للباب ظلم وقہر کا شکار ہوا۔

آیئے! وہ آئین جسے یہ لوگ اسلامی کہہ کر نہیں تھکتے اور جس کے بغیر اسلام کی سربلندی پاکستان میں ناممکن ہے اُس کا جائزہ لیں کہ اُس آئین نے اس اسلامی ادارے کو اسلام کی سربلندی کے لیے کونسی حیثیت دے رکھی ہے؟ آئین میں ہے:

> دفعہ: 230-(1)A "ژ مجلس شوری (پارلیمنٹ) اور صوبائی اسمبلیوں سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرنا جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور امداد ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے"۔

یہ آرٹیکل اسلامی نظریاتی کونسل کو اسلامی آئین کی طرف سے دیئے گئے اختیارات اور اس کا دائرہ کار بیان کرتا ہے، اس دفعہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کو سفارش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ قومی یا صوبائی اسمبلی کے سامنے سفارش پیش کرے۔ سفارش کے حوالہ سے ہم نے پہلے ذکر کیا کہ سفارش اس

کو کہا جاتا ہے کہ سفارش کنندہ سامنے شخص یا ادارے کے سامنے فقط درخواست کرے کہ اگر ایسا ہو جائے تو بہتر ہے، پھر ماننا یا نہ ماننا درخواست گزار کا کام نہیں، بلکہ اگر سامنے شخص یا ادارے نے اس کی سفارش قبول کی تو یہ اس پر احسان تصور کیا جاتا ہے، اور اگر سفارش کو قبول نہ کرے تو سامنے والا شخص یا ادارہ نہ مجرم بنتا ہے، اور نہ ہی سفارش کنندہ کو اعتراض یا ناراض ہونے کا کوئی حق حاصل ہے۔

مطلب یہ کہ اس ادارے کی وجہ سے یہ ملک اور اس کا آئین اسلامی نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ ادارہ اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے گا، بلکہ اپنے اختیارات کو دیکھتے ہوئے اس بات کی ضمانت بھی نہیں دے سکتا کہ جس کے سامنے یہ سفارش کرے وہ اس کی سفارش ضرور سنے گا اور مان جائے گا۔ اور نہ اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ اس ادارے کی طرف سے جس قانون پر اعتراض ہو (کہ یہ شریعت کے خلاف ہے) وہ قانون لازماً لغو ہو گا، بلکہ یہ ادارہ ان لوگوں کے خلاف عدالت میں اپیل بھی نہیں کر سکتا جو اس کی بات نہیں مانتے، کیونکہ اس ادارے کا کام صرف سفارش کرنا ہے اور بس۔ اس کی سفارش کے بعد کچھ بھی ہو جائے اس کو قانع ہونا پڑے گا، بعینہ اس نوکر کی طرح جو اپنے سیٹھ سے کہے کہ میری تنخواہ بڑھا دو ورنہ ۔۔۔ جب سیٹھ جواباً یہ کہے کہ اگر نہ بڑھاؤں تو؟ ۔۔۔ ۔ نوکر مجبور ہو کر کہے: ورنہ پرانی تنخواہ پر گزارہ کر لوں گا۔

یہ آئینِ پاکستان کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کی بیچارگی اور بے بسی کا حال ہے، رہی یہ بات کہ آئینِ پاکستان اسلام کو کس نظر سے دیکھتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ادارہ (اسلامی نظریاتی کونسل) وہ ادارہ ہے کہ اسلام اور اس کے احکام کے لیے سفارش کرتا ہے، ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ سفارش کرنے والا اس شخص سے کم مرتبہ ہوتا ہے جس سے سفارش کی جاتی ہے۔ شاید آئینِ پاکستان کو اسلامی سمجھنے والوں کی نظر میں یہی اعلاء کلمۃ اللہ ہے!

البتہ یہاں ایک اہم نکتہ ہے، شاید اس کی وجہ سے کسی کی نظر میں پورا آئین اسلامی ٹھہرے، اور وہ اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ ادارہ (اسلامی نظریاتی کونسل) آئینی لحاظ سے اتنی طاقت رکھتا ہے کہ جس کے سامنے سفارش کرے وہ (چاہے قومی اسمبلی ہو یا صوبائی، گورنر ہو یا صدر) ان کے مشورے پر اپنے وضع کردہ قانون پر ایک بار پھر نظر ثانی کریں گے۔ یہ اس ادارے کی وہ بڑی طاقت ہے جس کے بل پر قومی

اسمبلی جیسے بڑے اور طاقتور ادارے کو نظر ثانی پر مجبور کیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ دوبارہ اس پر غور کریں، البتہ نظر ثانی کے بعد وضع کردہ قانون کی تائید یا اس کو رد کرنا اس اسلامی نظریاتی کونسل کا کام نہیں، بلکہ اسمبلی کا کام ہے۔

جیسا کہ آئین کہتا:

230۔(3) ''جب کوئی ایوان، کوئی صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر جیسی بھی صورت ہو، یہ خیال کرے کہ مفادِ عامہ کی خاطر اس مجوزہ قانون کا وضع کرنا جس کے بارے میں سوال اٹھایا گیا تھا مشورہ حاصل ہونے تک ملتوی نہ کیا جائے، تو اس صورت میں مذکورہ قانون مشورہ مہیا ہونے سے قبل وضع کیا جاسکے گا،

مگر شرط یہ ہے کہ جب کوئی قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورے کے لئے بھیجا جائے اور کونسل یہ مشورہ دے کہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے تو ایوان، یا جیسی بھی صورت ہو، صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر اس وضع کردہ قانون پر دوبارہ غور کرے گا''۔

آئین کے اس شق سے خوب واضح ہوا کہ یہاں سفارش کا لفظ اُسی معنی میں ہے کہ جسے رد یا قبول کیا جاسکتا ہے، یہ کسی دوسرے معنی (آرڈر، امر، حکم) میں نہیں۔

اس شق سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آئین نے قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر کو مفادِ عامہ کی خاطر اُس مجوزہ قانون کو ملتوی نہیں کریں گے جس کے بارے میں کسی کو یہ اعتراض ہے کہ یہ شریعت کے خلاف ہے، اور یہ اعتراض اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے کیوں نہ ہو تک بھی مفادِ عامہ کی خاطر اس قانون کو باقی رکھ سکتے ہیں، البتہ اسلامی کونسل کی سفارش کے بعد صرف غور کریں گے۔ یعنی ان کے یہاں اہم چیز مفادِ عامہ ہے، رہی یہ بات کہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں، یہ ثانوی درجے کی چیز ہے، بہتر یہی ہے کہ مطابق ہو، تاکہ مسلمان عوام مطمئن رہیں۔ اور نہ ہو تب بھی کوئی بات نہیں، کیونکہ ان کے یہاں مفادِ عامہ ہر چیز پر مقدّم ہے، اس لیے ان اداروں کے لیے یہی قانون ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کا انتظار کئے بغیر اس کو قانونی شکل دی جاسکتی ہے۔

البتہ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وضع کردہ قانون کو تبدیل کرنے کے لیے نظر ثانی اور غور کرنے کا مشورہ اور سفارش کرے، پھر اگر متعلقہ

ادارہ جات کی طرف سے دوبارہ اسی قانون کی تائید ہو گئی تو اس کونسل کے پاس خاموش تماشائی بننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "حقوقِ نسواں" کے متعلق جو قانون سازی ہوئی اور 2017ء میں اسے اسلامی نظریاتی کونسل نے رد کیا، تو وائس آف امریکا (کی پشتو سروس "ڈیوہ ریڈیو") نے ایک رُکنِ اسمبلی سے پوچھا: اب آپ لوگ کیا کریں گے؟ تو اُس نے کہا کہ یہ تو اسلامی نظریاتی کونسل کا ایک مشورہ تھا، باقی قانون سازی کرنا پارلیمنٹ کا اختیار ہے۔ اس جواب پر وائس آف امریکا کے ہمکار نے کہا: اگر حقیقت یہی ہے تو پھر اس ادارے کو بنانے اور اس پر اتنی لاگت کا کیا فائدہ ہے؟۔۔۔۔۔

**خلاصۂ کلام:**

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جو لوگ ہمیں پاکستان میں آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پُرامن کوشش کی دعوت دیتے ہیں وہ خود ہی سوچیں آیا یہ کوشش اسلامی ہوگی یا نہیں؟

1) جس آئین میں خود اسلام و شریعت اور شرعی احکام قانون سازی میں ارکانِ پارلیمنٹ کی منظوری اور انہیں پاس کرنے کے محتاج ہوں، اس آئین کے تحت اگر بالفرض بعض اسلامی احکام نافذ بھی ہو جائیں تو وہ بھی آئین کے ماتحت ہوں گے، آئین کو ان پر بالادستی حاصل رہے گی، اور جب بھی ارکانِ پارلیمنٹ آئینی حق استعمال کرتے ہوئے انہیں تبدیل یا ختم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امریکا کے ایک خطرناک ادارہ رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation) نے اس قسم کے اسلام کو "ڈیمو کریٹ اسلام" کا نام دیا ہے، اس کے متعلق انہوں نے ایک مستقل رپورٹ شائع کی ہے، اس رپورٹ کو ایک یہودی عورت نے تیار کرکے رینڈ کارپوریشن کو پیش کیا ہے، اور اس کا نام اس نے "سول ڈیمو کریٹ اسلام" رکھا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے مسائل کے ضمن میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسلام و شریعت کی حاکمیت تسلیم کی جائے مگر وہ انسانوں کی جانب سے تشکیل شدہ اور منظور شدہ ہو، اسلام کو ہرگز اس شکل میں نہ مانا جائے کہ وہ ایک اٹل قانون ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ کسی کی منظوری کے بغیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔

اب قارئین حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ اسلام کی حاکمیت اس شکل ماننا اسلام کا حق ادا کرنا ہے یا رینڈ کارپوریشن (یہودی ادارے) کا؟ یہ حقیقی اسلام کی خدمت ہوگی یا سول ڈیمو کریٹ

اسلام کی؟

2) آیا ہم ایسے آئین کے تحت کام کریں جو اسلامی احکامات کے خلاف قانون سازی کو روکنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کو صرف سفارش کرنے کا حق دے (کہ وہ اسلامی احکامات کے بارے فقط تجویز دے، اور پھر اس تجویز کو قبول کرنے یا رد کرنے کی صورت میں کوئی قانونی کارروائی عمل میں نہیں لاسکتی) آیا ہم ایسے اسلام کی خدمت کریں جو (نعوذ باللہ) اسلام کے بارے میں انسانوں کو یہ اختیار دے کہ وہ چاہیں تو اسلام کو بطورِ قانون قبول کریں ,یا ردی کی ٹوکری میں پھینکیں۔ قابلِ غور یہ ہے کہ اس طرح یہ اسلام کی خدمت ہوگی یا اس کی تذلیل؟

**تیسرا ادارہ: وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بینچ۔**

وفاقی شرعی عدالت بھی ایک بے بس ادارہ ہے،اس کے اختیارات بھی محدود ہیں، مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، لیکن یہی ضابطۂ حیات پھر آئین کے صفحات میں مختلف مواضع میں خصوصاً شرعی عدالت کے باب میں چند مخصوص و معیّن حد تک ہے۔ اسی طرح آئین نے ایک طرف اس بات پر تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکمِ اعلیٰ ہے، لیکن پھر اسی حاکمِ اعلیٰ کے اختیارات ایک مخصوص حد تک محدود کر رکھے ہیں، اس مخصوص دائرے کے باہر اللہ تعالی کے اختیارات قابلِ تسلیم نہیں۔ اسی طرح یہ آئین کہتا ہے کہ قرآن وسنت کے منافی قوانین نہیں بنائے جائیں گے، مگر بذاتِ خود آئین اس دائرے سے خارج ہے کہ یہ آئین اسلام کے منافی دفعات پر مشتمل ہے، ذیلی قوانین پر تو یہ دفعہ حاکم ہے، لیکن خود یہ دفعہ آئین کے دیگر حصوں پر حاکم نہیں۔

آیئے! یہ دیکھیں کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک شرعی عدالت کے کتنے اختیارات حاصل ہیں؟ 1973ء کے آئین بننے کے بعد تقریباً 39 سال قبل کی ,بات ہے جس سے ,پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

لاہورہائی کورٹ کی شریعت بینچ میں کافی دنوں سے سپریم کورٹ کے ایک سابق جج جناب بدیع الزمان کیکاؤس کی ایک درخواست زیرِ سماعت تھی،اس کی کاروائی کے بارے میں اخبارات میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

"لاہور۔9دسمبر(پ،پ،ا)مسٹر جسٹس ایم ایس قریشی، مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اور مسٹر جسٹس عبداللہ پر مشتمل لاہور ہائی کورٹ کی شریعت بینچ نے آج سپریم کورٹ کے ایک سابق جج مسٹر بدیع الزمان کیکاؤس کے دلائل کی سماعت جاری رکھی، جو انہوں نے شریعت بینچ کے روبرو اپنی درخواست کے سلسلے میں دیئے۔ مسٹر کیکاؤس نے تین قوانین: پارلیمنٹ کے ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں کے آرڈی ننس، عوامی نمائندگی کے قانون اور پولٹیکل پارٹیز کو چیلنج کیا گیا، جو ملک میں جمہوری ڈھانچہ کے لئے نافذ کئے گئے ہیں، درخواست گزار نے اس معاملہ میں بینچ کے دائرہ اختیار کے نکتہ پر بینچ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عدلیہ کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کئے ہیں، اور اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ موجود ہے، سپریم کورٹ فیصلہ دے چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد مقتدرِ اعلیٰ ہے، انہوں نے کہا کہ 1973ء میں لاہور ہائی کورٹ نے میری رٹ درخواست پر غور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قبول کی ہے، اور ایک بار اللہ کی حاکمیت تسلیم کرلی جائے تو تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہونے چاہئیں، یہ ہمارا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں عدم مطابقت دور کریں۔

درخواست گزار نے کہا کہ ہم خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کی بات کرتے ہیں، لیکن عملی طور پر ہمارے تمام اعمال اور قوانین اسلام کی روح کے منافی ہیں۔

ایک فاضل جج نے کہا کہ شریعت بینچ کا دائرہ اختیار اس حد تک محدود ہے کہ وہ صرف آئین کے مطابق اپنا فیصلہ دے سکتی ہے، جہاں تک درخواست گزار کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ قرآن وسنت ہی شریعت بینچ کے اختیارات کا واحد ذریعہ ہیں، درخواست گزار نے خود کہا ہے کہ پاکستان میں ابھی تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی ہے، چنانچہ شریعت بینچ قرآن وسنت کی اسی قدر پابند ہے جتنا کہ آئین کی، شریعت بینچ صرف آئین پر انحصار کرتی ہے جسے عدالتوں کے لئے مقدس دستاویز قرار دیا گیا ہے۔

اس پر درخواست گزار نے کہا ہے کہ اگر بینچ کی یہ رائے ہے تو میرے تمام دلائل بے سود ثابت ہوئے اور میں اپنے دلائل ختم کرتا ہوں"۔ (بحوالہ اسلام کا قانونِ عشر وزکوۃ، ص:263 مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ)

**اسی عدالتی فیصلے سے خود ہی شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بینچ کے اختیارات معلوم ہوتے**

ہیں، کہ شرعی عدالت اور شریعت اپیلنٹ بینچ یہاں اسلام کے کلّی طور پر تابع ہیں کہ نہیں؟ یہ کام ایک محدود دائرہ میں ہے اور یہ اسلام کی تابعداری کرتی ہے وہ اسلام کی وجہ سے نہیں، آئین کی وجہ سے اور اس کے تحت کرتی ہے، جو احکام آئین سے خارج ہوں شرعی کورٹ اور اپیلہ نٹ بینچ ان میں آئین کی تابعدار ہوتے ہیں شریعت کے نہیں، یہ ایک قانونی حیثیت ہے، کیونکہ اصل میں قانون وضع کرنا اس نظام میں پارلیمنٹ کا کام ہے، لیکن اس قانون کی تشریح اور بہ وقتِ اختلاف اس کی حدود کی تعیین عدلیہ کا کام ہے، عدلیہ نے یہاں واضح فیصلہ صادر کیا ہے جس میں شرعی عدالت اور اپیلنٹ بینچ کو محدود دائرے میں بند کیا ہے۔

اسی طرح اس لا محدود اختیارات کے مالک (شرعی عدالت) کو ایک اور پنجرہ میں بند کیا گیا ہے کہ اس میں ذیلی قوانین کے خلاف تو اپیل کی جاسکتی ہے کہ فلان قانون شریعت کے خلاف ہے، لیکن مقدّس دستاویز (آئین) کے کسی دفعہ کے خلاف اپیل نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرسکتی ہے۔ آیئے! ایک بار پھر آئین میں اس شرعی عدالت اور بینچ کے اختیارات کی حدبندی کو دیکھیں، انسانوں کے بعض وضع کردہ قوانین کے مقابلے میں خود قانونِ الٰہی کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ وہ (وضعی قوانین) اس کی حدبندی سے باہر ہیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

1) آئینِ پاکستان۔
2) مسلّم عائلی قوانین۔
3) عدالتی طریقہ کار۔
4) مالیاتی قوانین (جس میں سود، لاٹری اور پرائز بانڈ سب حلال جائز ہیں)
5) ٹیکس اور فیس کے قوانین۔
6) بینکاری، بیمہ اور انشورنس کا مکمل طریقہ کار۔

چنانچہ دستور کی دفعہ 203 (ج) میں ہے:

"قانون" میں کوئی رسم ورواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو، مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قوانین[1]، کسی عدالت یا ٹربیونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون[2] یا، اس بات کے

آغاز نفاذ سے [دس] سال کی مدت گزرنے تک، کوئی مالی قانون محصولات[3] یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے[4] یا بنکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون[5] شامل نہیں ہے۔

خط کشیدہ الفاظ بار بار دیکھے جائیں، یہ میرے الفاظ نہیں بلکہ مقدّس دستاویز (آئینِ پاکستان) کے الفاظ ہیں، آئین کی عبارت نے شرعی عدالت کو مضبوط زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ قارئینِ کرام خود ہی اندازہ لگائیں کہ لاہور ہائی کورٹ کے ججز کا یہ فیصلہ کہ "شرعی عدالت اور شریعت بینچ بھی آئین کی جانب سے عطا کردہ اختیارات کے اندر رہتے ہوئے کام کرے گی"۔ یعنی اگر شرعی عدالت کسی قانون کے متعلق یہ کہے کہ یہ غیر شرعی ہے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرے، تو اگر یہ فیصلہ اُن پانچ اُمور میں سے نہیں جو دفعہ 203(c) میں مذکور ہیں تب تو فیصلہ مانا جائے گا، اور اگر مذکورہ امور میں سے ہو تو کالعدم ہوگا، کیونکہ اس قسم کا فیصلہ شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

محترم قارئین حضرات! ان عبارات کو دیکھنے کے بعد ایک عام مسلمان بھی آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتا کہ شرعی عدالت کو تشکیل دینے سے یہ ملک کتنا اسلامی بنے گا؟ آیا کوئی مسلمان یہ چاہے گا کہ وہ کسی غیر شرعی قانون کے بارے میں شرعی عدالت جائے کہ اسے شریعتِ الٰہی کے مطابق بنادیں (یا کم از کم آپ کے پاس اس قسم کے معاملات آئیں تو شریعت کے مطابق فیصلہ دیں) تو وہاں سے اُسے جواب ملے کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ہمارے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ بلکہ شرعی عدالت کو تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ قرآن وسنت کا اس قدر پابند اور تابعدار ہے جتنا کہ آئین کا۔ کیا یہ آئین اور شریعت کے ما بین مساوات نہیں؟ (اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے اس میں آئین کی بالا دستی ہے قرآن وسنت پر، کیونکہ جج فیصلہ کرتے وقت آئین کی پاسداری کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ سناتا ہے) ایک بار آپ بھی شرعی عدالت کو آزمائیں، اگر جواب وہی ملے جو میں نے آپ کو بتایا تو پھر آئندہ کا لائحہ عمل میں تمہیں بتاتا ہوں اس پر عمل کرنا۔ لہٰذا اس آئین کے تحت رہتے ہوئے ان عدالتوں سے یہ توقع رکھنا کہ غیر اسلامی (کفری) قوانین کی قانونی حیثیت ختم کر دیں گی، یہ ایک لاحاصل کوشش کے سواہ کچھ نہیں۔

لہٰذا ان اداروں اور بنچز وغیرہ کو فعال کرنے سے اسلامی تبدیلی آنا صرف خوشنما نعرہ ہی ہے، تاکہ یوں لوگوں کو دھوکے میں رکھ کر گمراہ کیا جاسکے۔ یہ میرے توہّمات نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت

ہے، پاکستان بنے ستر سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے مگر قانونی اعتبار سے حالات آئے دن بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔

5- دستور کے کسی حصہ پر عمل کرنے میں کسی کوتاہی کی بناپر ملک کی اسلامی حیثیت اور اسلامی اساس کا انکار کسی صورت درست نہیں۔ لہذا اس کی بناپر ملک یا اس کی حکومت، فوج یا دوسری سیکیورٹی ایجنسیوں کے اہلکاروں کو غیر مسلم قرار دینے اور ان کے خلاف مسلح کارروائی کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے اور ایسا عمل اسلامی تعلیمات کی رو سے بغاوت کا سنگین جرم قرار پاتا ہے۔ نفاذ شریعت کے نام پر طاقت کا استعمال، ریاست کے خلاف مسلح محاذ آرائی، تخریب و فساد اور دہشت گردی کی تمام صورتیں، جن کا ہمارے ملک کو سامنا ہے، قطعی حرام ہیں، شریعت کی رو سے ممنوع ہیں اور بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ ریاست، ملک و قوم اور وطن کو کمزور کرنے کا سبب بن رہی ہیں اور ان کا تمام تر فائدہ اسلام دشمن اور ملک دشمن قوتوں کو پہنچ رہا ہے۔ لہذا ریاست نے ان کے کچلنے کے لئے "ضرب عضب" اور "ردالفساد" کے نام پر جو آپریشن شروع کر رکھے ہیں اور قومی اتفاق رائے سے جو لائحہ عمل تشکیل دیا ہے، ان کی مکمل حمایت کی جاتی ہے۔

**تجزیہ:**

اسی کو تعصّب کہا جاتا ہے اور یہی بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ تعصب اس بنیاد پر کہا کہ یہاں کہا جاتا ہے کہ "دستور کے کسی حصہ پر عمل کرنے میں کسی کوتاہی کی بناپر ملک کی اسلامی حیثیت اور اسلامی اساس کا انکار کسی صورت درست نہیں"، اور پھر اس پر بہت بڑی تفریع اپنی طرف سے یہ کر دی: چونکہ طالبان کا پاکستان کے خلاف لڑنا اسی دلیل کی وجہ سے ہے، اور جب دلیل باطل ہے تو ان کا لڑنا بھی باطل ہوا۔ یہ تو آسان بات ہے فریقِ مخالف کی دلیل کو نظر انداز کرتے ہوئے خود ہی صُغریٰ و کُبریٰ بنا کر اس پر نتیجہ مرتّب کیا جائے، مگر فریقِ مخالف کی حقیقی دلائل کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان کو غلط

و باطل ثابت کرنا مشکل کام ہے۔ یہ ایک مسلّم اُصول ہے کہ اختلاف کے وقت فَریقین کے دلائل کا موازنہ ضروری ہے، تب جا کر فیصلہ کرنا انصاف کے تقاضوں کے موافق ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہاں توفریقِ ثانی کی بات سُننا گوارہ ہی نہیں، آج تک ان فتویٰ سازوں نے یہ نہیں سوچا کہ طالبان پاکستان میں اپنے جہاد و قتال کے کیا اسباب بیان کرتے ہیں؟ بھائی صاحب! ہمارے جہاد کی بنا سرے سے اس بات پر ہے ہی نہیں کہ پاکستان میں آئین کے فلاں مادے پر عمل درآمد نہیں،

بلکہ ہم پاکستان کے موجودہ آئین کو اسلامی نہیں سمجھتے اور اسے اسلامی نہ کہنے کے اسباب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

اولاً، آئین کے بنانے کا جو طریقہ کار ہے، یا اس میں ترمیم کا جو طریقہ کار ہے، وہ بالکل اسلامی اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ آئین میں اگر کوئی حکمِ شرعی شامل کیا گیا ہے یا آیندہ شامل کیا جائے گا وہ اس اساس پر نہیں کہ یہ اسلام کا ایک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة حکم ہے، بلکہ یہ اس لیے قانون کا حصہ ہے کہ یہ قانون سازی کے پروسیجر سے گزر کر بنا ہے یا بنے گا۔ (اور وہ قانونی پروسیجر آئین کی دفعہ 70 تا 77 میں موجود ہے) مثلاً وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالة حکم اولاً اسمبلی کے ارکان کے سامنے پیش کیا جائے گا، اگر وہ بنیادی حقوق کے خلاف نہ ہو، تو بھی ایوان کو کلّی طور پر اختیار حاصل ہے کہ اسے مسترد کرے یا بلاترمیم یا مع الترمیم منظور کرے۔ بات یہاں جا کر ختم نہیں ہوتی، بلکہ اسے ایک اور ایوان (سینٹ) کے پاس بھیجا جاتا ہے، اس کے ارکان (سینیٹرز) بھی اسے فیل یا پاس کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ بالفرض وہ اسے منظور کر لیتے ہیں تو ایک اور مرحلے سے اسے گزرنا باقی ہے، اور وہ مرحلہ صدرِ پاکستان کے توثیقی دستخط کا ہے۔ اگر (بالفرض) وہ اس پر دستخط کرے تب یہ قانون کا حصہ بنے گا، مگر رد کرنے (دستخط نہ کرنے) کا اختیار صدر کو بھی حاصل ہے۔

قارئینِ کرام! آپ ذرا دل کو فیصلہ کرنے دیں کہ مذکورہ طریقے سے کسی حکمِ شرعی کو قانونی حیثیت دلانا آیا اسلامی طریقہ ہے؟ آیا یہ اسلامی احکامات اور اسلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا تو نہیں؟ آیا ایسا حکم (چاہے اسلام کی طرف منسوب کیوں نہ ہو) جو مذکورہ بالا طریقے سے وضعی قوانین کی شکل حاصل کرے وہ اسلامی قانون بن سکتا ہے؟

ہمارا تو ایمان ہے کہ کسی حکم کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اسلامی حکم ہے پھر نہ اسے منظور کرنے کی ضرورت ہے اور نہ وہ پاس کرنے کا محتاج، وہ ہر حال میں قانون کا حصہ ہے۔ لہٰذا موجود شکل اور طریقہ کار کے ہوتے ہوئے یہ آئین اسلامی نہیں بن سکتا، (جس پر ہم نے پہلے حوالہ جات پیش کئے تھے، من شاء فليراجع إليها)

فکر کی بات ہے کہ ایک شخص پاکستان کی فوج میں اس شرط کے ساتھ بھرتی ہونا چاہتا ہے کہ افسر بالا کے آرڈر کے بارے میں سوچوں گا، اگر من نے چاہا تو بجالاؤں گا ورنہ نہیں۔ آیا پاکستان کی آرمی ایسے شخص کو فوج میں بھرتی کرلے گی؟ یا ایک اور مثال سے مذکورہ بالا بات کو سمجھئے: کچھ فوجی ایسے ہیں جو کہتے ہیں: ہم نے افسرانِ بالا کے احکامات کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، اگر وہ ان احکامات کو حکم کا درجہ دیں تو ہم انہیں حکم کی نگاہ سے دیکھیں گے اور عمل کریں گے، ورنہ نہیں۔ آیا پاکستان کی آرمی ایسے لوگوں کو فوج میں رہنے دے گی؟ انہیں کورٹ مارشل نہیں کرے گی؟

یہاں دو باتیں ہیں: ایک نافرمانی (یعنی حکم کو بجا نہ لانا) اور دوسری بات حکم ماننے کے لیے مذکورہ شرط لگانا۔ فوج میں بہت سے سپاہی ایسے ہوں گے جو افسرانِ بالا کے آرڈرز سے منہ چراتے ہوں گے اور انہیں حکم بجاآوری نہ کرنے پر سزا بھی ملتی ہوگی، مگر ایسے سپاہی ہرگز نہیں ہوں گے جو یہ کہیں: مرضی ہوئی تو آرڈر مانوں گا، ورنہ نہیں۔ مذکورہ مثال سے ہمارے موضوع میں معاملہ ایک قدم اور آگے ہے، کیونکہ مثال میں دو باتیں ہیں ایک عملی نافرمانی، اور دوسری عمل کرنے کے لیے شرط۔ جبکہ ہمارے موضوع میں بات آگے بڑھ گئی ہے، کیونکہ اس میں تو حکم شرعی کو اس وقت تک قانون کی حیثیت حاصل ہی نہیں جب تک کہ وہ قانونی پروسیجر سے نہ گزرے، اس پروسیجر سے گزرنے کے بعد عملی کوتاہی اور شرط کی بات آئے گی۔

لہٰذا پیغامِ پاکستان میں ہماری جنگ کا بنیادی نکتہ ترک کرکے ایک سرسری بیانیہ بنا کر عوام الناس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ بنیادی نکتہ اسلامی قانون کی قانونیت مذکورہ قانونی پروسیجر سے گزرنے کی شرط کے ساتھ موقوف کرنا ہے۔ ہماری جنگ عملی کوتاہی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ہماری جنگ اس بنیاد پر ہے کہ پاکستان میں شریعت کو قانونی حیثیت نہیں، اور قانونی حیثیت ملنا ایسی شرائط کے ساتھ

مشروط ہے جو غیر شرعی ہیں۔ لہٰذا اگر موجودہ آئین کو عملی جامہ پہنایا بھی جائے تب بھی ہماری جنگ جاری رہے گی، کیونکہ ہماری لڑائی کا بنیادی نکتہ عملی کوتاہی نہیں۔ کاش کہ ہماری بات سننے اور سمجھنے کی کوشش کی جاتی!

**ثانیاً،** یہ آئین اس لیے اسلامی نہیں کہ یہ اسلام کی طرف منسوب دفعات کے متعلق متضاد دفعات پر مشتمل ہے، چنانچہ ایک طرف یہ آئین حاکمیتِ اعلیٰ کا اعلان اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو دوسری جانب اسی حاکمِ اعلیٰ کے حکم کو قانون کا درجہ دینے کے لیے قانونی پروسیجر سے گزرنا لازمی قرار دیتا ہے، جب تک اس سرکل سے نہ گزرے حاکمِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کا حکم قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم (مثلاً سود کی حرمت) کے متعلق پارلیمنٹ جا کر قرآن کریم کی آیت ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ پڑھ کر یہ کہے کہ سود کے متعلق حاکمِ اعلیٰ کا فرمان حرمت کا ہے، اس لیے آج کے بعد قانونی طور پر پاکستان میں سود تمام اداروں (بشمول بینک) میں بند ہوگا، اور ارکانِ ایوان بھی اسے حاکمِ اعلیٰ کا فرمان سمجھتے ہوئے سرِ تسلیم خم کریں۔

اسی طرح اگر ایک طرف یہ آئین کہتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا تو دوسری طرف یہی آئین کہتا ہے کہ جو قانون بنیادی حقوق (جن میں سے اکثر حقوق اسلامی احکامات کے ساتھ متصادم ہیں) کے خلاف ہو وہ کالعدم شمار ہوگا۔ آئین میں ہے:

> 8- (1) کوئی قانون، یا رسم یا رواج جو قانون کا حکم رکھتا ہو، تناقض کی اس حد تک کالعدم ہوگا جس حد تک وہ اس باب میں عطا کردہ حقوق کا نقیض ہو۔
>
> (2) مملکت کوئی ایسا قانون وضع نہیں کرے گی جو بایں طور عطا کردہ حقوق کو سلب یا کم کرے اور ہر وہ قانون جو اس شق کی خلاف ورزی میں وضع کیا جائے اس خلاف ورزی کی حد تک کالعدم ہوگا۔

یہاں ایک اہم بات جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ بنیادی حقوق سے مراد وہ حقوق نہیں جو اسلام کی طرف سے عطا کردہ ہیں، بلکہ وہ حقوق ہیں جو اقوامِ متحدہ کے چارٹر کا حصہ ہیں، مثلاً جنسی مساوات

(یعنی مرد و عورت تمام معا ملات میں برا،بر ہیں) مسلمان اور کافر کے درمیان مساوات، ہر کسی کو اجتماعات کی آزادی (یعنی تمام کفار کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ کھلے عام مسلمانوں کو اپنے باطل دین کی طرف دعوت دیں، اور خدانخواستہ کوئی مسلمان اسے قبول کرتے ہوئے مرتد ہو جائے تو اسے اس کی آزادی حاصل ہے، کوئی مسلمان یا اسلامی ریاست اُسے حدِارتداد میں قتل نہیں کر سکتی) اسی طرح اسلام میں ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا ہے، مگر یہ جزیہ پاکستان میں نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ جزیہ لینے کی صورت میں بنیادی حقوق کی پامالی ہے، اور یہ ان کے بقول مذہبی ٹیکس ہے جو قانوناً بند ہے۔ اس کے متعلق ہم نے حوالہ جات پہلے پیش کئے تھے، البتہ یہاں آئینِ پاکستان کے بنیادی حقوق کے باب سے ایک حوالہ پیشِ خدمت ہے:

21- کسی شخص کو کوئی ایسا خاص محصول ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کی آمدنی اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ و ترویج پر صرف کی جائے۔

**یہاں دو باتیں ہیں:**

آیا مذہب کے نام پر محصول (ٹیکس وجزیہ) وصول کرنا اسلامی حکم نہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح حکم قرآن کریم میں ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة: 29)

**ترجمہ:** ان لوگوں سے لڑو جو ایمان اللہ پر اور آخرت کے دن پر نہیں لاتے، اور اس کو حرام نہیں جانتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچے دین کو قبول نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کفار سے جزیہ لینا حکم خداوندی ہے اور قتال فی سبیل اللہ کی غایات میں سے ایک غایہ ہے۔ اب جب کہ یہ اللہ کا حکم ٹھہرا تو قانونی لحاظ سے اسے اس طور پر ساقط اور ختم کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمَعْلُومٌ أَنَّ مَنْ أَسْقَطَ الْأَمْرَ وَالنَّهْيَ الَّذِي بَعَثَ اللهُ بِهِ رُسُلَهُ فَهُوَ كَافِرٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى.

اور یہ بات (شریعت سے یقینی طور پر) معلوم ہے کہ جو شخص وہ امر و نہی ساقط کرے جس پر اللہ نے رسولوں کی بعثت کی ہے تو وہ شخص اتفاقی کا فر ہے، ایسے شخص کا کفر صرف مسلمانوں کے یہاں نہیں بلکہ یہود و نصاری بھی اس کے کفر پر متفق ہیں۔ (مجموع الفتاوی، ج: 8، ص: 106)

لہٰذا یہ آئین اگر ایک طرف بعض اسلامی دفعات پر مشتمل ہے تو دوسری جانب اس کے نقیض (کفری دفعات) پر بھی مشتمل ہے، اس لیے کسی صورت ایسے آئین کو اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔

## ایک شبہہ اور اس کا جواب

**شبہہ:**

اگر کسی شخص کو یہ شبہہ ہو کہ آئینِ پاکستان بنیادی طور پر اسلامی دفعات پر مشتمل ہے، اگر بعض غیر اسلامی دفعات اس میں آ جائے تو آئین ایک فاسق اور گنہگار آئین ٹھہرے گا، اسے کفری آئین کہنا درست نہ ہوگا۔

**جواب:**

**اس میں تین باتیں ہیں:**

**پہلی بات:** جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جو دفعات "اسلامی دفعات" کے نام سے آئین میں شامل ہیں وہ اسلامی اساس پر شامل نہیں، بلکہ وہ کسی اور اساس پر شامل ہیں، لہٰذا اس وجہ سے انہیں اسلامی دفعات نہیں کہا جا سکتا، اس لیے یہ کہنا کہ "آئینِ پاکستان بنیادی طور پر اسلامی دفعات پر مشتمل ہے" درست نہیں۔

**دوسری بات:** ایک شخص (مرد ہو یا عورت) جو خود کو مسلمان کہے، اگر اس کے عمل میں کوئی مخالفِ شرع بات پائی جائے تو دیکھا جائے وہ عمل اَماراتِ کفر میں سے ہے یا نہیں؟ اگر وہ عمل اَماراتِ کفر میں سے ہو (جیسے بُت کے سامنے سجدہ کرنا) تو ایسا عمل بہر صورت کفر ہے، اگرچہ وہ کلمہ پڑھے اور قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھے۔

**تیسری بات:** اگر وہ عمل اَمارات کفر میں سے نہ ہو، تو اگر یہ معاملہ کسی شخص کا ہے تو وہ شخص تو مسلمان سمجھا جائے گا، البتہ آئین کا معاملہ قدرے مختلف ہے، چونکہ کسی آئین میں خلافِ شرع اُمور کے پائے جانے کا مطلب یہ نہیں کہ اُس آئین سے خلافِ شرع اُمور سرزد ہوئے، بلکہ آئین میں خلافِ شرع دفعات بمنزلہ مُعتَقدات کے ہیں، کیونکہ آئین میں دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے، جس کی خلاف ورزی نہ خود آئین کر سکتا ہے اور نہ اُس آئین کے ماننے والے کر سکتے ہیں، اس لیے لازماً اُن خلافِ شرع اُمور (جو فی الوقت آئینی دفعات کی شکل میں ہیں) کا ارتکاب کرنا ہوگا، ورنہ پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آئیں گے اور اُن دفعات کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کر دیں گے، لہٰذا خلافِ شرع اُمور کو قانونی حیثیت دینا کفر ہے، جس کی گنجائش اسلام میں بالکل نہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے، ایک شخص ہے جس سے نفس امارۃ بالسوء کی وجہ سے زنا کا ارتکاب ہو جاتا ہے، مگر ایک ملک یا ایک شہر میں یہ قانون ہو کہ جو بھی شخص یہاں رہے گا وہ قانونی طور پر اس بات کا پابند ہے کہ وہ (مثلاً) ایک ماہ میں زنا ضرور کرے گا، یا جو بھی شخص اس ملک یا شہر میں رہتے ہوئے زنا کرے تو اس نے چونکہ کوئی قانونی خلاف ورزی کی نہیں اس لیے اسے کسی قسم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ ان دونوں مثالوں کے حکم میں بہت بڑا فرق ہے، اس شخص سے ارتکابِ زنا بدون قانون بنائے ہوئے ایک گناہ ہے، لیکن کسی ملک یا شہر میں اجازتِ زنا یا التزامِ زنا قانونی شکل میں ہے اس لیے یہ کفر کہلائے گا، فسق کے درجے میں نہیں آئے گا، کیونکہ آئین (کتابِ قانون) خود عامل نہیں کہ عمل کی وجہ سے گنہگار بنے۔ یعنی فسق وصلاح عمل کے صفات ہیں اور فاسق وصالح ہونا عامل کی صفت ہے لہٰذا اگر شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو فاسق کہلائے گا لیکن اگر کوئی قانون یا آئین اس گناہ کو قانونی جواز فراہم کرتا ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آئین فاسق اور گناہگار ہے کیونکہ آئین کوئی عمل نہیں کرتا کہ اس کے عمل پر فسق کا اطلاق ہو بلکہ آئین جائز کرنے اور ناجائز کرنے کی کتاب ہے پس اگر اللہ کے ناجائز کو جائز کردے یا اللہ تعالیٰ کے جائز کردہ چیز یا فعل کو ناجائز کردے تو یہ کفر کہلائے گا۔

**خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ** آئین میں متضاد دفعات کی موجودگی کی وجہ سے آئین اسلامی نہیں، اس لیے ہمارا کہنا ہے کہ ہماری جنگ آئین کے ساتھ ہے، آئین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے نہیں۔

ہم مکرر یہ بات کرتے ہیں کہ ہماری جنگ عملی کوتاہی کی بنا پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ملک میں غیر اسلامی (کفری) قوانین کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اسلامی قوانین پر عمل نہیں، بلکہ اس کے ضد (کفری) قوانین کو باقاعدہ قانون کہا گیا ہے اور ان پر عمل قانونی حیثیت سے کی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے جس کے متعلق پاکستان کے قانون کے مطابق تین سال قید کا فیصلہ ہوا۔ اب کوئی شخص اس فیصلے کو کسی عدالت میں اس طور پر چیلنج نہیں کر سکتا کہ یہ سزا غیر قانونی سزا ہے، کیونکہ یہی چوری کے بارے میں پاکستانی قانون ہے، اور اسی کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا ہماری جنگ غیر اسلامی قوانین کو قانون کا درجہ دینے کی وجہ سے ہے۔

رہی یہ بات کہ آئینِ پاکستان میں اللہ رب العزت کے لیے حاکمیتِ اعلیٰ ثابت کی گئی ہے، اس لیے یہ آئین اسلامی ہے، اس بارے میں ہماری طرف سے عرض یہ ہے کہ یہ فقط الفاظ کی حد تک ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے خلافِ شرع دفعات اس آئین میں جا بجا موجود ہیں، اگر واقعتاً اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ پاکستانی آئین میں موجود ہوتی تو اس آئین میں خلافِ شرع دفعات کا وجود نہ ہوتا۔

اگر ایک اسلامی دفعہ کی موجودگی اس کی اسلامیت کی دلیل ہے تو بہت ساری کفری دفعات اس کے کفری آئین ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آئینِ پاکستان کو صرف اس لیے اسلامی کہتے ہیں کہ اس میں بعض اسلامی دفعات موجود ہیں۔ تو ہم انہی لوگوں کی دلیل کو اپناتے ہوئے اس آئین کو کفری آئین کہتے ہیں، کیونکہ اس میں بہت ساری کفری دفعات موجود ہیں۔ اگر ان لوگوں کو ہماری دلیل منظور نہیں تو ہم اُن کی دلیل کس بنیاد پر مانیں؟ یا بالفاظِ دیگر اگر ایک آئین کفری دفعات کی موجودگی کی وجہ سے کفری نہیں، تو اسلامی دفعات کی موجودگی کیونکر اس کی اسلامیت کی دلیل بن سکتی؟

دوسرا نکتہ "متفقہ اعلامیہ" کے پانچویں دفعہ میں یہ ہے کہ "شریعت کے نفاذ کے لیے طاقت کا استعمال قطعی حرام اور ممنوع ہے"۔

حالانکہ جنگ شریعت ہی کے نفاذ کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ ہم نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ ان کا فتویٰ ہے کہ ظالم کے خلاف جنگ لڑی جائے۔ یعنی ایک ظالم کے ظلم کو ختم

کرنے کے لیے امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں جہاد کرنے کا حکم ہے، تو جس ملک میں اللہ تعالیٰ کی شریعت (قانون) کے متبادل کے طور پر وضعی قوانین کو قانونیت کا درجہ دے کر نافذ کیے گئے ہوں اُن کو ختم کرنے کے لیے جہاد بدرجہ اَولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ خالقِ کائنات کے قانون کی جگہ مخلوق کا بنایا ہوا قانون نافذ ہو؟

لہٰذا انہوں (پیغامِ پاکستان کے مرتّبین) نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو بناء قائم کیا تھا وہ تو فاسد ہوا، کیونکہ ان کے بقول پاکستان میں جاری جنگ عملی کوتاہی پر مبنی ہے، (حالانکہ اس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں، جیسا کہ ہم نے بار بار عرض کیا کہ ہماری جنگ عملی کوتاہی کی بنا پر نہیں) اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ نفاذِ شریعت کے لیے طاقت کا استعمال حرام ہے۔ حالانکہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال القاضي عياض: أجمع العلماء على أن الإمامة لا تنعقد لكافر وعلى أنه لو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع أو بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته، ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب إمام عادل إن أمكنهم ذلك.

ترجمہ: اور قاضی عیاض فرماتے ہیں: (علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر کے لیے امامت کا انعقاد نہیں ہوتا، اور اس بات پر بھی (علماء کا اجماع ہے) کہ اگر امام پر کفر طاری ہو جائے اور شرع کی تغییر کا ارتکاب ہو جائے یا بدعت کا صدور ہو تو وہ حکمِ ولایت (ذمہ داری) سے نکل جائے گا اور اس کی اطاعت (عوام) سے ساقط ہو جائے گی، اور مسلمانوں پر اس کے خلاف قیام واجب ہو جائے گا اور اسے معزول کر کے امام عادل کو مقرر کرنا واجب ہو جائے گا، اگر ان کے لیے یہ ممکن ہو۔ (شرح النووي على مسلم)

تعجب کی بات ہے کہ قاضی عیاض تو مجتہدینِ اُمت کا اجماع اس بات پر نقل کرتے ہیں جب حکمران شرعی قانون بدل دے تو اس کے خلاف خروج واجب ہے، جبکہ پاکستان کا جدّت پسند طبقہ اور اسلامی تحقیقاتی ادارہ نامعلوم کہاں سے اس بات پر اجماع کا فرمان صادر کرتے ہیں کہ شریعت کے لیے جنگ کرنا بالکل ممنوع اور حرام ہے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ابراہیم صائغ وغیرہ کو جس حکمران کے خلاف قیام کا فتویٰ جاری کیا تھا اُس نے کوئی آئین نہیں بنایا تھا اور نہ ہی تعزیرات اور سزاؤں

میں اپنی طرف سے کوئی ایسی قانون سازی کی تھی جس میں غیر اسلامی سزاؤں کو قانونی حیثیت حاصل ہو، اور نہ ہی شریعت کو کسی محدود دائرہ میں بند کیا تھا، اور نہ ہی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار کو محدود کیا تھا کہ اِن معاملات میں شرعی عدالت فیصلہ دے سکتی ہے اور اِن معاملات میں نہیں۔

لہٰذا ایک جانب اُمت کا اجماعی موقف شریعت کے لیے جہاد و قتال کا ہے، جبکہ دوسری جانب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے محققین کا انوکھا موقف، جسے انہوں نے اپنی طرف سے اجماع کا نام دے کر علماء وعامة المسلمين کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

ایک طرف قاضی عیاض ہے، جبکہ دوسری جانب قبلہ ایاز ہے۔

قاضی عیاض اُمت کے جبال العلم میں سے ہیں اور قبلہ ایاز ایک جاہل بے دین اور ملحد شخص ہے۔

علماء حضرات خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کس کی اتباع کی جائے؟ ایک ثقہ، متدیّن محقق کی؟ یا اسلام کو ماڈرن اور ڈیموکریٹ شکل میں پیش کرنے والے ملحد برائے نام محقق کی؟

متفقہ اعلامیہ کے پانچویں مادے کا تیسرا اہم نکتہ وہ ہے جو انہوں نے اپنے بنائے ہوئے تمام فاسد مقدمات پر مبنی کیا ہے کہ ہم "ضرب عضب" اور "رد الفساد" کے نام سے دہشت گردوں کے خلاف جاری آپریشنز کی تائید وحمایت کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ہماری جنگ ملک میں اسلامی احکامات کے نفاذ میں عملی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ہماری جنگ کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کا آئین غیر اسلامی ہے اور غیر اسلامی احکامات کو قانونی حیثیت حاصل ہے، اسی اساس پر ہماری جنگ جاری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان نے افغان طالبان کے خلاف جنگ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فرنٹ لائن اتحادی بن کر عالمِ کفر کا ساتھ دیا، اور اسی وجہ سے حکومتِ پاکستان نے 2001ء سے لیکر اب تک مسلسل مجاہدینِ پاکستان کے خلاف مختلف ناموں سے آپریشنوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

ایسی بات ہرگز نہیں ہم نے معمولی ظلم یا فسقِ عملی کی وجہ سے یہ جنگ شروع کی ہے۔ اگر بالفرض ان کی بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ جنگ بعض ظلم کی وجہ سے شروع کی گئی ہے، تب بھی یہ دیکھنا

چاہیئے کہ فقہائے اُمت نے ایسے حالات کے بارے میں کیافرمایا ہے؟

خاتمة المحققين علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بيانه أن المسلمين إذا اجتمعوا على إمام وصاروا آمنين به فخرج عليه طائفة من المؤمنين، فإن فعلوا ذلك لظلم ظلمهم به فهم ليسوا من أهل البغي، وعليه أن يترك الظلم وينصفهم. ولا ينبغي للناس أن يعينوا الإمام عليهم؛ لأن فيه إعانة على الظلم، ولا أن يعينوا تلك الطائفة على الإمام أيضا؛ لأن فيه إعانة على خروجهم على الإمام. (رد المحتار ج۴ ص۲۶۱)

ترجمہ: بیان اس کا یہ ہے کہ جب مسلمان ایک امام (حکمران) پر متفق ہو جائیں اور اس کے ساتھ وہ حالتِ امن میں ہوں، اور مؤمنین کی ایک جماعت اس کے خلاف خروج کرے، اگر یہ خروج انہوں نے حکمران کے ظلم کی وجہ سے کیا ہے تو اُن پر باغیوں کا حکم نہیں لگایا جائے گا، بلکہ حکمران پر لازم ہے کہ وہ اپنا ظلم چھوڑ کر ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرے۔ اور ایسی حالت میں (عام) لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان خروج کرنے والوں کے خلاف اس حکمران کی اعانت کریں، کیونکہ اس صورت میں یہ ظلم کرنے میں ظالم کے ساتھ مدد ہوگی۔ اور نہ ہی ان خارجین کی اعانت کریں، کیونکہ اس صورت میں یہ (ایسے) امام کے خلاف خروج کرنے والوں کی اعانت ہوگی (جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اس کی وجہ سے مسلمان امن وامان کی زندگی گزار رہے ہیں)۔

لہٰذا ظلم کی صورت میں مظلومین کے لیے ظالم حکمران کے خلاف خروج جائز ہے، مگر در حقیقت یہ صورت یہاں نہیں، کیونکہ حکومتِ پاکستان نے اسلام اور مجاہدینِ اسلام (جو اُس وقت عالمی کفری صلیبی اتحاد کے خلاف برسرپیکار تھے) کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے، کیونکہ حکومتِ پاکستان کا اُن مجاہدین کے خلاف جنگ شروع کرنا کفری اتحاد کا حصہ ہونے اور ان کے کہنے کی بنا پر ہے۔ یہاں یہ بات بھی قارئین کے سامنے رہے کہ جنگ میں پہل حکومتِ پاکستان کی طرف سے ہے، اولاً مجاہدین نے اپنی دفاع میں جہاد کا آغاز کیا۔ (فی الحال اس موضوع پر بحث کرنا مقصود نہیں)

بہر حال! اگر بالفرض مجاہدینِ پاکستان نے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے حکمرانوں کے خلاف جنگ شروع کی ہو تب بھی وہ حضرات جنہوں نے "پیغامِ پاکستان" پر دستخط کیئے ہیں ان کے لیے لازم تھا کہ وہ اِن ظالم حکمرانوں کی تائید وحمایت سے کنارہ کش ہو کر غیر جانب داری کا ثبوت دیتے،

کیونکہ حکومتِ پاکستان نے مذکورہ (ضرب عضب، رد الفساد، راہِ نجات، میزان وغیرہ) آپریشنز کو امریکی ایماء پر طالبان یا مجاہدین یا غیر ملکیوں (ازبک وعرب مجاہدین) کے نام پر قبائل کے خلاف شروع کیا ہے، (جو بھی نام دیا جائے، چاہے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کیوں نہ ہو) آیا ان دستخط کنندگان حضرات کے یہاں یہ ظلم ہے کہ نہیں؟

کیونکہ کفار کے مفادات کی خاطر کفار کی مدد سے اسلامی نظام کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے جو آپریشن ہو وہ اگر ان حضرات کے یہاں کفر نہ ہو تو کم از کم ظلم تو ضرور ہوگا۔

اگر یہ حضرات حکومتِ پاکستان کی طرف سے جاری ظالمانہ آپریشن کو ظلم نہ کہیں تب تو دوسری بات ہے، ورنہ سلیم الفطرت انسان کے سامنے جب یہ حقائق ہوں کہ حکومتِ پاکستان نے سب سے پہلے 2001ء میں اس جنگ کی ابتداء (المیزان آپریشن کا نام دے کر) کی، حالانکہ اس وقت تک طالبان نے پاکستان میں ایک کارروائی بھی نہیں کی تھی۔ (جبکہ پاکستان نے طالبان کے خلاف شمسی ائر بیس اور جیکب آباد ائر بیس امریکا کے حوالہ کرکے طالبان کے لیے حملوں کا جواز پیدا کر دیا تھا، مگر اس کے باوجود طالبان کی طرف سے ایک حملہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا) لہٰذا اب بھی کوئی شخص حکومت کے رویہ کو درست گردانتے ہوئے ان کے عمل کے ردِّ عمل میں طالبان کی کارروائیوں کو غلط کہیں تو ایسے شخص سے ہمیں کوئی گلہ نہیں، کیونکہ ایسی صورت حال میں یہ بات یقینی ہے کہ ایسے شخص نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا ہے اس سے اس کو ہٹانا ہمارے بس میں نہیں۔ (فإلى الله المشتكى)

**خلاصۂ کلام:**

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً ہماری جنگ عملی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، بلکہ کفری قوانین کے خاتمے کے لیے ہے، دوسری وجہ: ہماری جنگ ,پاکستانی فوج کا کفار کی صف مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہونے کی وجہ سے ہے، تیسری وجہ: ہماری جنگ نفاذِ شریعت کے لیے ہے۔

اور ان تینوں وجوہات کی بناپر ہماری جنگ بغاوت اور خروج نہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں بھی اور فقہائے اُمت کے اقوال کی روشنی میں بھی۔ اور اگر بالفرض والتقدیر ہماری جنگ کی چوتھی وجہ وہ مظالم ہوں جو حکمرانوں نے قبائل پر ڈھائے ہیں تب بھی مظلومین کے خلاف ظالمین کی مدد کا

جواز شرعاً نہیں بنتا۔ (كما ذكرناه آنفًا)

**6- ''دہشت گردی کے خلاف جنگ میں علماء اور مشائخ سمیت زندگی کے تمام شعبوں کے طبقات ریاست اور مسلح افواج کے ساتھ کھڑے ہیں اور پوری قوم قومی بقاء کی اس جنگ میں افواج پاکستان اور پاکستان کے دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ مکمل اور غیر مشروط تعاون کا اعلان کرتی ہے''۔**

الحمد للہ! آج اس جنگ کی حقیقت سے قوم باخبر ہے، اور اس سے بھی باخبر ہے کہ قوم کس قدر اس ظالم فوج کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس قوم میں سے تقریباً آدھے سندھی، مکمل بلوچ، اور پشتون قوم مکمل طور پر ان کے ظلم وستم کا نشانہ بن چکی ہے، اور اس کے باوجود ان اقوام سے یہ توقع رکھنا کہ یہ فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ مگر (بحمد اللہ) آج ان کھوکھلے نعروں سے ہر کوئی باخبر ہے، کیا وہ قوم اس ذلیل اور کمینی فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہو سکتی ہے جس کے ہزاروں فرزندان ان کے ہاتھوں لاپتہ ہوں؟ آیا جس فوج کے ہاتھوں آئے دن جنہیں اپنے بھائیوں کی مسخ شدہ لاشیں مل رہی ہوں وہ اس فوج کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں؟ ہم تو سمجھتے ہیں ہرگز نہیں، کیونکہ ہم روزانہ میڈیا میں دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ہزاروں ماں باپ آنسو بہاتے ہوئے کبھی اسلام آباد میں اور کبھی پاکستان کے دیگر شہروں میں دھرنوں، مظاہروں اور بھوک ہڑتال کی صورت میں اس ظالم فوج سے اپنے شوہر، باپ، بیٹے اور بھائی مانگ رہے ہیں، اس کے باوجود ان کے بارے میں یہ کہنا کہ "پوری قوم افواجِ پاکستان اور پاکستان کے دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ مکمل اور غیر مشروط تعاون کا اعلان کرتی ہے" احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان جملوں کی حیثیت شیخ چلّی کے خیالی تصورات سے بڑھ کر نہیں۔ جب بھی اس قوم کو اس ظالم فوج سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئی گی تو پوری دنیا اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھی گی کہ پاکستانی قوم کے ہاتھوں میں بندوقیں ہوں گی جس کے نشانہ پر اسی ناپاک فوج کی کھوپڑیاں ہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

الحمد للہ! لوگوں کی زبانیں کھل رہی ہیں، وہ خوف کی فضا جو اس ظالم فوج اور خفیہ اداروں کے

ظلم کی وجہ سے قائم تھی اس کا دم ٹوٹتا جارہا ہے، لوگ دن ڈھاڑے فوج پر آوازیں اور پھبتیاں کستے ہیں، ملک میں موجود بے امنی کا ذمہ دار اسی فوج کو گردانا جارہا ہے، بازاروں میں، محلوں اور بیٹھکوں میں بیٹھ کر لوگ یہی باتیں کرتے ہیں کہ ناپاک فوج اور خفیہ اداروں نے ظلم کی انتہاء کر دی، اللہ انہیں نیست و نابود کردے، انہوں نے تو ہمارے گھروں کے دروازے، چھتوں کے گارڈر، ٹائرن اور شاہتیر تک بیچ ڈالے۔

یہ راگ الاپنا کہ "پوری قوم افواجِ پاکستان اور پاکستان کے دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ مکمل اور غیر مشروط تعاون کا اعلان کرتی ہے" محض چند ایسے افراد کے حقیقت سے عاری جملے ہیں جو باہر کے حالات سے ناخبر یا باہر کے حالات سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، ان کو ماما قدیر کے ساتھ ہزاروں مائیں اور بہنیں نظر نہیں آتیں جو ہاتھوں میں بینر اور اپنے گم شدہ افراد کی تصویریں لے کر فوج کو موردِ الزام ٹھہراتی ہیں، ان کو منظور پشتون کے ساتھ ہزاروں افراد نظر نہیں آتے جو ہر جگہ اسی فوج کی مدح سرائی میں مصروف ہوتے ہیں، ان کو وہ لوگ نظر نہیں آتے جو فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے خلاف کارروائیوں میں مجاہدین اور دیگر مزاحمت کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

قارئینِ کرام! حقیقت سے آنکھیں چرانا عقل مند شخص کی نشانی نہیں، جو لوگ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اُن پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ اتنی اچانک ہوتی ہے جس کا سدِّ باب پھر ناممکن ہوتا ہے اور جس تباہی نے آنا ہوتا ہے وہ آکر رہتی ہے۔

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے برائے نام محققین وکیل بلا توکیل کا کردار ادا کرتے ہوئے وہ کچھ عوام کی طرف منسوب کر رہے ہیں جس سے ان کی روح تو چھوڑیئے ان کے تن بھی راضی نہیں، اگر فوج کو عوام کا غیر مشروط تعاون حاصل ہے تو پھر عوام کی طرف سے اُن جلسوں، جلسوں، دھرنوں، بھوک ہڑتالوں کا کیا مطلب ہے جو اسی فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے ظلم کے خلاف آئے دن جاری ہیں؟ درحقیقت اس برائے نام تحقیقی ادارے کے برائے نام محققین نے پوری قوم کے گلے پر بیٹھ کر، انہیں یرغمال بنا کر ان کی طرف وہ کچھ منسوب کیا ہے جو ایک باشعور قوم کی سوچ کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر پوری قوم ادارہ تحقیقاتِ اسلامی میں کام کرتی ہے تب تو یہ کہنا کہ "پوری قوم افواجِ پاکستان

اور پاکستان کے دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ مکمل اور غیر مشروط تعاون کا اعلان کرتی ہے" سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ یہ چند افراد (بلکہ جناب قبلہ آیاز) کا پوری قوم کی ترجمانی کرنا ہے، جو کبھی بھی اس طرح نہیں ہوتی کہ بند کمروں میں بیٹھ کر رائے عامہ معلوم کیئے بغیر جو جی میں آئے اُسے قوم کی طرف منسوب کیا جائے، بلکہ اس کے لیے باہر نکلنا پڑتا، عوام کی رائے معلوم کرنی پڑتی ہے، مبتلیٰ بہ اقوام سے حقیقتِ حال کو دریافت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں تو جن لوگوں کے دستخط صحیفے پر ہیں ان کی اکثریت اُس پر گرام میں شریک ہی نہ تھی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس اعلامیے کو منظور کرانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا، لگتا ایسا ہے کہ زیادہ تر دستخط جعلی ہیں، کیونکہ اس پر موجود بعض ایسے لوگوں کے دستخط بھی ہیں جو اس اعلامیے سے کئی سال قبل وفات پا گئے تھے، اور بعض لوگ صرف مجلس میں حاضر ہوئے تھے، جبکہ انہوں نے دستخط نہیں کیئے، اور بعض حضرات سے زبردستی دستخط لیے گیے۔ لہٰذا یہ تو اُن 1800 سو علماء کا حال ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے متفقہ طور پر یہ اعلامیہ جاری کیا ہے، رہی بات پوری قوم کے اتفاق کی تو یہ انتہائی ظلم ہے کہ اُن کی طرف مظلومین کے خلاف ایسی بے وقوفی والا غیر مشروط تعاون منسوب کیا جائے۔

لہٰذا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ ہاں! ایک دلیل ہے، وہ یہ کہ کاغذ کے صفحات میں پوری قوم فوج اور دیگر سیکیورٹی اداروں کے ساتھ کھڑی ہے۔

ہاں! ہمیں معلوم ہے کہ فوج کے ساتھ کچھ لوگ کھڑے ہیں جو امن کمیٹی کے نام سے اسی فوج کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں، (اگرچہ ان میں سے بھی اکثریت نے پیسوں کی لالچ میں بندوق اٹھائی ہے، چنانچہ عوام کے سامنے اُن کی حقیقت بھی کھل گئی) اس لیے بہت سی جگہوں میں ان کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔

فوج کے اس جھوٹے دعوے کے مطابق سب سے زیادہ ان کے ساتھ محسود قوم شانہ بشانہ کھڑی ہے، کیونکہ انہوں نے ایک بڑی مصیبت سے ان کی جان چھڑائی ہے، مگر جب فوج نے محسود قوم سے طالبان کے خلاف لشکر (امن کمیٹی) بنانے کا مطالبہ کیا تو محسود قوم نے متفقہ طور پر لشکر بنانے سے انکار کیا۔ الحمد للہ! ہماری قوم ایک مسلمان قوم ہے اور اب وہ وقت نہیں رہا جب لوگ" پاک فوج کو

سلام" جیسے نعرے لگایا اور لکھا کرتے تھے، کیونکہ اب عوام کو پاک فوج کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے کہ یہ مساجد ومدارس کا تقدّس پامال کرنے والی فوج ہے، یہ ڈاڑھی، پگڑی اور ٹوپی کی دشمن فوج ہے، یہ اسلام کے شعائر (ایمان، تقوی، جہاد) استعمال کرتے ہوئے اسلام دشمن فوج ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب نازل فرمائے جس کے یہ مستحق ہیں)

اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ طالبان کے خلاف (درحقیقت اسلام کے خلاف) اس جنگ کو "قومی بقاء کی جنگ" کہا ہے۔ الحمد للہ! ہم پاکستانی قوم کو اپنی قوم سمجھتے ہیں، حکمران ٹولے کی بنسبت ہمیں اس کی بقاء زیادہ عزیز ہے، ہم اس مظلوم قوم کو اُن چند جاگیرداروں سے نجات دلانا چاہتے ہیں جنہوں نے کئی دھائیوں سے اس قوم کا خون چوس کر بے حال کر دیا ہے، ان ظالم خاندانوں کی تباہی پوری پاکستانی قوم کی تباہی نہیں بلکہ یہ ان کی خوشحالی کی ابتداء ہو گی، کیونکہ ان کے خاتمے سے قوم کو ایک عادلانہ اسلامی نظام ہاتھ آئے گا، جس میں تمام اقوام ومذاہب کی خوشحالی کی ضمانت موجود ہے، مگر ہمیشہ باطل اس قسم کے نعرے لگا کر حق کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے، جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قوم کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے نعرہ لگایا تھا:

﴿قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُۥٓ إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِۦ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾﴾ (الشعراء: 34-35)

ترجمہ: فرعون اپنے گرد کے سرداروں سے بولا: یہ (موسیٰ علیہ السلام) تو کوئی پڑھا ہوا جادوگر ہے، (وہ) چاہتا ہے کہ تمہیں جادو کے زور پر تمہارے دیس سے نکال دے، سو اَب کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟)

فرعون کی بھی یہی کوشش تھی کہ قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کرکے اسے "قومی بقاء کا معاملہ" ثابت کرے۔ چنانچہ آج بھی چند بے دین ملحد یہی نعرہ لگا رہے ہیں۔

7- تمام دینی مسالک کے نمائندہ علماء نے شرعی دلائل کی روشنی میں قتل ناحق کے عنوان سے خودکش حملوں کے حرام قطعی ہونے کا جو فتویٰ جاری کیا تھا اس کی مکمل حمایت کی جاتی ہے۔ نیز لسانی، علاقائی، مذہبی اور مسلکی شناختوں کے نام پر جو مسلح گروہ ریاست کے

خلاف مصروفِ عمل ہیں، یہ سب شریعت کے احکام کے منافی اور قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا سبب ہیں، لہذا ریاستی اداروں کو ان تمام گروہوں کے خلاف بھرپور کارروائی کرنے کی تجویز دیتے ہیں۔

فدائی حملوں کے بارے میں اگر ایک طرف یہ مشکوک فتویٰ موجود ہے تو دوسری طرف (الحمد للہ) بہت بڑی تعداد میں محققین علماء کرام نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور بعض نے تو اس کے جواز پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، چنانچہ دیوبند مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے شیخ الحدیث مولانا نور الہدی صاحب کی کتاب، اسی طرح مفتی ابو البشار کی کتاب اور استاذ الحدیث مولانا فضل محمد صاحب کا فتویٰ (ان کی کتاب دعوتِ جہاد میں) موجود ہے۔

اس اعلامیے پر دستخط کرنے والے علماء کو اگر اس اعلامیے کا متن دکھا کر دستخط کا کہا جاتا تو یقیناً اکثر علماء ہرگز دستخط نہ کرتے، اگرچہ بعض کا دستخط سمجھ میں آتا ہے مگر ساتھ میں کچھ ایسی علمی شخصیات بھی ہیں جن کے متعلق یہ خیال نہیں کہ وہ جُہلاء کی طرف سے تیار کردہ مسودے پر آنکھیں بند کرکے دستخط کر دیں گے، مثلاً خود مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے یہ ہے کہ فدائی (خودکش) حملے ایک اجتہادی مسئلہ ہے، تو وہ ایسے فتویٰ پر دستخط نہیں کر سکتے جس میں اسے قطعی حرام کہا گیا ہے کیونکہ اجتہاد میں تحمیل ممنوع ہے۔

الحمد للہ! ہم فدائی حملوں کو جائز سمجھتے ہیں، اس پر ہمارے پاس بہت سارے دلائل ہیں، جنہیں علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اگر کسی کو اس مسئلے کے بارے میں تحقیق مطلوب ہے تو وہ شیخ الحدیث مولانا نور الہدی صاحب اور مفتی ابو البشار کی کتاب "اسلام اور فدائی حملے" کو مطالعہ فرمائیں، ہم فی الحال اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتے۔

رہی دوسری بات (جس میں کہا گیا ہے: "نیز لسانی، علاقائی، مذہبی اور مسلکی شناختوں کے نام پر جو مسلّح گروہ ریاست کے خلاف مصروفِ عمل ہیں") وہ ہماری طرف متوجہ نہیں، اس سے ہم مراد نہیں ہو سکتے، کیونکہ ریاستِ پاکستان کے خلاف ہماری جنگ کسی مسلک، علاقے اور زبان کے نام پر نہیں ہے،

بلکہ ہم نے بار بار اپنے جہاد کی وجوہات بیان کی ہیں، ایک بار پھر قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ ہماری جنگ کے بنیادی اسباب تین ہیں: پہلا سبب: ملک میں کفری قوانین کی موجودگی (جسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں)، دوسرا سبب: مسلمانوں کے خلاف پاکستانی فوج کا کفار کی صف میں کھڑا ہونا، تیسرا سبب: ملک میں شریعت کی عدم موجودگی (جس کے نفاذ کے لیے ہم کوشاں ہیں)۔ اور ایک اور سبب بھی ہے کہ ریاستِ پاکستان کے ظالمانہ آپریشن کے نتیجے میں اپنا دفاع بھی مقصود ہے۔ لہٰذا بحمد اللہ ہماری جنگ اس وقت تک جاری رہی گی جب تک کہ مذکورہ وجوہات کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

متفقہ اعلامیہ میں جو عبارت مذکور ہے اس میں تلبیس سے کام لیا گیا ہے، ہماری طرف سے پاکستان میں جاری جہاد کو لسانی، علاقائی، اور مسلکی شناخت کا نام دینا ہرگز درست نہیں۔

## 8- فرقہ وارانہ منافرت، مسلح فرقہ وارانہ تصادم اور طاقت کے بل پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش شریعت کے احکام کی مخالفت اور فساد فی الارض ہے، نیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دستور و قانون کی رو سے ایک قومی اور ملی جرم ہے۔

ہم بھی فرقہ وارانہ تصادم کو فساد فی الارض سمجھتے ہیں، لیکن فرقہ وارانہ تصادم سے کیا مراد ہے؟ ہم اس کی وضاحت لازمی سمجھتے ہیں، کیونکہ فرقے دو قسم پر ہیں: ایک وہ فرقے ہیں جو فروعی اختلاف کی بنیاد پر وجود میں آئے ہیں، جبکہ فرقوں کی دوسری قسم وہ ہے جو اُصولی اختلاف (مثلاً: کفر واسلام) کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔

فروعی اختلاف کی بنیاد پر جو فِرَق وجود میں آئے ہیں اُن میں معاملہ اس حد تک پہنچانا کہ بات منافرت اور تصادم تک پہنچے، یہ حرام اور ناجائز کام ہے، اسے فساد فی الارض بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اُصولی اختلاف اور عقیدے کی بنیاد پر جو اختلاف ہو اس میں ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ باطل افکار وعقائد کی راہ روکے، علمی سطح پر بھی ان افکار وعقائد کا جواب دیں اور اگر ضرورت پڑے (مثلاً وہ اپنے باطل نظریات کے پرچار سے باز نہ آئیں) تو بزورِ بازو اُن کی راہ روکنا لازمی ہو جاتا ہے، تاکہ مسلمانوں کو کفر وضلال سے بچایا جاسکے۔ اس کو فساد فی الارض کہنا درست نہیں، بلکہ یہ فساد فی الارض کو ختم

کرنے کے زُمرے میں آتا ہے، مثلاً قادیانیوں، پرویزیوں، روافض اور منکرینِ حدیث کا علمی اور عملی طور پر مقابلہ ہر مسلمان پر فرض ولازم ہے۔

اور الحمد للہ! ریاستِ پاکستان کے خلاف اسلام کے لیے جن لوگوں نے جنگ شروع کر رکھی ہے اُن کی صفوں میں ہر مکتبِ فکر کے لوگ موجود ہیں، اور اُصولی اختلاف میں فی الحال ہمارے ہدف پر وہ ادارے ہیں جو اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور انگریزی نظام کے محافظین ہیں۔ کیونکہ ہمارا اصل اُصولی اختلاف انہی کے ساتھ ہے، اور رہے وہ لوگ جو باطل عقائد و نظریات رکھتے ہیں، چونکہ ان کو تحفظ اس جمہوری مغربی نظام نے دی ہے جن کے محافظین فوج اور دیگر سیکیورٹی ادارے ہیں، اس لیے جب یہ نظام سقوط کر جائے گا تو اُمید یہ ہے کہ ایسے باطل نظریات کے حاملین رفتہ رفتہ خود بخود یا بزورِ بازو ٹھیک ہو جائیں گے۔

دوسری بات: "اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش شریعت کے احکام کی مخالفت ہے"، ہم بھی اسی سوچ کے قائل ہیں، البتہ یہاں بھی "كلمة حق أريد بها الباطل" کا معاملہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ "اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی روش شریعت کے احکام کی مخالفت ہے" ایک حق کلمہ ہے، مگر اس کا مصداق جو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں وہ سو فیصد غلط ہے، اس کی مزید وضاحت کچھ یوں ہے:

اسلام میں ایک تو عقائد ہیں اور دوسرا ان کا عملی قانونی نظام ہے، پہلے معاملے میں جبر واکراہ نہیں، اسلام اس میں زور زبردستی کی اجازت نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَا اِكْـــرَاهَ فِي الدِّيۡنِ﴾ یعنی دین میں زور نہیں۔ (البقرة: 256) اس کا معنی علمائے کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ عقیدہ کے باب میں زبردستی نہیں (یعنی کسی کا عقیدہ کوئی شخص زبردستی نہیں بدل سکتا، کیونکہ عقیدے کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل کے حال سے ایک اللہ واقف ہے) مطلب یہ ہے کہ کسی کافر کو بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

البتہ ایک شخص پہلے مسلمان ہو اور بعد میں مرتد ہو جائے وہ اس سے مستثنٰی ہے، کیونکہ

حدیثِ صحیح مشہور میں آتا ہے کہ نبی السیف علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ" یعنی جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو۔

بہرحال! مرتد کے علاوہ دیگر کافرِ اصلی پر زور زبردستی کرنا کہ وہ لازماً اسلام قبول کرے یہ از رُوئے اسلام منع ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایسے کفار کے لیے جو راہ اختیار کی ہے وہ اولاً انہیں اسلام کی دعوت دینے کا ہے، اگر قبول کریں تو ہمارے مسلمان بھائی بن گئے، ورنہ اپنے کفر پر رہتے ہوئے جزیہ ادا کریں، اگر اس سے بھی انکار کریں تو جنگ و قتال کے ذریعے فیصلہ ہوگا۔

دیکھئے! اسلام نے ان کے لیے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ جان خلاصی کا ایک راستہ (جزیہ کی ادائیگی) چھوڑا ہے، اسی طرح کبھی کبھار کفار کے ساتھ ملکوں اور شہروں کی سطح پر معاہدات کئے جاتے ہیں، اور کبھی دارالاسلام میں امن دے کر داخلے کی اجازت دی جاتی ہے، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾۔

رہی بات "موجودہ نظام اور قانون کو بدلنے کی" تو اس کا بدلنا واجب ہے۔ چاہے نرمی سے ہو یا قتل و قتال کے ذریعے ہو، البتہ قرآن نے اس کے بارے میں جو راستہ بتایا ہے وہ قتال کا ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال: 39)

ترجمہ: اور تم ان (کفار) کے خلاف جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین سب کا سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔

اس آیت میں حکم اور امر ہے کہ فتنے کو ختم کرنے اور دین اللہ کو قائم کرنے کے لیے جنگ کرو، یعنی ایسا قانون باقی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے ساتھ ٹکر میں ہو اور اسے بھی قانون سمجھا جاتا ہو اور جس کی طرف فیصلوں میں رجوع ہو۔

ان دونوں آیتوں میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنگ کس مقصد کے لیے لڑی جاتی ہے؟ ان دونوں جگہوں میں "دین" کا لفظ ہے، ایک جگہ دین کے لیے لڑنے کا حکم ہے، جبکہ دوسری جگہ دین کے لیے اکراہ سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ دین سے مراد عقیدہ ہے اور دوسری جگہ دین سے مراد احکام و قوانین اور نظام ہے جس کے لیے لڑنے کا حکم ہے۔

پیغامِ پاکستان کی عبارت میں تلبیس سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مجاہدینِ پاکستان نے تمام ہندوؤں، کرسچن اور یہودیوں کو مسلمان بنانے کی ٹھان رکھی ہے۔ نہیں بالکل نہیں۔ مجاہدینِ پاکستان کیا چاہتے ہیں؟ انگریزی قانون کا خاتمہ اور اسلامی احکامات کا نفاذ واجراء۔

ہم قارئینِ کرام کی توجہ ایک بار پھر اس طرف موڑنا چاہتے ہیں کہ ہم یوں نہیں کہتے کہ ہم بد اعمالیوں کے خاتمے کے لیے لڑتے ہیں اور نہ یوں کہتے ہیں کہ انگریزی اعمال کو ختم کرنا ہمارے جہاد کی غرض وغایہ ہے، بلکہ ہم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ہم اُن "انگریزی قوانین" کا خاتمہ چاہتے ہیں جن کے خاتمے کے لیے ہمارے بڑوں نے آزادئ پاکستان کے وقت قربانیاں دی تھیں، وہ انگریزی قانون جس نے اسلامی شریعت کی جگہ لے رکھی ہے، انہیں ہمارے ملک میں قانونی حیثیت حاصل ہے، عدالتوں میں انہی قوانین پر فیصلے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کوئی شخص کسی عدالت کا فیصلہ اس بنیاد پر رد نہیں کرسکتا کہ یہ فیصلہ انگریزی قوانین کے مطابق ہوا ہے اس لیے مجھے منظور نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عدالت کا وہ فیصلہ قانونی ہے، مثلاً کسی قاتل کے متعلق کوئی عدالت عمر بھر قید کی سزا کا فیصلہ سنائے اور کوئی شخص عدالت جا کر پوچھے کہ تمہارا یہ فیصلہ قانونی ہے یا غیر قانونی؟ تو پاکستان کی ہر عدالت (بشمول سپریم کورٹ اور شرعی عدالت) اس فیصلے کو قانونی کہے گی۔ (اگرچہ یہ سزا اسلامی قانون کے مطابق غیر قانونی ہے۔)

اس لیے ہمارے جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد پاکستان میں انگریزی قوانین کی قانونی حیثیت ختم کرنا ہے۔ لہٰذا یہ جنگ قرآن وسنت کی روشنی میں بالکل جائز اور مأمور به ہے۔

**9- "وطن عزیز میں قائم تمام درسگاہوں کا بنیادی مقصد تعلیم وتربیت ہے۔ ملک کی تمام سرکاری ونجی درسگاہوں کا کسی نوعیت کی عسکریت (militancy)، نفرت انگیزی (hatred) انتہاء پسندی (extremism)، اور تشدد پسندی (violence) پر مبنی تعلیم یا تربیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد یا ادارہ اس میں ملوث ہے تو اس کے خلاف ثبوت وشواہد کے ساتھ کارروائی کرنا حکومت اور ریاستی اداروں کی ذمے داری ہے"۔**

جس طرح انہوں نے درسگاہوں کا بنیادی مقصد تعلیم وتربیت بتایا ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ

دینی مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد دو چیزیں ہیں: تعلیم اور تربیت۔ ہم بھی فقط تعلیم دینے کے قائل نہیں، بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہونی چاہئے۔اس بات سے ہر کوئی واقف ہے کہ تربیت عمل سکھانے اور پریکٹیکل کا نام ہے، جس طرح یونیورسٹی، کالج اور سکول میں تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل بھی کروائی جاتی ہے، اسی طرح قرآن وسنت کی تعلیم بھی تھیوری اور پریکٹیکل دونوں انداز میں ہونی چاہئے۔ جہاں جہاں تک تجربہ کروانا (پریکٹیکل) مدارس میں ممکن ہو کروانا چاہئے، لہٰذا جہادی (اسلحہ اور جسمانی) تربیت مدارس میں ہونی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدرسہ (صفہ میں) اور مسجدِ نبوی دونوں میں یہی دونوں قسم کی تعلیم جاری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اس سے لوگوں کو منع نہیں کیا، بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے:

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا ارْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكُمْ لَا تَرْمُونَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ ارْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ۔ (صحیح بخاری حدیث رقم 2684)

ترجمہ :یزید بن ابی عبید سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ بنی اسلم قبیلہ کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے درآنحالیکہ وہ تیر اندازی کر رہے تھے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے بنو اسماعیل! تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے والد بھی تیر انداز تھے، تیر اندازی کرو اور میں فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں۔ راوی کہتے ہیں تو دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا ہو تم کو کہ تم تیر اندازی نہیں کرتے تو انہوں نے کہا کہ ہم تیر اندازی کیسے کریں کہ آپ اُن (دوسرے فریق) کے ساتھ ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تیر اندازی کرو اور میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ کی تو یہی شان تھی، وہ ایک ایسے حاکم تھے جو اپنی رعایا (اُمت) کو تیر اندازی اور عسکری تربیت کی ترغیب دیا کرتے تھے، وہ ایک ایسے معلّم تھے جس کے مدرسے

میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی جاری رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں ایک شخص بھی غیر مسلح نہیں گزرا، امام شافعی رحمہ اللہ کے دور میں چونکہ مضبوط اسلامی حکومت (خلافت) تھی اس لیے اُن کی مصروفیت علم سیکھنے تک محدود رہی ہے اور جہادی محاذوں کا رُخ نہیں کیا، لیکن اُن کی بھی عسکری تربیت کچھ اس انداز میں تھی:

عن عمرو بن سواد قال: قال لي الشافعي: "ولدت بعسقلان، فلما أتت عليَّ سنتان حملتني أمي إلى مكة، وكانت نهمتي في شيئين: الرمي، وطلب العلم، فنلت من الرمي حتىٰ إني لأصيب من عشرةٍ عشرةً"، وسَكَتَ عن العلم، فقلت: "أنت والله في العلم أكثر منك في الرمي".

ترجمہ: عمرو بن سواد سے روایت ہے مجھ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں عسقلان میں پیدا ہوا، دو سال کی عمر میں میری والدہ مجھے اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے آئی۔ مجھے دو چیزوں کا بڑا شوق تھا، ایک تیر اندازی اور دوسری چیز طلب العلم۔ تیر اندازی تو میں نے اس حد تک سیکھ لی کہ دس کے دس تیر نشانے پر مار سکتا ہوں۔ (عمر بن سواد کہتے ہیں کہ) علم کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ خاموش رہے، تو میں (عمرو بن سواد) نے کہا: اللہ کی قسم! جس قدر آپ کو تیر اندازی میں مہارت ہے اس سے بڑھ کر علم میں آپ کی مہارت ہے۔ (علو الهمة، ج: 1، ص: 193)

یہی حالت تمام سلفِ صالحین کی تھی (جس کی تفصیلات لکھنا اس مختصر رسالے میں مقصود نہیں) اور ان کی حالت ایسی کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ پڑھتے، اور سمجھ کر پڑھتے، کیونکہ یہ خطاب ہر مسلمان (تابعدار) کے لیے ہے، اور ان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ بانیانِ دیوبند نے اپنے مدرسے (دارالعلوم دیوبند) کی بنیاد انہی دو ستونوں پر رکھی، حتیٰ کہ انگریز کو کہنا پڑا کہ یہ "عربی مدرسہ" نہیں بلکہ "حربی مدرسہ" ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب انگریز بر سرِ اقتدار تھے، اور آج پاکستان پر جو فوج مسلط ہے یہ اُس وقت ان کی چوکیدار تھی، اور پاکستان بننے کے بعد باقاعدہ طور پر اسی انگریز کے زیرِ کمان رہتے ہوئے "پاک آرمی" کا نام اختیار کر گئی، حالانکہ ان کی تربیت سے لیکر چیف آف آرمی بننے تک وہی پرانے اصول فوج میں برقرار ہیں جو انگریز دورِ حکومت میں تھے۔ (خیر! ہمیں فی الحال اس پر گفتگو نہیں کرنی، اس لیے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں)

اسلامی معاشرہ ہمیشہ مسلح رہا ہے، عسکری آلات میں مہارت حاصل کرنا اس کا امتیاز رہا ہے، اسلامی معاشرے میں وہ شخص سب سے زیادہ عزت رکھتا تھا جسے فنونِ سپہ گری میں سب سے زیادہ مہارت ہوتی، لیکن ماضیٔ قریب میں کچھ لوگ آئے جن کا نظریہ ہے کہ بچے کو بندوق کی جگہ قلم پکڑاؤ، (حالانکہ ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں) یہ تو کلازویٹ کا نظریہ ہے کہ معاشرے کو غیر مسلح کر دیا جائے۔ کلازویٹ ان ملحدین میں سے ایک ہے جو سیکولرزم اور جدید عالمی نظام کے مؤسسین میں شمار ہوتا ہے، جبکہ موجودہ ہر ملک کی فوج اسی کے نظریہ پر استوار ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمانوں نے ملحدین اور بے دین لوگوں کے نظریات وافکار تسلیم کر لیے ہیں، اسی لیے تو ہمارا معاشرہ غلام بن گیا، حتیٰ کہ ہمارا مدرسہ، ہماری مسجد، ہمارے منبر و محراب غلام بن گئے۔ آج اگر ایک بڑے بزرگ اور عالمِ دین کے بارے میں پوچھا جائے کہ انہیں کلاشن کوف کو استعمال کرنا آتا ہے؟ تو لوگ جواباً کہتے ہیں کہ وہ تو بزرگ آدمی ہیں، انہیں کلاشن کوف سے کیا واسطہ؟ حالانکہ مسلمانوں کے سابقہ ادوار میں بزرگوں کی صفات میں یہ بات شامل تھی کہ انہیں فنونِ سپہ گری میں فلاں فلاں مہارت حاصل تھی، آلاتِ حرب سے ناواقفیت عیب شمار ہوتی تھی، جبکہ آج بزرگی اور علم اس بات کی علامت ہے کہ اسے کسی قسم کے آلاتِ حرب سے شناسائی نہ ہو گی۔ (فإلى الله المشتكى من إخوان هذا الزمان)

اسلحے اور عسکریت کی ترغیب جس قدر اس اُمت کو دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان ہمہ وقت اپنے پاس اسلحہ رکھے، اور اسے سیکھ کر اتنی مہارت حاصل کرے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے یا اپنے دفاع کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے تو استعمال کر سکے۔ اس بارے میں مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کے رسالہ "مسلح پہرہ" کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہیے، انہوں نے بہت سی احادیث اور آثار اس بارے میں جمع کی ہیں کہ مؤمن اور اسلحہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحے کے ساتھ لگاؤ، مسجد نبوی کے اندر اسلحہ، مسجد نبوی میں حبشیوں کا اسلحے کی تربیت، مسجد میں داخلے کے وقت اسلحہ بند نہ کرنا بلکہ اس کے آداب بتانا، اسی طرح امام (خلیفہ، حکمران) کے لیے مفتوحہ علاقوں میں اسلحے کے ساتھ خطبہ دینا وغیرہ، اسی طرح اور

دیگر عنوانات ہیں جن کے تحت کثیر تعداد میں احادیث اور فقہاء کے اقوال موجود ہیں، جن سے اسلحے کی اہمیت خوب واضح ہوتی ہے۔

خصوصاً اسلحے کی اہمیت ایسے وقت میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم پر ایسی فوج مسلط ہو جو مساجد کو مسمار کرتی ہے، مدارس کو بلڈوز کرتی ہے، اسلامی نظامی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، مسلمانوں کے خلاف کفار کے صفِ اول کا اتحادی ہے، مسلمانوں کی سرزمین کفار کو اس لیے حوالہ کرنے والی ہے کہ وہ امن وسلامتی کے ساتھ افغان مسلمانوں اور مجاہدین پر بمباری کریں۔ لہٰذا اسی حالت میں ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے پاس اسلحہ رکھے، اور اسے سیکھ کر ضرورت کے موقع پر استعمال کرے۔

رہی یہ بات کہ نفرت اور تشدّد پھیلانا، یہ اگرچہ منع ہے، مگر ہمیں خوب معلوم ہے اس سے ان ملحدین کی مراد جہاد ہے، جہاد کے لیے لوگوں کو دعوت دینے کو یہ ملحدین تشدّد سے تعبیر کرتے ہیں، باطل فِرَق پر رد کرنے کو یہ جدیدیت کے علمبردار نفرت سے تعبیر کرتے ہیں، الحاد وزندیقیت کی راہ روکنا ان کے نزدیک دہشت گردی ہے۔ اس لیے ہمیں ان کا کہنا منظور نہیں، بلکہ اب ہماری یہ کوشش اور بھی تیز رہے گی کہ ان ملحدین، بے دین فوج اور ظالم حکمرانوں کے خلاف نفرت پھیلائیں، ان کے خلاف لوگوں میں تشدّد کے جذبات اُبھاریں، انہیں جہادی تربیت دے کر اسلام کے سپاہی بنائیں، کیونکہ یہ عین عبادت ہے۔

لہٰذا پیغام پاکستان کا یہ مادہ (جسے علماء وغیرہ کے دستخط سے موثوقہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے) ایک غیر اسلامی اور روح شریعت کے ساتھ تضاد رکھنے والا مادہ ہے۔ علماء کرام کو چاہیے کہ اس پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس پیغام پر دستخط کرنے سے رجوع فرمائیں، کیونکہ مسلمان حق کا تابع ہوتا ہے، اور حق کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سلفِ صالحین کی راہ ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلْحَقُّ قَدِيمٌ، وَمُرَاجَعَةُ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنَ التَّمَادِي فِي الْبَاطِلِ"

یعنی حق (باطل کے بنسبت) پرانا ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے باطل میں مزید گھسنے سے۔

## 11- ہر مکتب فکر اور مسلک کو مثبت اور معقول انداز میں اپنے عقائد اور فقہی نظریات

کی دعوت و تبلیغ کی شریعت اور قانون کی رو سے اجازت ہے، لیکن اسلامی تعلیمات اور ملکی قانون کے مطابق کسی بھی شخص، مسلک یا ادارے کے خلاف اہانت، نفرت انگیزی اور اتہام بازی پر مبنی تحریر و تقریر کی اجازت نہیں۔

اس حد تک تو یہ بات صحیح ہے کہ "ہر مکتبِ فکر اپنی فقہی تحقیقات میں آزاد ہے، اپنی تحقیق کی طرف دوسروں کو دعوت دینا اور خود اس پر عمل کرنے کا انہیں حق حاصل ہے"، مگر، ہر کسی کو یہ اجازت دینا کہ وہ اپنے عقائد کی طرف دعوت دیں، یہ اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں، کیونکہ عقائد کے لحاظ سے حق ایک جانب ہوتا ہے، لہٰذا حق کے علاوہ باقی سب باطل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ﴾ (یعنی حق کے سواء باقی گمراہی ہی رہتی ہے) علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت عقائد کے بارے میں ہے۔

عقائد دو قسم پر ہیں: 1- منسوب إلى الكفر عقائد، 2- منسوب إلى الإسلام عقائد۔

پھر وہ عقائد جو اسلام کی طرف منسوب ہیں وہ بھی دو قسم پر ہیں: 1- بدعی عقائد، 2- سُنّی عقائد۔

سُنّی عقائد کو چھوڑ کر باقی دو قسم (کفری عقائد اور بِدعی عقائد) پر اسلامی حکومت میں پابندی ہوتی ہے کہ اس کی طرف کسی کو دعوت دی جائے۔ البتہ فروعی مسائل میں ہر کسی کو اجازت ہے کہ اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، کیونکہ ایسے موقع پر حق متعدد ہو سکتا ہے۔

لیکن پیغامِ پاکستان میں صراحتاً مذکور ہے کہ (ہر مکتب فکر اور مسلک کو مثبت اور معقول انداز میں اپنے عقائد اور فقہی نظریات کی دعوت و تبلیغ کی شریعت اور قانون کی رو سے اجازت ہے) اپنے عقائد کی دعوت قانون کی رو سے جائز ہے، اور یہ ایسا نہیں کہ عبارت کی غلطی اور خطا ہے، بلکہ یہ اجازت آئینِ پاکستان کی جانب سے عطا کردہ ہے، حتیٰ کہ خالص ملحد سیکولر، لیبرل اور سوشلسٹ لوگوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ اپنے عقائد، نظریات و افکار کی دعوت کے لیے اجتماعات منعقد کرائیں، جس میں موقع و محل کے مطابق اسلام کو صراحتاً یا دبے الفاظ میں تنقید کا نشانہ بنائیں۔

رہی یہ بات کہ پاکستان میں فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے جا بجا لڑائی اور جگڑے

ہوتے ہیں،اس لیے پیغامِ پاکستان کی عبارت سے یہی مراد ہیں۔ اس کے متعلق ہماری یہ بات آپ کی گوش گزار رہے کہ ایسے جھگڑوں کے پس پردہ حکومت ہی کا ہاتھ ہوتا ہے، بعض جگہوں میں ایک مسلک کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوتی ہے جبکہ دوسری جگہ دوسرے مسلک کو۔

حقیقت میں اس دفعہ کو یہاں لانے سے مقصد باطل عقائد و نظریات کے لیے راہ ہموار کرنا ہے، تاکہ پرامن طریقے سے صحیح العقیدہ لوگوں کو بلا روک ٹوک گمراہی کی راہ پر گامزن کیا جاسکے۔

اس قسم کی عبارتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ چند گنے چنے افراد کے علاوہ اس پیغام پر دستخط یا تو زبردستی لیے گئے ہیں یا دستخط جعلی ہیں یا لاعلمی میں ان سے دستخط ہوئے ہیں، کیونکہ ایک صحیح العقیدہ عالمِ دین سے یہ تصور کرنا کہ وہ ایسے قانون پر رضامندی سے دستخط لیں گے جو کتاب وسنت کا صریح مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ کفار، مشرکین ومبتدعین کو واضح الفاظ میں اپنے ، باطل عقائد ونظریات کی طرف دعوت دینے کی اجازت ہو، یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وغير جائز أخذ الجزية من الكفار المتأولين المنتحلين للإسلام، ولا يجوز أن يقرّوا بغير جزية، فحكمهم في ذلك متى وقفنا على مذهب واحد منهم اعتقاد الكفر لم يجز إقراره عليه وأجري عليه أحكام المرتدين.

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں اور درحقیقت کفار ہیں اُن سے جزیہ لینا درست نہیں، اور یہ بات بھی ہے کہ کسی کافر کو جزیہ لیے بغیر چھوڑنا بھی درست نہیں، اس لیے اسلام کے لبادے میں چھپے مذکورہ کفار کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کے کفری عقیدے کے بارے میں ہمیں پتہ چلے گا تو اسے اسی حالت پر چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ اس پر مرتدین والے احکام جاری کیے جائیں گے۔(احكام القرآن، ج: 2، ص: 46)

**12- صراحت، کنایہ اور اشارہ کے ذریعے کسی بھی صورت میں انبیاء کرام اور رُسُل عظام علیہم السلام اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، شعائر اسلام اور ہر مسلک کے مسلمہ اکابر کی اہانت کے حوالے سے ضابطہ فوجداری کے آرٹیکل 295-298 کی تمام دفعات کو ریاستی اداروں کے ذریعہ لفظاً اور معنًا نافذ کیا جائے اور اگران قوانین کا کہیں غلط**

**استعمال ہوا ہے تو اس کے ازالے کی احسن تدبیر ضروری ہے، مگر کسی قانون کو کسی صورت میں کوئی فرد یا گروہ اپنے ہاتھ میں لینے اور متوازی عدالتی نظام قائم کرنے کا مجاز نہیں۔**

قارئینِ کرام کو اس بات کی آگاہی ہونی چاہئے کہ ہر مسلک کے اکابر سے مراد فروعی مسالک کے اکابر مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد ادیان کے اکابر ہیں، یعنی ہر دین (مثلاً مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں اور بدھ مت وغیرہ) کے مشہور و مسلّم شخصیات کو یکساں حیثیت دی گئی ہے،اس فقرہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی امتیازی حیثیت نہیں دی گئی۔ یہ بات تو ہمیں تسلیم ہے کہ ہر دین کے بڑوں کے سب وشتم سے اسلام نے منع کیا ہے، تاکہ اس کی وجہ سے کفار کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا نہ کہا جائے، لیکن سب کی یکساں توقیر و تعظیم کرنا،اسی طرح سب کی توہین کو یکساں مان کر ایک قسم کی سزا کی قانون سازی کرنا ہرگز اسلام کے مطابق نہیں، کیونکہ یہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو مستلزم ہے، جو کسی طرح کسی مسلمان کو منظور نہیں۔

یہ جملہ کہ "**کسی قانون کو کسی صورت میں کوئی فرد یا گروہ اپنے ہاتھ میں لینے اور متوازی عدالتی نظام قائم کرنے کا مجاز نہیں**" یہ بالکل صحیح بات ہے کہ کسی کو متوازی عدالتی نظام قائم کی اجازت نہ ہو۔ لیکن یہ اُس وقت کہ جب عدالتیں شریعت کے مطابق فیصلے صادر کرتی ہوں، ایسا نہ ہو کہ توہینِ رسالت کے کیس میں مقرّرہ شرعی سزا سے ملزمان کے تحفّظ کی کوشش کریں۔ پاکستان کے بننے سے لے کر اب تک سینکڑوں ایسے کیس ہیں جن میں کسی مجرم کو شرعی سزا نہیں دی گئی، اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ (حکمرانوں کو دیکھے بغیر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر غیرت کھا کر مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ ایسا کرنا خلافِ شرع نہیں، بلکہ عینِ اسلام ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک نابینا صحابی نے اپنی اُمِّ وَلد (بچوں کی ماں) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی سزا کے طور پر قتل کر دیا تھا۔ تفصیلی روایت یوں ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک نابینا (صحابی) تھے، ان کی ایک امّ ولد (لونڈی) تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہتی، وہ (نابینا صحابی) اسے منع کرتے رہتے مگر وہ رُکتی، وہ اسے ڈانٹتے رہتے مگر اس پر ڈانٹنے کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ ایک رات جب وہ (ام ولد) نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کو گالیاں دینے لگی تو انہوں (نابینا صحابی) نے نوک دار نیزہ لیا اور اس (لونڈی) کے پیٹ پر رکھتے ہوئے اس پر تکیہ لگایا، چنانچہ اسے قتل کیا، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: "میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے جو کچھ کیا میرے لیے کیا کہ وہ اٹھ کھڑا ہو"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نابینا صحابی کھڑا ہوا، لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے، گرتے پڑتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، اور کہنے لگے: یارسول اللہ! وہ شخص میں ہوں، وہ (مقتول لونڈی) آپ کو بُرا بھلا کہتی، آپ کو گالیاں دیتی، میں منیں کرتا مگر وہ منع نہ ہوتی، میں اسے نصیحت کرتا مگر وہ نصیحت قبول نہیں کرتی، اس کے بطن سے موتی جیسے میرے دو لڑکے بھی ہیں اور میرے ساتھ اُس کا معاملہ انتہائی مہربانی کا تھا، مگر گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے نیزہ اُٹھایا اور اس کے پیٹ پر رکھتے ہوئے تکیہ لگایا یہاں تک کہ اسے قتل کیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے فرمایا: "أَلَا! اشْهَدُوْا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ" یعنی اس لونڈی کا خون ہدر ہے جس کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔

(سنن ابي داود، باب: الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم، حديث نمبر: 4361)

دیکھئے! اس صحابی نے نبوی عدالت کی موجودگی میں عدالت کا انتظار کئے بغیر گستاخ رسول (صلى الله عليه وسلم) کو قتل کیا، تو موجودہ کفری قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والی عدالتوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کا انتظار ضروری ہو، بلکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنا چاہئے کہ انہوں نے ایک منافق شخص کا سر قلم کیا تھا (باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود موجود تھے، ان کی عدالت موجود تھی) جس کا قصہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ

ایک منافق اور ایک یہودی کے مابین کسی معاملے میں اختلاف سامنے آیا، منافق اس معاملے کو کعب بن اشرف کے پاس لیجانا چاہتا تھا، اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے فیصلہ کرانے کے حق میں تھا، بالآخر فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا، تو منافق نے یہودی سے (یہ سوچتے ہوئے کہ حضرت عمر یہودیوں کا سخت مخالف ہے، اس لیے) کہا کہ میں اس فیصلے پر اُس وقت تک راضی نہیں جب تک عمر (رضی اللہ عنہ)

کے سامنے اس معاملے کو پیش نہ کروں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ دونوں گئے، یہودی نے عمر رضی اللہ عنہ کو پورا قصہ بیان کیا، جب عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا تو گھر سے تلوار لا کر منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہوں ان کے بارے میں میرا یہی فیصلہ ہے"۔ (تفسیر القرطبی، ج: 5، ص: 264، و زاد المسیر)

یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان کے تحت علماء نے اجازت دی کہ آدمی کو منکر کارد کرنا چاہئے، اگرچہ اس میں منکر میں مبتلا شخص کو قتل کرنا پڑے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِذَا وَجَدَ رَجُلًا مَعَ امْرَأَةٍ لَا تَحِلُّ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَزْنِيَ بِهَا فَهَذَا لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ يَنْزَجِرُ بِغَيْرِ الْقَتْلِ سَوَاءٌ كَانَتْ أَجْنَبِيَّةً عَنْ الْوَاجِدِ أَوْ زَوْجَةً لَهُ أَوْ مَحْرَمًا مِنْهُ، أَمَّا إِذَا وَجَدَهُ يَزْنِي بِهَا فَلَهُ قَتْلُهُ مُطْلَقًا".

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی آدمی کو ایک ایسی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے پہلے پالے جو اس کے لیے حلال نہ ہو تو اُس آدمی کا قتل کرنا جائز نہیں، بشرط یہ کہ پانے والے شخص کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ آدمی قتل کئے بغیر اس حرام کام سے رُک جائے گا۔ برابر بات ہے کہ وہ عورت واجد (پانے والے) شخص سے اجنبی ہو، یا اس کی بیوی ہو، یا اس کی محرم (بہن، بیٹی وغیرہ) ہو، تمام صورتوں میں مسئلہ یہی ہے۔ اور جب وہ شخص کسی عورت کے ساتھ کسی آدمی کو زنا کرتے ہوئے پالے تو مطلقاً اس کے لیے اس آدمی کا قتل کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار، ج: 4، ص: 63)

یہ گناہ زنا کرنے کا گناہ ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (العیاذ باللہ) گستاخی کرنا شرک کے بعد کوئی گناہ اس کے برابر نہیں۔ حالانکہ پاکستان کے ملعون عدالتوں نے ایسے بہت سے لوگ بری کئے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمان عوام کو چاہئے کہ اس اہم ترین معاملے میں عدالتوں کے چکر لگانے کی بجائے خود ہی عملی قدم اٹھائیں۔

## 13- عالم دین اور مفتی کا منصبی فریضہ ہے کہ صحیح اور غلط نظریات کے بارے میں دینی آگہی مہیا کرے اور مسائل کا درست شرعی حل بتائے، البتہ کسی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر

**کرنا کہ آیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا کلمہ کفر کہا ہے، یہ ریاست و حکومت اور عدالت کا دائرہ اختیار ہے۔**

اس سے مقصود فقط ان لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے جو دن میں کئی بار کلماتِ کفر کی ادائیگی سے کافر ہوتے ہیں (مگر پھر بھی مسلمانوں کی نگاہ میں مسلمان نظر آتے ہیں، کیونکہ تاحال ان پر کسی مفتی کی طرف سے کفر کا فتویٰ نہیں لگا) ورنہ علماء کرام نے اس موضوع کے متعلق مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، عدالتی اور پارلیمانی فیصلے سے پہلے علماء کرام نے غلام احمد قادیانی کے کفر کا فتویٰ دے چکے تھے، اور شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتاب بھی تحریر کی تھی، عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ پوری پوری رات قادیانی کے کفر کو مسلمانوں پر واضح کرنے کے لیے تقریریں کرکے گزارتے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں نے "اسلامی اشتراکیت" کا نعرہ لگایا تھا ان کے بارے میں کفر کا فتویٰ علمائے کرام نے جاری کیا تھا، (حالانکہ تاحال پاکستان کی عدلیہ اور آئین انہیں مسلمان کہتے ہیں) بلکہ علماء کرام نے تو ان لوگوں کو بھی کافر کہا تھا جنہوں نے اسلامی اشتراکیت کا نعرہ لگانے والوں کی تائید کی تھی۔

اگر ایک اسلامی حکومت کی ماتحتی میں اسلامی عدالتیں موجود ہوتیں تو اس جیسے معاملات میں انہی کی طرف رجوع کرنا قرینِ قیاس تھا، لیکن جب ایک طرف حکومت سیکولر نظریات کی حامل ہے اور اوپر سے عدالتوں میں جج صاحبان کا میلان الحاد و زندقہ کی طرف ہے تو ایسے حالات میں ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کسی ایسے شخص کی تکفیر کریں گے جو کلماتِ کفر کی ادائیگی کو کوئی حیثیت نہ دیتا ہو۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سود کی حرمت (قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے) کے باوجود پاکستان کی سب سے اعلیٰ عدالت (سپریم کورٹ) نے قانونی حیثیت دی۔

رہی یہ بات کہ پاکستان میں تو شرعی عدالت موجود ہے اس کی طرف رجوع کرنے کو لازم سمجھا جائے؟ اس بارے میں گزارش ہے کہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے کہ شرعی عدالت تو ایک متعیّن دائرے تک محدود ہے، آئین نے اس کو چھ اہم اُمور (جس میں بنیادی حقوق بھی ہیں، اور اس میں آزادئ اظہارِ رائے بھی داخل ہے، ان) میں مداخلت سے منع کر رکھا ہے، اس لیے شرعی عدالت کسی کی آزادئ اظہارِ رائے پر پابندی عائد کرنے کی مُجاز نہیں، تو ایسے اُمور میں فتویٰ کیسے

صادر کر سکتی ہے۔

لہٰذا ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اس جیسی باتیں لکھ کر، لوگوں سے ان پر دستخط لے کر پاکستان کے غیور مسلمانوں سے یہ حق چھیننے کی یہ کوشش ناکام ہے اور ناکام رہے گی، کیونکہ پاکستان کے مسلمانوں کے دل میں اللہ، اس کے رسول اور دینِ اسلام کی جو محبت ہے اُسے ان حربوں سے ان کے دلوں سے نکالا نہیں جاسکتا، ان شاء اللہ۔

**14- سرزمین پاک اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے۔اس کا ایک ایک چپہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ریاست پاکستان کو ودیعت کردہ اقتدار کا اعلیٰ.... امین ہے۔اس لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سرزمین کسی بھی قسم کی دہشت گردی کے فروغ، دہشت گردوں کے گروہوں کی فکری و عملی تیاری، کسی بھی مقام پر دہشت گردی کے لئے لوگوں کی بھرتی، مسلح مداخلت اور اس جیسے دوسرے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے ہرگز استعمال نہیں ہونے دی جائے گی۔**

خوشنما الفاظ کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح جہاد سے لوگوں کو منع کیا جائے، مذکورہ بالا پیراگراف میں جہاد کو دہشت گردی اور انتہاء پسندی سے اس لیے تعبیر کیا، تاکہ کوئی ان پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے کہ یہ جہاد کو نہیں مانتے۔ لیکن اب حقیقت کہاں چھپ سکتی ہے، پاکستانی قوم کو ان اہلِ ہویٰ کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے، انہوں نے ہمیشہ اسلام اور اسلام کی طرف منسوب افراد کے خلاف اس جیسے الفاظ کا سہارا لے کر ہمیشہ انہیں نشانہ بنایا، قبائلی علاقوں میں آپریشنز کے لیے انہوں نے "غیر ملکی شدت پسند، دہشت گرد" کے الفاظ استعمال کرکے آپریشن شروع کیا، مگر اُس وقت کے 500 جید علماء نے ان کے خوشنما الفاظ سے متاثر ہوئے بغیر ان آپریشنوں میں مرنے والے پاکستانی فوجیوں کو مردار اور اُن کے مقابل میں مجاہدین (جنہیں حکومت دہشت گرد یا شدّت پسند کہتی تھی، ان) کی شہادت کا فتویٰ جاری کیا۔ امارت اسلامی افغانستان کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کو اس لیے امریکا کے حوالہ کردیا کہ وہ ان کی اصطلاح میں دہشت گرد تھے، لہٰذا یہ لوگ اگر اپنے مذموم مقاصد کے لیے کتنے ہی اچھے الفاظ کا سہارا کیوں نہ لیں عوام ان کے مکر وفریب سے آشنا ہو چکے ہیں، اب انہیں دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

15- مسلمانوں میں مسالک و مکاتب فکر قرون اولیٰ سے چلے آرہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ان میں دلیل واستدلال کی بنیاد پر فقہی اور نظریاتی ابحاث ہمارے دینی اور اسلامی علمی سرمائے کا حصہ ہیں اور رہیں گے، لیکن یہ تعلیم و تحقیق کے موضوعات ہیں اور ان کا اصل مقام درسگاہیں ہیں۔اختلاف رائے کے اسلامی اداب(آداب مراعاۃالخلاف)( ethics of disagreement)کو تمام سرکاری و نجی درسگاہوں کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

یہ ایک اچھی بات ہے، البتہ علماء کرام اور عامة المسلمین اس بات پر نگاہ رکھیں کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے پس پردہ وحدت الادیان اور تقاربِ ادیان کا منحوس نظریہ کارفرما ہو، اور "آداب الخلاف" کے نام پر طالب علموں کے اذہان سے باطل ادیان ومذاہب کے بطلان کو مٹا کر ان کے لیے نیک جذبات کی تخم ریزی کریں، اور یوں طالب علموں کے دل ودماغ سے "الولاء والبراء" کا عقیدہ خدانخواستہ مٹ نہ جائے۔ بذاتِ خود یہی ادارہ (ادارہ تحقیقات اسلامی) سب سے زیادہ اس گھناؤنے کام میں ملوث پایا گیا ہے، (جس کی تفصیلات ہم کسی اور موقع پر بیان کریں گے، فی الحال رسالہ کافی طوالت اختیار کرچکا ہے)۔

16- اسلامی تعلیمات اور دستور پاکستان 1973ء کے مطابق حکومت اور عوام کے حقوق وفرائض ہیں۔ جس طرح عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فرائض درست اسلامی تعلیمات اور دستور پاکستان کے تقاضوں کے مطابق انجادیں، اسی طرح ریاستی ادارے اوران کے عہدے دار بھی اپنے فرائض حقیقی اسلامی تعلیمات اور دستور پاکستان کے تقاضوں کے مطابق ادا کرنے کے پابند ہیں۔

سب سے پہلے مسلمان عوام کا فریضہ یہ ہے کہ اُن رکاوٹوں کو دور کریں جو اسلامی نظام کی راہ میں ہیں، تاکہ حکومتی سطح پر اصلاح ہو کر ایک صالح نظام آئے، اور نتیجتاً اسلامی نظام کے سائے میں اسلامی معاشرہ ترقی کرے، کیونکہ جب تک حکومتی سطح پر اسلامی نظام قائم نہ ہو جائے، اسلامی قوانین کو

عملی جامہ نہ پہنایا جائے اُس وقت تک معاشرے کی اصلاح ناممکن کے درجہ میں ہے، لہٰذا اس کے لیے:

1. پاکستان کے عوام کو چاہیئے کہ وہ اسلامی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ (جمہوریت) کو ہٹائیں، کیونکہ پاکستانی جمہوریت (چاہے اسے مشرقی کہا جائے یا مغربی، اور چاہے اسے اسلامی کہا جائے یا کفری، ہر حال میں اس) نے اسلامی نظام کا راستہ اس طور پر روک رکھا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اسلامی قوانین کو مطلقاً قطعی قانون کا درجہ بلا قید و شرط نہیں مل سکتا۔ کیونکہ جمہوری نظام کی وجہ سے اسلامی نظام (شریعت) کی قانونیت اکثریت کے پاس کرنے اور منظور کرنے پر موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون کی حاکمیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک بِل کی شکل میں ایوان کے سامنے پیش ہو، اگر وہ اسے منظور کرے تو تب ملکی قانون بنے گا، ورنہ نہیں۔ اسی لیے تو ہمارے ملک میں تین دفعہ شریعت بِل پیش کی گئی مگر جمہوری نظام کی وجہ سے ملکی قانون کی حیثیت اختیار نہ کر سکی، کیونکہ جمہوری نظام میں فیصلہ اکثریت کرتی ہے اور اکثریت شریعت بِل کی مخالف تھی۔ اس لیے جب تک پاکستان میں جمہوریت بطورِ نظامِ حکومت موجود رہے اُس وقت تک اسلامی نظام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہوگا، لہٰذا سب سے پہلے اس رکاوٹ کو ہٹانا ہوگا۔

2. دستور کی تابعداری کی جگہ دستور کی مخالفت اُمت اور پاکستانی عوام کے ایمان اور عقیدے کا حصہ ہے، وہ دستور جو اسلامی حکم کو واجب الاطاعت قانون بننے کے لیے یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ قانونی پروسیجر سے گزر کر ہی قانون بنے گا، وہ دستور و آئین جس نے عورت کی حکمرانی کے خلاف بِل کو اس وجہ مسترد کیا تھا کہ وہ آئین کے باب دوم میں موجود بنیادی حقوق کے ساتھ متصادم اور مخالف ہے، اس آئین و دستور کو مسترد کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، کیونکہ پاکستانی دستور و آئین میں بعض اسلامی دفعات کے ساتھ انگریزی کفری دفعات شامل ہیں، اور انہیں آئینی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے اُس آئین و دستور کو مسترد کرنا مسلمانوں پر لازم ہے جس نے شرعی عدالت کو محدود دائرہ میں بند کیا ہے، اس آئین و دستور کو مسترد کرنا مسلمانوں پر لازم ہے جس نے اسلامی نظریاتی کونسل کو ایک سفارشی کا درجہ دے رکھا ہے، لہٰذا جو آئین و دستور اسلامی نظام کی راہ میں مسلسل بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی ہو اُس کی مخالفت کرنا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانا مسلمانوں پر فرض

ہے۔

ہم پاکستانی عوام سے مکرر کہتے ہیں اگر وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا چاہیں، ایک اچھا اسلامی معاشرہ تشکیل دینا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے جمہوریت اور اس کے بعد وہ دستور و آئین ختم کریں جو جمہوریت ہی کا عطا کردہ ہے، کیونکہ یہی دونوں اسلامی نظام کی راہ میں بنیادی رکاوٹ ہیں۔

**17- پُرامن بقائے باہمی اور باہمی برداشت کا فروغ پرامن اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے، اس لیے اسلام کے اصولوں کے مطابق جمہوریت، حریت، مساوات، برداشت، رواداری، باہمی احترام اور عدل وانصاف پر مبنی پاکستانی معاشرے کی تشکیل جدید ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے ملک کے اہل علم ودانش اور اہل اختیار واقتدار کو مطلوبہ کاوشوں کو مربوط طریقہ سے ہم آہنگ کرنے پر توجہ دینا ہوگی۔**

اس مادہ میں متضاد چیزیں جمع کی گئی ہیں، امن اور اسلامی معاشرے کا قیام جمہوریت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے، حالانکہ جمہوریت اور اسلامی معاشرے کا قیام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسلامی معاشرہ تو وہ معاشرہ ہے جس میں اسلامی احکامات کو بغیر چوں وچرا کے مطلق حاکمیت حاصل ہوتی ہے، یعنی وہ حاکمیت جس کے سنتے ہی لوگ سر تسلیم خم کریں، اپنی خواہش اس کے فیصلے کے سامنے مٹا دیں، جبکہ جمہوریت میں جن اسلامی احکامات کو قانونیت کا درجہ دیا جاتا ہے وہ اولاً انسانی عقل پر پَرکھے اور تولے جاتے ہیں، ان پر خوب بحث ہوتی ہے، ان کو دورِ جدید کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ آئین میں تبدیلی کرکے اُسے اسلامی احکامات کے مطابق بنایا جائے اُلٹا اسلامی احکامات کو آئینی دفعات کے ساتھ مطابقت دینے کی کوشش کی جاتی ہے، (اور اگر مطابقت ممکن نہ ہو انہیں مسترد ہونا پڑتا ہے) اب آپ ہی سوچیں کہ ایسی صورت حال میں جمہوریت اور اسلامی معاشرہ کیسے ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟ جس معاشرے میں اسلامی قانون کو فقط ایک تجویز کی حیثیت حاصل ہو، جس کی قبولیت ارکانِ پارلیمنٹ کی اکثریت کی منظوری پر موقوف ہو، وہ معاشرہ کس

طرح اسلامی ہو سکتا ہے؟

جی ہاں! وہ کبھی بھی اسلامی معاشرہ نہیں، بلکہ وہ ایک جمہوری معاشرہ ہے، جس کا اسلامی معاشرے کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا اسلام کو جمہوریت کے ساتھ وابستہ کرنا اجتماعِ نقیضَین ہے۔

اسی طرح اسلام کو مساوات کے ساتھ وابستہ کیا ہے، حالانکہ مساوات سے مراد جمہوری مساوات ہے جس میں مسلمان وکافر کو یکساں حقوق حاصل ہوتے ہیں، جس میں فقط پاکستانی شہری ہونے کی وجہ سے مجنون، پاگل، دیوانہ وغیرہ ایک محقق برابر ہے، جس میں مرد و عورت برابر ہیں، حالانکہ مرد و عورت کے درمیان ایسی مساوات شرعاً جائز نہیں جس میں عورت کو مرد کا ہم پلہ قرار دے مردوں کے امتیازات سے صرفِ نظر ہو، جس میں ایک عورت بھی مسلمانوں کی سربراہی (امامت) کر سکتی ہو، ایسی مساوات ماننے کا مطلب اپنے ایمان کو اٹھا کر طاق میں رکھنے کے مترادف ہے۔

آج کل لوگوں کو مساوات کا ہیضہ ہو گیا ہے، مساوات کو ہر جگہ ایک اچھی چیز سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ہر مساوات محمود نہیں، نبی اور اُمتی کے درمیان مساوات، پیر و مرید کے مساوات، استاد و شاگرد کے درمیان مساوات، بادشاہ و رعیت کے درمیان مساوات کا تو شاید کوئی بھی قائل نہیں، کیونکہ ان کے درمیان فرق ایک فطری اور قدرتی ہے، اگر ان کے درمیان مساوات کو مان لیا جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر چیز کی اپنی ایک حد ہوتی ہے، جسے پار کرنا عقل مندی نہیں۔

حریت کے تحت غیر مسلموں، لیبرل، سوشلسٹ، کمیونسٹ اور اس طرح دیگر الحادی نظریات رکھنے والے افراد کو آزادانہ طور پر اجتماعات منعقد کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اسے اسلامی حریت کا نام دیا جاتا ہے، اگر یہ کفر نہ ہو تو کفر اور کیا ہوگا؟!

متفقہ اعلامیہ کے نام سے جاری اعلامیے کی دفعات میں سے بڑے نکات کا رد ہم نے قرآن وسنت اور اسلامی شریعت کی روشنی میں کیا، ان کے علاوہ بعض دفعات کے متعلق قدرے بحث گزشتہ عنوانات کے تحت گزری ہے، جبکہ بعض دفعات کا تعلق انتظامی پالیسی ہے، جنہیں ہم زیرِ بحث نہیں لائیں گے۔

# (5)

# 2 متفقہ فتویٰ

پیغام ، پاکستان کے اس عنوان (متفقہ فتویٰ) کے تحت یہ کوشش کی گئی ہے کہ ، پاکستان (جو درحقیقت ایک غیر اسلامی ریاست ہے، اس) کو اسلامی ریاست ثابت کیا جائے، اور اس غیر اسلامی ریاست کے خلاف جاری مقدّس جہاد کو باطل اور دہشت گردی کے القابات سے نوازا جائے۔ اور پھر بعض علماء سے زبردستی، بعض کو لالچ دے کر، اور بعض کے جعلی دستخط کرکے دستخط حاصل کرکے اسے موثّق بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا جواب (باذن اللہ) ہم اس طور پر دیں گے کہ اس برائے نام فتوے کی عبارتیں نقل کرکے ان کا اِبطال کریں گے۔

"متفقہ فتویٰ" میں ہے:

شق 1- اسلامی جمہوریہ پاکستان یقیناً اپنے دستور وآئین کے لحاظ سے ایک اسلامی ریاست ہے، جس کے دستور کا آغاز ہی قراردادِ مقاصد کے اس جملے سے ہوتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے''

یہ قراردادِ مقاصد ملک کی تمام دینی اور سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے دستور کا حصہ بنائی گئی اور 1956ء سے لے کر 1973ء تک ہر دستور میں موجود رہی اور آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ دستور کی دفعہ 31 میں مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی اپنانے کے لیے مختلف پالیسی کے اصول وضاحت کے ساتھ درج ہیں، نیز دفعہ 227 میں اقرار کیا گیا ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے تحت اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلامی احکام کے خلاف ہو اس اصول پر عمل کروانے کے لیے دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت بینچ کا راستہ کھلا ہوا ہے، جس کے تحت ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف قوانین کو عدالت میں چیلنج کرکے انہیں تبدیل کروائے۔

ان امور کے پیشِ نظر پاکستان کسی شک وشبہ کے بغیر ایک اسلامی ریاست ہے، اور کسی قسم

کی عملی خامیوں کی بناپر اسے،اس کی حکومت یاافواج کو غیر مسلم قرار دیناہر گز جائز نہیں،بلکہ گناہ ہے۔

آیئے!اس حقیقت کا پردہ چاک کریں کہ مذکورہ بالا مواد پر مشتمل ہونے کے باوجود آئینِ پاکستان کو طالبان کفری آئین کیوں کہتے ہیں؟ آیا طالبان ان مواد سے بے خبر ہیں کہ یہ آئینِ پاکستان کا حصہ ہیں؟ یا کوئی اور بات ہے؟ طالبان کو خوب معلوم ہے کہ مذکورہ بالا دفعات (جنہیں بعض لوگ اسلامی کہتے ہیں) آئینِ پاکستان کا حصہ ہیں مگر اس کے باوجود آئین غیر اسلامی ہے۔ اسی طرح طالبان یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف آئین کے اسلامی ہونے سے کوئی ملک مکمل طور پر اسلامی نہیں بنتا؟

پیغام کو مرتّب کرنے والوں کا خیال تو یہ ہے کہ طالبان (یا ان کی طرح اور لوگ جو آئینِ پاکستان کو کفری آئین کہتے ہیں، وہ) آئین سے بے خبر ہیں۔ لیکن ان کی یہ سوچ درست نہیں، کیونکہ ہم نے (بحمد اللہ) اس آئین کو ورق بہ ورق مطالعہ نہیں حفظ کیا ہے، اور اس پر پورا عبور رکھتے ہوئے غیر اسلامی کہتے، بلکہ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پاکستان کو اسلامی نہ کہنے کی بنیادی وجہ یہی آئین ہے۔

**پہلی بات:** ہم ان دفعات کے باوجود آئینِ پاکستان کو اسلامی نہیں کہتے، کیونکہ:

- اگرچہ ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر آئینِ پاکستان مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیونکہ یہ دفعات آئین میں اس حیثیت سے شامل نہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے، لہٰذا یہاں دو عقیدے ہوئے:

1) اسلامی عقیدہ ۔ اس عقیدے کا کہنا ہے کہ جب ایک حکم کے بارے میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو اتنی بات اس کے واجب الاطاعت قانون بننے کے لیے کافی ہے۔

2) جمہوری عقیدہ۔ اس عقیدے کا کہنا ہے کہ ایک حکم کا واجب الاطاعت قانون بننے کے لیے اتنی بات کافی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، بلکہ وہ واجب الاطاعت قانون تب بنے گا جب ایوان کی دو تہائی اکثریت اسے پاس کر کے قانون بننے کے لیے منظور کرے۔

لہٰذا آئین میں مذکورہ دفعات کو مقنّنہ ایوان کے سامنے پیش ہونے اور ان کی منظوری کے بعد قانونی شکل دی گئی ہے، اور جب انہیں جمہوری قانون کے تحت یہ حیثیت (قانونی شکل) حاصل ہے اس بنا

پر یہ غیر اسلامی ہیں، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب "حکیم الامت کے سیاسی افکار" نامی کتاب میں لکھتے ہیں:

> جمہوریت، کا سب سے پہلا رکنِ اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکمِ اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے، اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوا ہو وہ واجب التعمیل اور ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرتِ رائے کے اس فیصلہ پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کی اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کردے۔ (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن وسنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ (حکیم الامت کے سیاسی افکار صفحہ نمبر 17)

لہٰذا مذکورہ بالا دفعات چند وجوہات کی بنا پر اسلامی نہیں:

1) جب اللہ تعالیٰ کا قانون ملکی قانون بننے کے لیے انہوں نے اس بات کا محتاج بنایا کہ اسے مقنّنہ سادہ اکثریت سے پاس کرے گی تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے یہاں اللہ تعالیٰ کا قانون فی الحال واجب الاطاعت قانون نہیں۔ یہ ارکانِ پارلیمنٹ کا ذاتی عقیدہ نہیں، بلکہ یہ جمہوری عقیدہ جو انہوں نے اپنا رکھا ہے، اور یہی پاکستانی جمہوریت اور اساسی قانون کا عقیدہ ہے کہ جو دفعات اکثریت پاس کرے گی وہی ملکی قانون کا حصہ ہوں گی۔ لہٰذا مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات بایں معنی اسلامی نہیں کہ ان کی قانونی حیثیت بوجہ ثبوت از قرآن وسنت نہیں۔

2) دوسری بات یہ کہ آئین میں جو دفعات اس بنیاد پر شامل ہیں کہ یہ اکثریت کی طرف سے پاس کردہ ہیں تو کل اکثریت یہ بھی کر سکتی ہے کہ ان کی قانونی حیثیت ختم کردے اور ان کی جگہ واضح کفری دفعات کو قانونی حیثیت دے، کیونکہ جمہوری اُصول کے تحت اکثریت آئین میں ترمیم کر سکتی ہے۔

- اگرچہ آئین ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی

نہیں، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اس آئین میں بعض ایسی دفعات شامل ہیں جو غیر اسلامی ہیں (جنہیں ہم نے بار بار ذکر کیا ہے) مثلاً ہر دین ومذہب کے افراد کو اجتماعات کی آزادی، مذہبی آزادی، قانوناً جزیے کا خاتمہ، فی الحال سود کو برقرار رکھنا۔ اسی طرح آئین میں ترمیم کا آزادانہ حق ایوان کو دینا شامل ہے، چنانچہ آئین کہتا ہے:

239۔(5) دستور میں کسی ترمیم پر کسی عدالت میں کسی بناء پر چاہے جو کچھ ہو کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔

اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

239۔(6) ازالہ شک کے لئے، بذریعہ ہذا قرار دیا جاتا ہے کہ دستور کے احکام میں سے کسی میں ترمیم کرنے کے مجلس شوری (پارلیمنٹ) کے اختیار پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

یہی آئینی دفعات اس حق کا اظہار کرتی ہیں جو ایوان کو حاصل ہیں، چنانچہ ایوان کے اس مذکورہ حق میں کسی قسم کی عدالت کو مداخلت کا اختیار حاصل نہیں، حتیٰ کہ شرعی عدالت (جو شرعی اور غیر شرعی قوانین کے مابین فرق کرتی ہے اور غیر شرعی قوانین کو مسترد کرتی ہے، اسے) بھی اس میں مداخلت کا حق نہیں۔ اس قسم کی دفعات واضح غیر اسلامی اور انگریزی دفعات ہیں، چنانچہ جس طرح آئین میں بعض اسلامی دفعات کو جگہ دی گئی ہے اسی طرح انگریزی (کفری) دفعات کو بھی اس میں مقام حاصل ہے، جس طرح بعض اسلامی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے اسی طرح غیر اسلامی دفعات کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے، اور خود عدالتوں نے اس پر کئی بار فیصلے صادر کئے ہیں کہ دستور دفعہ 227 کی حیثیت اُن دفعات کے ساتھ مساوی ہے جو قطعی طور پر غیر اسلامی ہیں، اور دستور تبدیل کرنے (ترمیم) کا کام صرف پارلیمنٹ کا ہے اور وہ بھی اس طریقے پر جسے دستور نے منظور کیا ہے، یعنی دفعہ 238 اور 239 کے مطابق یہی اسلامی دفعات اور غیر اسلامی دفعات عوامی نمائندہ گان کے سامنے پیش کئے جائیں گے، اوّلاً پارلیمنٹ میں اور ثانیاً سینٹ میں، اور پھر صدر کے توثیقی دستخط کے بعد آئین کا حصہ بن پائیں گے۔

جن اسلامی دفعات کو آئین میں شامل کرنے کے واسطے بل کی صورت میں عوامی نمائندہ گان کے سامنے پیش کیا گیا ہے اگر وہ انہیں نامنظور کریں تو باوجود اس کے کہ قرآن وحدیث انہیں احکام کہتے ہیں لیکن

وہ آئین کا حصہ نہیں بن پائیں گے، اور اس نامنظوری کو کسی عدالت میں چیلنج بھی نہیں کیا جاسکتا کہ جس کی بنیاد پر ایوان کے خلاف کیس بن سکے، کیونکہ ایوان کو ان جیسے فیصلوں میں ہر قسم کا تحفظ حاصل ہے، اسی آئین کی دفعہ 239 (5) اور (6) میں یہ تحفظ موجود ہے۔ اور ان جیسے معاملات میں پاکستانی عدالتوں کے سابقہ فیصلے موجود ہیں، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، جسے مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اسلام کا قانون عشر وزکوۃ" میں نقل کیا ہے (جس کا حوالہ پہلے گزار ہے)، اور اگر کوئی شخص مزید تفصیل جاننے کا خواہشمند ہو تو وہ جسٹس محمد رفیق بٹ کی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح آئین میں بعض اسلامی دفعات ہیں (اگرچہ وہ دفعات غیر اسلامی طریقہ سے آئین میں داخل کی گئیں ہیں)، لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ یہی آئین غیر اسلامی دفعات پر بھی مشتمل ہے اور باقاعدہ انہیں قانونی حیثیت حاصل ہے، حتیٰ کہ دونوں قسم کے دفعات کو آئین کا حصہ بنانے یا آئین سے ہٹانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور جو آئین اسلامی وغیر اسلامی قوانین پر مشتمل ہو وہ اسلامی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ غیر اسلامی ہی سمجھا جائے گا، جس طرح چنگیز خان کے بنائے ہوئے آئین "یاسق" کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُنْكِرُ تعالىٰ عَلَى مَنْ خَرَجَ عَنْ حُكْمِ اللهِ -المُحْكَم الْمُشْتَمِلِ عَلَى كُلِّ خَيْرٍ، النَّاهِي عَنْ كُلِّ شَرٍّ- وَعَدَلَ إِلَى مَا سِوَاهُ مِنَ الْآرَاءِ وَالْأَهْوَاءِ وَالِاصْطِلَاحَاتِ، الَّتِي وَضَعَهَا الرِّجَالُ بِلَا مُسْتَنَدٍ مِنْ شَرِيعَةِ اللهِ، كَمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَحْكُمُونَ بِهِ مِنَ الضَّلَالَاتِ وَالْجَهَالَاتِ، مِمَّا يَضَعُونَهَا بِآرَائِهِمْ وَأَهْوَائِهِمْ، وَكَمَا يَحْكُمُ بِهِ التَّتَارُ مِنَ السِّيَاسَاتِ الْمَلَكِيَّةِ الْمَأْخُوذَةِ عَنْ مَلِكِهِمْ جِنْكِزْخَانَ، الَّذِي وَضَعَ لَهُمُ الْيَسَاقَ وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ كِتَابٍ مَجْمُوعٍ مِنْ أَحْكَامٍ قَدِ اقْتَبَسَهَا عَنْ شَرَائِعَ شَتَّى، مِنَ الْيَهُودِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ وَالْمِلَّةِ الْإِسْلَامِيَّةِ، وَفِيهَا كَثِيرٌ مِنَ الْأَحْكَامِ أَخَذَهَا مِنْ مُجَرَّدِ نَظَرِهِ وَهَوَاهُ، فَصَارَتْ فِي بَنِيهِ شَرْعًا مُتَّبَعًا، يُقَدِّمُونَهَا عَلَى الْحُكْمِ بِكِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ مِنْهُمْ فَهُوَ كَافِرٌ يَجِبُ قِتَالُهُ، حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَى حُكْمِ اللهِ وَرَسُولِهِ، فَلَا يَحْكُمُ سِوَاهُ فِي قَلِيلٍ وَلَا كَثِيرٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس محکم (منسوخ نہ ہونے والے) حکم سے نکل جائیں جو 'ہر خیر پر مشتمل ہے اور 'ہر شر سے منع کرنے والا ہے، اور

(ان لوگوں پر رد فرماتے ہیں جو شریعتِ مطہرہ سے منہ موڑ کر) ان قوانین کی طرف پھرتے ہیں جو لوگوں کی وضع کردہ رائے، خواہشات اور اصطلاحات ہیں، ان کا استناد اللہ تعالیٰ کی شریعت کی طرف نہیں، جس طرح اہلِ جاہلیت اپنے اُن جاہلی گمراہ کُن اُصولوں پر فیصلہ کرتے جنہیں انہوں نے اپنی آراء اور خواہشات سے گھڑ رکھا تھا، اور جس طرح تاتاری حکمران اُن بادشاہی اصولوں پر فیصلے کرتے ہیں جو اُن کے بادشاہ چنگیز خان کے بنائے ہوئے آئین "یاسق/یساق" سے مأخوذ ہیں، اور یاسق ایک ایسی کتاب (آئین) سے عبارت ہے جس میں درج شدہ احکام (دفعات) مختلف شریعتوں سے لے کر جمع کئے گئے تھے، اس کے بعض احکام (دفعات) یہودیت سے لیے گئے تھے، بعض نصرانیت (عیسائیت) سے لیے گئے تھے، بعض اسلامی ملت سے لیے گئے تھے، جبکہ اس کے بہت سے احکام (دفعات) محض اپنی فکر اور خواہش سے درج کردہ تھے۔ پھر یہی کتاب (آئین) چنگیز خان کی اولاد (حکمرانوں) کے لیے واجب الاتباع (واجب الاطاعت) قانون بن گئی، جسے وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر مقدّم کرتے۔ لہٰذا اُن میں سے جو شخص (حکمران) یہ کام کرے (کہ اس یاسق کے مطابق فیصلہ دے) وہ شخص کافر ہے، اس کے خلاف قتال فرض ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم (فیصلے و قانون) کی طرف واپس پلٹ جائے اور (نتیجتاً) وہ قلیل و کثیر (ہر قسم معاملے) میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے علاوہ (کسی اور آئین و دستور) پر فیصلہ نہ کرے۔(تفسير ابن كثير، ج: 3، ص: 131)

چنگیز خان کی مذکورہ آئین (یاسق/یساق) اسلامی شریعت سمیت تورات وانجیل کے آسمانی قوانین پر مشتمل تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اسلامی نہیں کہلایا، کیونکہ اس میں غیر اسلامی قوانین تھے، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس میں اسلامی احکام (دفعات) اس لیے شامل نہ تھے کہ وہ اسلامی قانون ہیں بلکہ وہ اس لئے کہ اس (چنگیز خان) کی رائے کے موافق تھے یاسق کا حصہ بنائے گئے تھے۔

بہر حال! وہ قانون (یاسق/یساق) بہ اجماعِ اُمت کفری قانون تھا، اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کو علماء نے کفر سمجھا تھا۔

- اگرچہ آئین ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیونکہ اس آئین نے شرعی عدالت کو ایک محدود دائرے میں بند کر دیا ہے اور غیر اسلامی (انگریزی قوانین) کو اس آئین نے اجازت دے رکھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسی آئین کی اجازت کے

تحت وہ کفری قوانین جاری وساری ہیں۔-------------------------------

اسی طرح اس آئین نے دیگر عدالتوں کے طریقہ کار میں وفاقی شرعی عدالت کو مداخلت کرنے سے منع کیا ہے، حالانکہ دیگر عدالتوں کا طریقہ کار شریعت کے خلاف ہے، اس میں مدعی سے مدعیٰ علیہ بنایا جاتا ہے، دعویٰ، دلیل، گواہوں اور قسم کے معاملے میں غیر شرعی قوانین کو بروئے کار لاتے ہیں، مگر وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ان عدالتوں کے غیر شرعی طریقہ کار کو بدلے یا انہیں کام کرنے سے روک دیں۔-----------------------------

اسی طرح بینکوں میں جاری سودی کاروبار کے بارے میں شرعی عدالت نہیں کرسکتی کہ اسے اس اساس پر بند کرے کہ یہ اسلام میں حرام ہے۔-----------------------------

اسی طرح بیمہ، ٹیکس اور فیس کے قوانین کے متعلق شرعی عدالت نہیں کرسکتی کہ اس میں موجود غیر شرعی طریقوں کو بند کرے۔-----------------------------------

حتیٰ کہ سب کے سر میں واقع دستورِ پاکستان وفاقی شرعی عدالت کے دائرے سے باہر ہے، یعنی شرعی عدالت یہ نہیں کرسکتی کہ آئین کے وہ دفعات لغو قرار دیں جو شریعت کے ساتھ متصادم ہیں۔ اور شرعی عدالت پر یہ پابندی از خود نہیں لگی ہے، بلکہ یہ پابندی شرعی عدالت پر اسی آئین اور اساسی قانون نے لگا رکھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے ان تمام مستثنیٰ قوانین (جو کہ چھ مادے ہیں، جن کی تفصیلی بحث پہلے گزری) میں غیر شرعی قوانین رائج ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل (جو شرعی عدالت سے متعلق ہے، اس) کو ہم سوالات وجوابات کے طرز پر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوال: شرعی عدالت کو کس نے محدود دائرے میں بند کر رکھا ہے؟

جواب: پاکستان کے اساسی قانون (آئین) کی دفعہ 203 (ج) نے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا چھ شعبوں میں تاحال انگریزی (کفری) قوانین ودفعات کو کس نے تحفّظ فراہم کیا ہے؟

جواب: پاکستان کے اساسی قانون کی دفعہ 203 (ج) نے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ کس نے یہ اجازت دی ہے کہ عدالتیں ان انگریزی قانون کے تحت چلتی رہیں؟اور کس کی وجہ سے پاکستان کے اساسی قانون میں مذکورہ (کفری) دفعات ہوتے ہوئے شرعی عدالت اس کو ہٹانے سے عاجز ہے؟اور کس نے بینکوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ غیر اسلامی قوانین کے تحت کام کریں؟

جواب: ان سب کا ایک ہی جواب ہے کہ پاکستان کے آئین (قانونِ اساسی) کی دفعہ 203 (ج) نے۔

مذکورہ جوابات کے تناظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو قانون یا جو شخص قانوناً یہ اجازت دے کہ عدالتیں، بینک، اور آئینِ پاکستان وغیرہ اس وقت تک غیر شرعی قوانین پر مشتمل رہیں اور ان کے تحت کام کریں جب تک عوامی نمائندے اپنے قانونی پروسیجر اور ترمیمی پروسیجر کے مطابق انہیں بدل نہ دیں، از روئے شرع متین مذکورہ شخص یا مذکورہ ادارے کا کیا حکم ہوگا؟ (اگرچہ وہ یہ کلمہ: «لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ» پڑھے)

جواب: دینِ اسلام کے اصول و قواعد کی روشنی میں ایسا شخص باجماعِ اُمت کافر ہے، اور ایسا قانون و آئین کفری آئین کہلائے گا، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمَعْلُومٌ بِالِاضْطِرَارِ مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ وَبِاتِّفَاقِ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ مَنْ سَوَّغَ اتِّبَاعَ غَيْرِ دِينِ الْإِسْلَامِ أَوْ اتِّبَاعَ شَرِيعَةٍ غَيْرِ شَرِيعَةِ مُحَمَّدٍ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَهُوَ كَافِرٌ، وَهُوَ كَكُفْرِ مَنْ آمَنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَكَفَرَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ.

ترجمہ: اور مسلمانوں کے دین اور تمام مسلمانوں کے اتفاق (اجماع) سے یہ بات خوب واضح ہے کہ جو شخص دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین وغیرہ کی اتباع کو جائز و مباح سمجھے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت کی اتباع کو جائز سمجھے تو وہ کافر ہے، اور یہ اس کفر کی طرح ہے کہ کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کرے۔ (مجموع الفتاوی، ج: 28، ص: 524)

پس یہ آئین عدالتوں کو کفری قوانین کے تحت کام کرنے کا اختیار دیتا ہے، اور یہی آئین شریعت کے کسی حکم کے لیے قانونی پروسیجر سے گزرنے کو شرط قرار دیتا ہے، اور یہی آئین جو بذاتِ خود بنیادی حقوق کے تحت غیر شرعی اور غیر اسلامی قوانین پر مشتمل ہے، اور یہی آئین جو صدرِ مملکت کو ہر قسم

معاملے میں معافی دینے جیسے غیر اسلامی قوانین پر مشتمل ہے۔ یہ سب کچھ آئین کے اعمال نہیں (کہ جن کی وجہ سے ہم آئین کو فاسق کہیں) بلکہ ان معاملات کو آئین نے قانونی حیثیت دی ہے، اور ان مسائل میں قانونی جواز فراہم کیا ہے کہ غیر اسلامی قوانین اور شریعتِ محمدی کے علاوہ دوسرے قوانین اور چارٹر کی اتباع کی جا سکتی ہے، لہٰذا ایسا آئین غیر اسلامی اور کفری ہے۔

- اگرچہ آئین ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیونکہ اس آئین کے قانونی اور ترمیمی پروسیجر کے تحت پاکستان میں تین دفعہ شریعت بِل مسترد ہوئی، آج بھی کوئی شخص پارلیمنٹ اور ایوان بالا کے خلاف کسی عدالت میں یہ اپیل نہیں کر سکتا کہ ایوان نے شریعت بِل ملتوی یا مسترد کیا ہے، لہٰذا اس بنا پر انہیں سزا دی جائے۔ اس قسم کی کارروائی نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ آئین کی دفعہ 70 کے قانونی پروسیجر اور دفعہ 238 و 239 کے ترمیمی پروسیجر نے انہیں بے پناہ اختیارات دے رکھے ہیں، لہٰذا شریعت بِل کو در حقیقت اسی آئین نے مسترد کیا ہے، جبکہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفي هذه الآية دلالة على أن من ردّ شيئا من أوامر الله تعالىٰ أو أوامر رسوله صلى الله عليه وسلم فهو خارج من الإسلام سواء ردّه من جهة الشك فيه أو من جهة ترك القبول والامتناع من التسليم.

ترجمہ: اور اس آیت میں اس بات کی دلالت پائی جاتی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوامر میں سے کسی امر کو رد (مسترد) کرے وہ خارج از اسلام ہے، پھر یہ رد کرنا (قبول نہ کرنا) برابر بات ہے: اس بنا پر ہو کہ اس کے بارے میں شک میں واقع ہوا ہے یا اسے وہ امر قابلِ قبول نہیں، یا اسے تسلیم کرنے سے رُک گیا ہو۔ (احکام القرآن، ج: 3، ص: 181)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ علامہ ابو بکر جصاص رحمہ اللہ ان لوگوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں جو شریعت کو رد کریں اور اس کی قانونی حیثیت کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔

اب آئین کے تحت قانوناً یہ اختیار کسی ادارے کو دینا کہ وہ ہر قسم کے بِل (چاہے شریعت بِل کیوں نہ ہو) مسترد کرنے کا حق رکھتا ہے، اور پھر اسے یہ تحفظ فراہم کرنا کہ اس کے خلاف کسی عدالت میں کیس بھی دائر نہیں کیا جا سکتا، آیا ایسا آئین اور ایسا قانون اسلامی ہو سکتا ہے؟ ہمارا جواب تو یہی ہے

کہ ہرگز اسلامی نہیں ہو سکتا، اگرچہ اس میں یہ الفاظ بھی ہوں کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، یا یہ بات لکھی ہو کہ اسلامی قانون کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

- اگرچہ آئین ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیونکہ یہ دفعات وعدوں کی شکل ہیں، اور وعدوں کا کوئی پتہ چلتا۔ اب یہ بات کہ ان دفعات کی حیثیت وعدوں کی ہے، اس پر آئین کا یہ دفعہ دلیل ہے:

> 227۔(1) تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔

اردو دان طبقہ جانتا ہے کہ اس میں استعمال صیغے مستقبل کے ہیں، جن سے وعدہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ زمانے (مستقبل) میں موجودہ غیر شرعی قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنائے جائیں گے۔

**اس پر پہلا سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ** آج تک اس کے تقریباً 45 سال ہوئے مگر سابقہ غیر شرعی قوانین جوں کے توں برقرار ہیں، تاحال ان کی جگہ اسلامی احکامات نہ لے سکی؟

**اس پر دوسرا سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ** جب تک ان غیر شرعی قوانین کو قرآن اور سنت کے مطابق نہ بنایا جائے اُس وقت تک ان کی قانونی حیثیت بحال ہے کہ نہیں؟ اگر قانونی حیثیت بحال ہے (جس طرح ہم دیکھتے ہیں وہ عملاً نافذ ہیں) تو ایسی صورت حال میں ہمارے ملک اور اس کے آئین کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** ایسا ملک مذکورہ صورت حال میں اسلامی نہیں ہو سکتا، وہ ایک غیر اسلامی ملک ہوگا، کیونکہ جو لوگ اس آئین کو اسلامی کہتے ہیں تو اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس میں بعض اسلامی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں کسی ملک وآئین کی اسلامیت کا دارومدار احکام کو عملی جامہ پہنانے پر نہیں بلکہ قانونی حیثیت دینے پر موقوف ہے۔ تو جب قاعدہ یہی ہوا تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ خود آئین ساز اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آئینِ پاکستان میں غیر شرعی قوانین قانونی حیثیت اور عملی شکل میں موجود ہیں تو جس بنیاد پر یہ آئین اسلامی ہے اسی بنیاد پر غیر اسلامی کیوں نہیں؟ کیونکہ علّتِ مشترکہ تو دونوں طرف میں موجود ہے۔ ایک جانب کو ترجیح دینے کے کیا اسباب ہیں؟ آیا یہ بات کہ اس کے زیادہ تر احکامات اسلام کے مخالف نہیں؟ یا یہ بات کہ اس آئین میں یہ وعدہ

کیا گیا ہے کہ غیر شرعی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا؟ وجہ کوئی بھی ہو مگر ان کے بنائے ہوئے قاعدے کی روسے جب تک آئین میں کوئی ایک غیر شرعی قانون بھی برقرار رہے وہ آئین اسلامی نہیں ہو سکتا، فقط وعدوں سے حکم میں تبدیلی واقع نہ ہو گی۔

یہاں تیسرا سوال یہ ہے کہ جو قوانین غیر اسلامی ہیں، ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے کونسا طریقہ کار اپنایا جائے گا؟ خصوصاً اُن اُمور سے متعلق قوانین جو شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، انہیں کس طریقِ کار کے مطابق اسلامی بنایا جائے گا؟ آیا اسی قانونی اور ترمیمی پروسیجر سے گزر کر انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا؟ اگر بات ایسی ہی ہو تو اس کا شرعاً حکم کیا ہوگا؟

جواب: جی ہاں! قانونی پروسیجر سے گزرنا لازمی بات ہے، سب سے پہلے انہیں آئینی دفعات کی ترازو پر تولا جائے گا، پھر ایوان زیریں اور ایوانِ بالا میں اس پر بحث ہو گی، قانونی بحث کے بعد اگر دونوں ایوانوں کی اکثریت کی رائے انہیں قانون بنانے کے حق میں ہو اور ساتھ میں صدر کے دستخط بھی ہو جائے تب جا کر اس اسلامی قانون کو قانونی حیثیت مل جائے گی، اور اگر انہیں پہلے یا بعد کے مراحل میں مسترد ہونا پڑے (جس کا قوی امکان ہے، کیونکہ شریعت بِل تین بار مسترد ہو چکا ہے) تو آیا یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور قانون کے ساتھ استہزاء نہیں؟ آیا یہ اس کا استخفاف نہیں؟

چوتھا سوال یہاں یہ ہے کہ جو قوانین غیر اسلامی ہیں (مگر انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے گا) اگر کوئی شخص ان قوانین کا اسلامی سانچے میں ڈھالے جانے سے پہلے کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کس قانون تحت ہو گی؟ شرعی قانون کے تحت یا موجودہ غیر اسلامی قانون کے تحت؟

جواب: آئین کہتا ہے کہ اس کے خلاف کارروائی رائج قانون کے مطابق ہو گی، اگر رائج قانون کے مطابق کسی شخص کو سزا مل جائے اور یہی قانون بعد میں بدل جائے (مثلاً اسلامی قانون اس کی جگہ لے لے) تو اس شخص پر دوبارہ (اسلامی قانون کے مطابق) سزا جاری نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو رائج قانون میں جرم نہ ہو (حالانکہ شریعت کی روسے وہ ایسے جرم کا ارتکاب کر چکا ہے جس پر اسے سزا دینا ضروری ہے) بعد میں اس جرم کے متعلق شریعت کے مطابق قانون سازی ہو جائے تو اس مذکورہ شخص کو سزا نہیں دی جا سکتی، کیونکہ جب اس نے یہ کام کیا تھا اُس وقت وہ رائج

قانون میں جرم نہ تھا، آئینِ پاکستان کہتا ہے:

12۔(1) کوئی قانون کسی شخص کو۔۔۔۔۔۔۔

(الف) کسی ایسے فعل ،یاترکِ فعل کے لئے جو اس فعل کے سرزد ہونے کے وقت کسی قانون کے تحت قابلِ سزانہ تھاسزادینے کی اجازت نہیں دے گا یا

(ب) کسی جرم کے لئے ایسی سزادینے کو جو اس جرم کے ارتکاب کے وقت کسی قانون کی روسے اس کے لئے مقررہ سزاسے زیادہ سخت یااس سے مختلف ہو، اجازت نہیں دے گا۔

اس دفعہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات خوب واضح ہوتی ہے کہ غیر اسلامی قوانین کو باقاعدہ قانون کا درجہ حاصل ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں اسلامی قوانین کی قانونی حیثیت مکمل طور پر معطل ہے۔

- اگرچہ آئین ان مذکورہ بالا (برائے نام اسلامی) دفعات پر مشتمل ہے، مگر پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیونکہ ملک میں انگریزی وکفری قوانین نہ صرف یہ کہ نافذ العمل ہیں، بلکہ ان کی قانونی حیثیت برقرار ہے، اگر کوئی شخص پھر بھی آئین میں موجود بعض وعدوں اور اعلانات کی وجہ سے آئین کو اسلامی کہتے ہوئے ملک کے اسلامی ہونے کا دعوی کرے تو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اپنے دعوے پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ لازمی بات ہے کہ اس پر اس کے پاس کوئی نص قرآن وسنت سے موجود نہیں، اس لیے اگر وہ یہ کہے کہ ہم اس کے اسلامی ہونے کا دعویٰ اس لیے کرتے ہیں کہ اس میں اسلامی دفعات کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ تو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اس میں تو غیر اسلامی قوانین کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے؟ اگر اسلامی دفعات کی قانونی حیثیت نے یہ تاثیر کیا کہ پورا آئین وملک اسلامی بن گئے، تو یہی تاثیر غیر اسلامی دفعات کی قانونی حیثیت کیوں نہیں کرتی؟ اور یہ سوال ہم اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے یہاں اسلامیت اور غیر اسلامیت کا معیار صرف قانونیت کا درجہ حاصل ہونا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ انگریزی قوانین کی یہ تاثیر اور بھی بڑھ جائے، کیونکہ انہیں ایک طرف قانونی حیثیت ہے تو دوسری طرف بڑے زور وشور کے ساتھ نافذ العمل بھی ہیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ عقائد کے باب میں مرجع سمجھے جانے والے جبال العلم حضرات فقط سرکاری مذہب کی تعیین اور صرف آئین کے اسلامی ہونے کی وجہ سے اسلامی ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے، چنانچہ علامہ زاہد الکوثری (جو علمائے احناف میں بڑے پایے کے عالم ہیں، علمائے

یوبند انہیں عقائد کے باب میں بڑا مرجع سمجھتے ہیں) ان سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ اُس مسلمان شخص کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے جس کی یہ کوشش ہو کہ ملک کا سرکاری مذہب تو اسلام ہو مگر بطورِ قانون اسلام نافذ نہ ہو، بلکہ اس کی جگہ وضعی قوانین جاری ہوں؟ تو علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

فالمسلم إذا طالب بمثل ذلك في سلامة عقله يجري عليه حكم الردة . . . وقد دلت نصوص الكتاب والسنة على أن دين الإسلام جامع لمصلحتي الدنيا والآخرة ولأحكامهما دلالة واضحة لا ارتياب فيها, فتكون محاولة فصل الدين من الدولة كفرًا صارخًا منابذًا لإعلاء كلمة الله وعداءً موجهًا إلى الدين الإسلامي في صميمه, ويكون هذا الطلب من هذا المطالب إقرار منه بالانبتار والانفصال فيلزمه بإقراره, فنعدّه عضوًا مبتورًا من جسم جماعة المسلمين وشخصًا منفصلًا عن عقيدة أهل الإسلام فلا تصح مناكحته ولا تحل ذبيحته؛ لأنه ليس من المسلمين ولا من أهل الكتاب.

ترجمہ: جب کوئی مسلمان اس حالت میں کہ اس کی عقل ٹھیک ہو اس جیسا مطالبہ کرے تو اس پر ردّت (ارتداد) کے احکام جارے ہوں گے... اور یقیناً نصوصِ قرآن وسنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام دنیا وآخرت دونوں کے مصالح کا جامع ہے، اور اس کے احکامات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، جس میں کوئی شک نہیں، لہٰذا یہ کوشش کہ دین کو دولت (حکومت) سے جدا کیا جائے یہ ایک ایسا واضح کفر ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کو پھینکنے والا ہے، اور یہ دینِ اسلام کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے کھلی دشمنی ہے، اور مُطالِب کی طرف سے یہ مطالبہ اس بات کا اقرار ہے کہ وہ خود دین اسلام سے جدا اور الگ ہونا چاہتا ہے، چنانچہ اس کا اقرار اس کو لازم ہے، لہٰذا ہم اسے جماعۃ المسلمین کے جسم سے ایک کٹا ہوا عضو شمار کریں گے، اور اسے ایک ایسا شخص مانیں گے جو اہلِ اسلام کے عقیدے سے جدا ہو گیا ہو، اس بنا پر اسے شخص کے ساتھ مناکحت (نکاح کا رشتہ قائم کرنا) درست نہیں، اور نہ ہی اس کا ذبح کردہ جانور حلال ہے، کیونکہ ایسا شخص نہ تو مسلم ہے اور نہ اہلِ کتاب۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

وقد عدّ الصديق الأكبر رضي الله عنه الذين حاولوا إبعاد حكم

جباية الزكوة عن الأحكام التي تنفذها الحكومة ارتدادًا حتىٰ عاملهم معاملة المرتدين من قتل وسبي، وأجمعت الصحابة على موافقته - - فكيف من لا يرضى بقضاء الإسلام خارجًا عن عقيدة الإسلام منفصلًا عن جماعة المسلمين. .

ترجمہ: یقیناً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو مرتد سمجھا جنھوں نے مالِ زکوٰۃ کو جمع کرنے کے حکم کو حکومتی احکامات سے دور کرنے کی کوشش کی تھی، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی ان کو قتل کرنا اور غلام بنانا، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس بات پر اجماع کیا۔۔ لہٰذا جو شخص قضاءِ اسلام سے راضی نہ ہو وہ کس طرح مسلمانوں کے عقیدے اور مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہ ہو؟! (مقالات الكوثري، حكم محاولة فصل الدين عن الدولة ص287، بحوالہ اُصولِ تکفیر ص: 420)

وہ ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا راستہ روکنے کو فصل الدين عن الدولة (دین کو حکومت سے جدا کرنا) کہتے ہیں، اور اسی شخص پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جو اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کا راستہ روکتا ہے، جبکہ فعل پر کفر کا فتویٰ لگانا بنسبت شخص کے آسان ہوتا ہے یعنی کسی فعل کے بارے میں یہ فتویٰ دینا کہ یہ کفر ہے آسان بنسبت اس کے کہ یہ فتویٰ لگایا جائے کہ فلاں شخص کافر ہے، اسی طرح کسی قانون پر یہ فتویٰ بنسبت شخص کے آسان ہے یعنی علامہ کوثری نے تو اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جو اسلامی قوانین کے نفاذ کا راستہ روکتا ہے، ہم اس سے ایک قدم پیچھے اس قانون کو غیر اسلامی اور کفری سمجھتے ہیں جس نے اسلامی قوانین کا راستہ روکا ہے اور جس کے ضابطہ کار کے تحت تین دفعہ شریعت کے احکام کے قانونی ہونے کا راستہ روکا گیا ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ جن لوگوں نے بار بار شریعت بِل کا راستہ روکا، اسے پاس ہونے نہیں دیا، (قطع نظر اس سے کہ شریعت کو منظوری کا محتاج بنانے کا مطلب کیا ہے، جسے ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں) زاہد الکوثری رحمہ اللہ کے فتوے کی روشنی میں ان لوگوں کا حکم کیا ہے؟ آیا یہ لوگ دین کو حکومت سے جدا کرنے والے نہیں؟ اگر کہا جائے کہ انہوں نے تو آئین میں دین کو تسلیم کیا (مان لیا) ہے، لہٰذا یہ دین کو حکومت سے جدا کرنے والے نہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ زاہد کوثری

رحمہ اللہ نے بھی یہ حکم اس شخص پر لگایا ہے جو حکومت کا سرکاری مذہب اسلام مانے اور آئین میں اسلام تسلیم کرے، لیکن عملی قوانین میں اسے جگہ دینے کے لیے تیار نہیں، اس شخص کے اس کام کو زاہد کوثری رحمہ اللہ نے اولاً فصل الدين عن الدولة (دین کو حکومت سے جدا کرنے) سے تعبیر کیا ہے اور ثانیاً ایسے شخص پر صراحتاً کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

لہٰذا جن لوگوں نے پاکستان میں شریعت بِل کی منظوری کو روکا ہے زہد الکوثری رحمہ اللہ کے فتوے کی روشنی میں ان کا حکم واضح ہے، اس پر قارئین حضرات خود ہی حکم لگائیں، ہمیں حکم لگانے کا شوق نہیں، البتہ قارئین سے التماس ہے کہ وہ انتہائی غور وفکر سے آئین کے اُن دفعات کا مطالعہ فرمائیں جن کی بدولت ارکانِ پارلیمان وسینٹ کو شریعت بِل جیسے اہم بِل کو مسترد کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہ حق واختیار انہیں آئین کی دفعہ 70 ( قانونی پروسیجر) اور دفعہ 238 و239 (ترمیمی پروسیجر) نے دے رکھا ہے، اور انہیں ان جیسے کام کرنے کے باوجود ہر قسم کی سزا اور ہر عدالتی ایکشن وفتویٰ سے تحفظ فراہم کیا ہے۔ وضاحت کے لیے قارئین حضرات ایک بار پھر دفعہ 229 (5) اور دفعہ 229 (6) کی طرف رجوع فرمائیں۔

لہٰذا یہ آئین غیر اسلامی دفعات اور چند اسلامی دفعات (پر وہ بھی زیادہ تر وعدے ہیں، ان کی وجہ) سے اسلامی نہیں بنے گا، اور پھر عدالت نے بار بار اس بات کی وضاحت کی ہے کہ آئین کی تمام دفعات کی حیثیت ایک جیسی ہے، اُن میں بعض (اسلامی دفعات) کو بعض (غیر اسلامی) دفعات پر فوقیت حاصل نہیں۔ چنانچہ عدالتی فیصلوں نے اسلامی اور کفری دفعات کے مابین قانونی اعتبار سے مساوات روا رکھا ہے، جبکہ غیر اسلامی دفعات کو ایک طرح کی فوقیت بھی حاصل ہے، کیونکہ انہیں ملک میں عملی نفاذ حاصل ہے۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کونسی دفعات زیادہ مؤثر ہیں؟

اس لیے (میرے مسلمان بھائیو!) ان مذکورہ نکات کی بنیاد پر خود آئینِ پاکستان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ ایک غیر اسلامی آئین ہے، اور اس کے باوجود اس ملک وآئین کے بارے میں اسلامی ہونے کا دعویٰ فقط سادہ عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے، لہٰذا عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے دھوکے اور تلبیس میں آنے کی بجائے وہ طریقہ اختیار کریں جس سے ایک خالص اسلامی نظام آسکتا ہے،

اور اس کا ضامن بھی ہے، کیونکہ وہ ایک آزمودہ طریقہ کار ہے، جبکہ یہ جمہوری طریقہ کار بھی آزمودہ ہے کہ اس میں تین بار شریعت بِل کو مسترد کیا گیا، اور آئندہ اس سے یہ توقع رکھنا کہ اس راستے سے اسلامی نظام آئے گا یہ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر ہمیشہ برعکس ہی ہوتی ہے۔

شق 2- چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور پاکستان کی حکومت اور افواج دستور پاکستان کے پابند اور اس کے مطابق حلف اٹھاتے ہیں، اس لیے پاکستان کی حکومت یا افواج کے خلاف مسلح کارروائیاں یقیناً بغاوت کے زمرے میں آتی ہیں جو شرعاً بالکل حرام ہیں۔ دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کو مکمل طور پر نافذ کرنا بلاشبہ حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے پُر امن اور آئینی جدوجہد بیشک مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے، لیکن اس مقصد کے لئے ہتھیار اُٹھانا فساد فی الارض ہے اور رسول کریم ﷺ کی واضح احادیث میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور جو لوگ اس مسلح بغاوت میں شریک یا اس کی کسی بھی طرح مدد یا حمایت کرتے ہیں، وہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی کھلی نافرمانی کر رہے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

"أَلاَ مَن وَلِيَ عَلَيهِ وَالٍ، فَرَآهُ يَأتِي شَيئًا مِن مَّعصِيَةِ اللهِ، فَليَكرَه مَا يَأتِي مِن مَعصِيَةِ اللهِ، وَلَا يَنزِعَن يَدًا مِن طَاعَةٍ". (خوب سن لو کہ جس شخص پر کوئی حاکم بن جائے، اور وہ اسے کرتے دیکھے تو جو اللہ کی نافرمانی وہ کر رہا ہے، اسے برا سمجھے، لیکن اطاعت سے ہر گز ہاتھ نہ کھینچے)۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث نمبر 47768)

تقریباً متواتر احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ کسی مسلمان حکومت کے خلاف مسلح کارروائی اور خونریزی بدترین گناہ ہے۔

یہاں پورے حکم کا تعلق اسلامی ریاست کے ساتھ ہے، اور الحمد للہ! ہم نے یہ بات ثابت کی ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں، اور جو دفعات یہ حضرات بطورِ حوالہ پیش کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے پاکستان کی اسلامیت کو ثابت کریں، ہم نے اُن کی حقیقت واضح کر دی اور اس پر علمائے کرام کی عبارتیں پیش کیں، لہٰذا مذکورہ بالا پیراگراف میں جو احکام (بغاوت، مسلح خروج وغیرہ) کے لگائے گئے ہیں وہ ہمارے حق میں درست نہیں، کیونکہ ہمارا جہاد ایک غیر اسلامی ریاست کے خلاف ہے، اور انہوں نے جو فتویٰ لگایا ہے وہ اسلامی ریاست کے خلاف ہتھیار اُٹھانے والوں پر لگایا ہے۔ اگرچہ ہم نے پہلے ذکر

کیا تھا کہ فقط شریعت کے عملی نفاذ میں سستی کرنے کی وجہ سے اسلافِ اُمت (جن کے سرخیل سراج الامت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، انہوں) نے خروج اور مسلح جہاد کو جائز کہا ہے، بلکہ اسے بہتر وافضل گردانا ہے۔ لیکن ہم یہاں یہ بات اس لیے نہیں کرتے کہ ہماری جنگ اسلامی ریاست کے خلاف عملی کوتاہی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ہماری جنگ کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

1- ہمارے ملک میں غیر اسلامی (کفری) قوانین کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہے، ایسی بات نہیں کہ کسی ایک شخص (حکمران) کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے غیر اسلامی قوانین کو فقط عملی نفاذ حاصل ہے، بلکہ انہیں قانونی (جواز) حیثیت دے کر لوگوں سے منوایا جارہا ہے۔ اور ہم ان کفری قوانین کی قانونی حیثیت ختم کر،نا چاہتے ہیں، ہم اُس آئین کو ختم کر،نا چاہتے ہیں جس میں ا سلامی اور غیر اسلامی دفعات کو مساوات کا درجہ دے کر کفر واسلام کا ایک ملغوبہ بنایا گیا ہے، اور ہم اُس جمہوریت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں جس نے تین بار شریعت کو قانونی حیثیت دینے سے روکا، اس جمہوریت کو ختم کرنا چاہتے ہیں جس کے قواعد ودفعات پر عمل درآمد کرتے ہوئے ملحدین نے شریعت بِل کو پاس ہونے اور منظور ہونے کی راہ روکی، ہم اُس آئین کے خلاف لڑ رہے ہیں جس کے قانونی پروسیجر اور ترمیمی پروسیجر کے تحت ارکانِ پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ واجب الاطاعت قانون کو ملکی قانون بننے سے منع کردیں، اور اتنے بڑے جرم کرنے پر بھی یہی قانونی وترمیمی پروسیجر انہیں سزا سے تحفظ فراہم کرے۔ ہماری جنگ اس آئین کے خلاف ہے جس نے سپریم کورٹ کو یہ اختیار د،یا ہے کہ وہ شرعی عدا لت کے اس فتویٰ کو چیلنج کرتے ہوئے لغو قرار دے جس میں شرعی عدالت نے کسی چیز پر غیر اسلامی ہونے کا فتویٰ لگایا ہو، (جس طرح سود کے بارے میں شرعی عدالت نے حرامت کا فتویٰ دیا تھا اور سپریم کورٹ نے اس فتویٰ کو چیلنج کیا اور سود کو قانونی جواز فراہم کیا)۔ ہم اُس ریاست کے خلاف لڑ رہے ہیں جس نے حدود وقصاص میں غیر اسلامی سزاؤں کو قانونی جواز فراہم کیا ہے، (مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنے کی بجائے اسے تین سال قید، اور قاتل کو قصاص کرنے کی بجائے عمر قید کی سزا کو قانونی حیثیت حاصل ہے)۔ لہٰذا جس ریاست میں مذکورہ باتیں جمع ہوں وہ ریاست کسی صورت اسلامی نہیں ہو سکتی اور اس کے

خلاف لڑنا مسلح جدوجہد غیر شرعی (بغاوت) نہیں، بلکہ اس اس کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا ہر مسلمان پر فرض ہوتا ہے۔ نیز ایسی (غیر اسلامی) ریاست کے بارے میں قرآن وسنت کے وہ نصوص چسپاں کرنا جو ایک اسلامی ریاست کے بارے میں ہیں بہت بڑی علمی خیانت ہے، حق و باطل کو خلط ملط کرکے لوگوں کو "شَش وپنج" میں مبتلا کرنا ہے، اور سب سے بڑھ کر ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنا ہے کہ انہوں نے اتنی کفریات کے مرتکبین کو بھی مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت حکمران قرار دے کر اُن پر ہمیشہ کے لیے مسلط رہنے کا فرمان جاری کیا ہے۔ (نعوذ بالله من ذلك)

-2 ریاستِ پاکستان کے خلاف جہاد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان نے قانونی حیثیت سے اقوام متحدہ کے قوانین کی تابعداری کرتے ہوئے اسلامی جہاد کے خلاف کفر کی صف میں فرنٹ لائن اتحادی بن کر مسلمان عوام اور مجاہدین کا خون بہانا شروع کیا، لہٰذا ایسی ریاست کبھی بھی اسلامی نہیں ہو سکتی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی صف میں ایک اسلامی حکومت (افغان طالبان کی حکومت) کو ختم کرنے کے لیے امریکا و نیٹو کا ساتھی بنے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں علمائے عقائد کے ایک بہت بڑے امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ (جسے حنفی مکتبِ فکر عقائد کے باب میں مرجع سمجھتے ہیں، وہ) فرماتے ہیں:

> لأنهم إذا اتخذوهم أولياء في النصر والمعونة صاروا أمثالهم؛ لأنهم إذا نصروا الكفار على المسلمين وأعانوهم فقد كفروا.
>
> **ترجمہ:** اس لیے جب انہوں نے مدد و نصرت میں کفار کو دوست بنایا تو وہ (جو بظاہر مسلمان تھے) اُن (کفار) کے مثل ہوئے، وجہ یہ ہے کہ انہوں (ظاہری مسلمانوں) نے جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی نصرت واعانت کی تو وہ مسلمان نہ رہے بلکہ یقینی کافر ٹھہرے۔
>
> (تفسير الماتريدي، ج: 3، ص: 537)

اسی طرح علمائے احناف میں بڑے پائے کے امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ (جو حنفی مجتہدین کے طبقات میں اصحاب الترجیح میں سے ہیں، وہ) فرماتے ہیں:

> "لأنه لو أراد المسلمين لكانوا إذ تولوا الكفار صاروا مرتدين".
>
> **ترجمہ:** اس لیے اگر مراد مسلمان ہو تو جب وہ کفار کی ساتھ تولّی (دوستی) کرلیں تو وہ

مرتد ٹھہریں گے۔(احکام القرآن، ج: 3، ص: 555)

**اسی طرح یہی جصاص رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:**

"إن كان الخطاب للمسلمين فهو إخبار بأنه كافر مثلهم بموالاته إياهم".

**ترجمہ:** اگر خطاب مسلمانوں سے ہو تو یہ (اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ) اس بات کی خبر دینا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ موالات (دوستی کرنے) کی وجہ سے ان کی طرح کافر بن گیا۔(احکام القرآن، ج: 3، ص: 555)

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے یہود ونصاری کے عبادت خانوں (گرجا گھر، کلیسا وغیرہ) کے بارے میں یہ فتویٰ نقل کیا ہے:

وَقَدْ نَقَلَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي رِسَالَتِهِ عَنْ الْإِمَامِ الْقَرَافِيِّ أَنَّهُ أَفْتَى بِأَنَّهُ لَا يُعَادُ مَا انْهَدَمَ مِنْ الْكَنَائِسِ ، وَأَنَّ مَنْ سَاعَدَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ رَاضٍ بِالْكُفْرِ وَالرِّضَا بِالْكُفْرِ كُفْرٌ ا هـ . فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْمُنْقَلَبِ .

**ترجمہ:** اور یقیناً شرنبلالی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں امام قرافی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فتویٰ دیا ہے (مسلمانوں کے وطن میں) منہدم کنائس (یہود ونصاری کے عبادت خانوں) کو دوبارہ نہیں بنایا جائے گا، اور جس نے اس کے بنانے میں ان (یہود ونصاری) کی مدد کی تو وہ ان کفر پر راضی ہے، اور (یہ بات اصولی طور پر معلوم ہے کہ) رضا بالکفر کفر ہے۔ (فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْمُنْقَلَبِ) (رد المحتار، ج: 4، ص: 502)

اگر ایک کلیسا کے بنانے یا مرمت کرنے میں کفار کے ساتھ تعاون کا یہ (کافر ہونے کا) حکم ہو تو پوری اسلامی حکومت (امارت اسلامی افغانستان) کو تاخت وتاراج کرنے اور اس کی جگہ کفری حکومت قائم کرنے کا حکم بطریقِ اَولیٰ کفر ہے (نعوذ بالله من ذلك) اور یہ کام حکومتِ پاکستان نے کیا ہے، جسے آج تک کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ حکومتِ پاکستان کا یہ اقدام اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے تحت عالمی دہشت گردی کے خلاف امریکا اور اس کے اتحادیوں کی مدد ہے، جو قانونی لحاظ سے ایک جائز کام ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب بابک خرمی (جس نے ریاستِ پاکستان کی طرح مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کی تھی) کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے درج ذیل جواب دیا:

روى الميموني أن الإمام أحمد قال عنه: خرج إلينا يحاربنا وهو مقيم بأرض الشرك، أي شيء حكمه؟ إن كان هكذا فحكمه حكم الارتداد.

ترجمہ: میمونی نے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اُس (بابک خرمی نامی) شخص (جو کفار کی سرزمین پر مقیم ہو کر مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار تھا، اس) کا حکم پوچھا گیا کہ اسے کیا کہا جائے؟ تو (امام احمد بن حنبل نے جواب دیا:) اگر واقعتاً وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا حکم ارتداد کا ہے، یعنی ایسا شخص مرتد ہے۔ (ج۱۰ص۱۸۵)

اسی طرح "استقصاء" میں مالکی علماء نے معتمد بن عباد (جس نے مسلمانوں کے خلاف فرنگیوں کی مدد کی تھی) کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ (الاستقصاء، ج: 2، ص:75)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں کا ساتھ دینے والوں کے بارے درج ذیل فتویٰ دیا ہے:

وَكُلُّ مَنْ قَفَزَ إِلَيْهِمْ مِنْ أُمَرَاءِ الْعَسْكَرِ وَغَيْرِ الْأُمَرَاءِ فَحُكْمُهُ حُكْمُهُمْ وَفِيهِمْ مِنَ الرِّدَّةِ عَنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ بِقَدْرِ مَا ارْتَدَّ عَنْهُ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: اور جو بھی شخص تاتاریوں کے یہاں جائے، چاہے یہ جانے والا شخص لشکر کے اُمراء میں سے ہو یا غیر اُمراء میں سے ہو، اس کا حکم انہی (تاتاریوں) کا ہے، اور ان میں اسلامی احکامات سے اتنا ارتداد پایا جاتا ہے جتنا کہ وہ شرائعِ اسلام سے پلٹ چکے (مرتد ہو گئے) ہیں۔
(مجموع الفتاوي، ج: 28، ص: 530)

یہ علمائے اُمت کے فتاویٰ ہیں، اسی اساس پر یہ (پاکستانی) ریاست (جس نے آج تک مسلمانوں کے خلاف امریکا کو تمام سڑکیں اور اڈے حوالہ کر دیئے) اسلامی نہیں بن سکتی، اور اس کے خلاف لڑنا اسلامی ریاست کے خلاف لڑنا نہیں، اور جن احادیث سے اس ریاست کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی یہ احادیث کی معنوی تحریف ہے، کیونکہ وہ احادیث تو مسلمانوں کے اُن حکمرانوں کے بارے میں ہیں جو شرعاً حکمران ہوں، مگر فقط عملی طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے ہوں مگر ساتھ میں انہوں نے شرائعِ اسلام کی قانونی حیثیت برقرار رکھا ہو۔ رہے مسلمانوں پر کفار کے ایجنٹ، اسلامی شریعت کو کالا قانون کہنے اور سمجھنے والے، اسلامی احکامات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والے حکمرانوں کو ان احادیث کا مصداق ٹھہرانے کا کام ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے محققین (عليهم من الله ما عليهم) ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا عقیدہ رکھنے والے، بروزِ آخرت اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہو کر اس

بابت سوال سے ڈرنے والے علماء ان کے گھناؤنے کرتوتوں سے بریٔ وبے زار ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ ہم نے ریاستِ پاکستان کے خلاف جنگ کسی عملی کوتاہی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نظریات اور عقیدے کی بنیاد پر شروع کر رکھی ہے، ہم اس ریاستِ پاکستان کو غیر اسلامی ریاست سمجھتے ہیں (جس کی وجوہات ہم گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں)۔ رہی یہ بات کہ حدیث میں آتا ہے: «أَلاَ مَن وَلِيَ عَلَيهِ وَالٍ، فَرَآهُ يَأتِيْ شَيئًا مِن مَّعصِيَةِ اللهِ، فَليَكرَه مَا يَأتِي مِن مَعصِيَةِ الله، وَلَا يَنزِعَنَّ يَدًا مِن طَاعَةٍ» دیکھئے! یہاں حدیث میں «مِن مَّعصِيَةِ اللهِ» کے الفاظ آئے ہیں اور معصیت وگناہ کرنے کا الگ حکم ہے اور معصیت کو قانون کا درجہ دیکر اسے قانونی جواز فراہم کرنا الگ حکم رکھتا ہے، اسی طرح اللہ کے احکام کی نافرمانی کرنا الگ بات ہے اور اس کی قانونی حیثیت کو ختم یا تبدیل کرنا الگ چیز ہے، مثلاً نماز نہ پڑھنے کا حکم فسق وگناہ ہے، مگر اس کی جگہ کوئی حکومت یہ قانون سازی کرے کہ اوقاتِ نماز میں مسجد جاکر لوگ فقط ذکر میں مشغول ہوں گے یا نماز کی کیفیت میں تبدیلی کرتے ہوئے سجدوں کو رکوع وقرأت پر مقدّم کریں، تو اس کا الگ حکم ہے۔ پہلا کام (نماز نہ پڑھنا) فسق ومعصیت ہے، جبکہ دوسرے کام (حکومت کی طرف سے نماز کے متعلق قانون سازی) کو کفر سمجھا جائے گا۔

تعجّب کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف کہا جارہا ہے کہ اللہ کے دین اور شریعت کے لیے اسلحہ اُٹھانا فساد فی الارض ہے، مگر دوسری طرف جب حکومت اپنے غیر اسلامی قوانین کو نافذ کرنے اور اپنی غیر اسلامی رِٹ کو قائم کرنے کے لیے اسلحہ اٹھائے تو وہ اصلاح فی الارض اور رد الفساد ہے!!!

اسی طرح تعجب کی بات تو یہ ہے کہ سوات میں اس وجہ سے آپریشن کیا جاتا ہے کہ وہاں ایک لڑکی کو شرعی سزا کے طور پر کوڑے دیئے گئے تھے، چنانچہ وہاں حکومتی رِٹ کو اس لیے بحال کرنا ضروری سمجھا گیا تاکہ لوگوں کو زناکاری کی صورت میں سزا سے تحفظ فراہم کیا جائے، چور کو (اس کے ہاتھ کاٹنے سے) محفوظ کرکے پاکستان کے شیطانی قانون کے مطابق زیادہ سے زیادہ تین سال قید کی سزا دی جائے، قاتل کو قصاص سے بچا کر عمر قید کی سزا دی جائے۔ کیا ایک مسلمان کو یہ عجیب نہیں لگتا کہ ایک غیر

شرعی (کفری) قانون کو نافذ کرنے اور اس کی رِٹ بحال کرنے کے لیے اسلحہ اُٹھانا اصلاح فی الارض ہو، اور اللہ کے نازل کردہ واجب الاطاعت قانون کے نفاذ کے لیے (ایسے ملک میں جس میں ستّر سے اللہ تعالیٰ کا قانون، قانون کا درجہ پانے کی بھیک مانگ رہا ہو، اس مظلوم قانون کے نفاذ کے لیے) اسلحہ اُٹھانا فساد فی الارض ہو، کیا انصاف یہی ہے؟! جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے محققین نے کیا ہے، اور پھر اسے فتویٰ جیسے مقدّس الفاظ سے مزیّن کرکے دیندار لوگوں کو ورغلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آیا یہ تحریف کے زُمرے میں نہیں آئے گا؟ (أعاذنا الله من هذه الشطحات)

شق 3- اسلام میں خودکشی بدترین گناہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو)۔ (نساء:29)

اور بہت سی احادیث میں خودکُشی کو بدترین عذاب کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"من قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدا فيها ابدا" (جو شخص کسی لوہے کی ہتھیار سے خودکُشی کرے، تو جہنم کی آگ میں اس کا ہتھیار اس کے میں ہوگا جس سے وہ اپنے پیٹ میں ضرب لگا رہا ہوگا، اور اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا)۔ (جامع الاصول، بحوالہ بخاری و مسلم)

نیز جن لوگوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ انہوں نے خودکُشی کی ہے، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرماتے ہیں، اور ایک ایسے شخص کی آپ نے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد حدیث نمبر 1395)

یہ تو عام خودکشی کا حکم ہے، اور اگر یہ خودکُشی کسی دوسرے مسلمان کو مارنے کے لیے کی جائے تو یہ دوہرے گناہ کا سبب ہے: ایک خودکُشی کا گناہ، اور دوسرے کسی مسلمان کی جان لینا، جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمَن يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور وہ اس پر لعنت کرے اور اس کے لیے

اللہ نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔) (النساء:93)

نیز جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں امن کے ساتھ رہتے ہیں، انہیں قتل کرنے میں نبی ﷺ نے یہ سخت وعید بیان فرماتے ہیں:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ" (جو شخص کسی غیر مسلم کو جس کے ساتھ اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے، اس کی جان کا تحفظ کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول نے لیا ہے۔اب جو شخص اللہ کے ذمہ کی بے حرمتی کرے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا)۔ (جامع ترمذی: حدیث:1403)

پاکستان میں جو خود کُش حملے کیے جا رہے ہیں وہ... طرح کے شدید گناہوں کا مجموعہ ہیں: ایک خود کشی، دوسرا کسی بے گناہ کو قتل کرنا، تیسرا مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت۔ لہذا یہ خود کش حملے کسی بھی تاویل سے جائز نہیں ہو سکتے اور ان کی حمایت کرنا گناہوں کے مجموعے کی حمایت کرنا ہے۔

یہاں تین باتیں ہیں: پہلی بات فدائی حملوں (حکومتی اصطلاح کے مطابق خود کش حملوں) کے ساتھ متعلق ہے۔ دوسری بات اسلامی ریاست کے خلاف فدائی (خود کش) حملہ کرنے اور نتیجتاً مسلمانوں کو قتل کرنا۔ تیسری بات فدائی (خود کش) حملہ کرکے ذمیوں کو قتل کرنا۔

## پہلی بات: فدائی (خود کش) حملے:

الحمد للہ! فدائی حملوں کے جواز کا فتویٰ بہت سے علماء نے دیا ہے، یہاں تک کہ جن حضرات کے اس جعلی متفقہ فتوے پر دستخط موجود ہیں ان حضرات کا بھی اس باب میں جواز کے فتاویٰ موجود ہیں۔ بذاتِ خود دارالعلوم کراچی سے اس بابت ایک فتویٰ شائع ہو چکا ہے، اور جناب مفتی تقی عثمانی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اس لیے اس باب میں کوئی واضح قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ مفتی ابو البشار صاحب کی اس بارے میں ایک مستقل کتاب موجود ہے، اسی طرح شیخ الحدیث مولانا نور الہدی صاحب کی بھی ایک مستقل کتاب ہے۔

البتہ فدائی حملوں کو خود کش حملے کہنا اور پھر اسے خود کشی (جو کہ حرام ہے، اس کے) تحت لانا کم از کم ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرح ہم اسے علمی تحقیق نہیں کہہ سکتے، یہ علمی تحقیق نہیں بلکہ شاہ

نوازی تحقیق ہے، حکمرانوں کے واسطے شرعی حکم کو بدلنا درباری ٹولے کا کام ہوتا ہے۔

اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ خودکشی حرام ہے، اس باب میں قرآن وحدیث کے صریح نصوص موجود ہیں، لیکن خودکشی کیا چیز ہے؟ اس کو جاننے کی ضرورت ہے۔ خودکشی کے مفہوم میں تین چیز شامل ہیں:

- خود کو قتل کرنا (اسلحہ یا زہر یا کسی اور چیز کے ساتھ) اس کے حرمت کے متعلق صریح نصوص موجود ہیں۔
- کسی اور کو اپنے آپ کے قتل کرنے پر قدرت دینا (مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے مگر اس پاس آلۂ قتل نہیں، اور وہ شخص خود اسے آلۂ قتل تھما دے کہ اس سے مجھے قتل کرو) اس صورت کے دنیوی احکام میں اگرچہ اختلاف ہے، لیکن گناہ میں یہ خودکشی (خود کو قتل کرنے) کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں قصاص کسی پر نہیں۔
- دفاع کی قدرت رکھنے کے باوجود دفاع نہ کرنا، یا بھاگنے پر قادر ہونے کے باوجود نہ بھاگنا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قَالَ الرَّبِيعُ) وَأَصَحُّ الْقَوْلَيْنِ أَنْ لَا عَقْلَ فِي النَّفْسِ وَلَا قَوَدَ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي قَتَلَ نَفْسَهُ إذَا كَانَ يَقْدِرُ أَنْ يَتَخَلَّصَ فَيَسْلَمَ مِنَ الْمَوْتِ فَتَرَكَ التَّخَلُّصَ وَعَلَى الطَّارِحِ أَرْشُ مَا أَحْرَقَتْ النَّارُ مِنْهُ أَوَّلَ مَا طُرِحَ قَبْلَ أَنْ يُمْكِنَهُ التَّخَلُّصُ.

ترجمہ: اور ربیع کہتے ہیں کہ قولین میں اصح یہ ہے کہ نہ دیت ہے اور نہ قصاص، کیونکہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو قتل کیا، جب اُسے خلاصی پر قدرت تھی تو وہ موت سے بچ سکتا تھا (اگر خلاصی کی راہ اختیار کرلیتا) لیکن اس نے خلاصی کا راستہ چھوڑ دیا۔ اور آگ میں پھینکنے والے پر اُس عضو کا ارش (دیت) ہوگا جو آگ میں اولِ وہلہ پھینکے جانے کے بعد جل گیا ہو، جب اسے اس سے خلاصی کا امکان نہ تھا، (البتہ بعد میں خود نہ نکلنا کی وجہ سے جو جل گیا ہو اس کی وجہ سے ارش نہ ہوگا۔ مفہومِ مخالف)۔ (الام، ج: 6، ص: 7)

اور امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْمُبَاحِ حَتَّىٰ مَاتَ كَانَ قَاتِلًا نَفْسَهُ مُتْلِفًا لَهَا عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ترجمہ: اور جو شخص مباح چیز کے استعمال سے رُک گیا یہاں تک مر گیا تو یہ شخص تمام اہلِ علم کے نزدیک خود ہی اپنے آپ کا قاتل سمجھا جائے گا۔ (جصاص، ج: 1، ص: 155)

➢ ضرورتِ شرعی کے بغیر ایسی جگہ گھسنا جہاں یقینی ہلاکت ہو یا ہلاکت کا غالب گمان ہو۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أما مسألة حمل الواحد على العدد الكثير من العدو، فصرح الجمهور بأنه إن كان لفرط شجاعته، و ظنه أنه يرهب العدو بذلك، أو يجرئ المسلمين عليهم، أو نحو ذلك من المقاصد الصحيحة فهو حسن، ومتى كان مجرد تهوّر فممنوع، ولا سيما إن ترتّب على ذلك وهن في المسلمين، والله أعلم.

ترجمہ: رہا وہ مسئلہ کہ ایک شخص کا دشمن کے بڑی تعداد پر حملہ آور ہونے کا، تو جمہور علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر اس قسم کا حملہ فرطِ شجاعت کی وجہ سے ہو اور اُس حملہ آور کا گمان ہے کہ اس طرح دشمن کو رُعب تلے لے آئے گا اور مسلمانوں کو اُن پر جرأت مندی حاصل ہو جائے گی، یا ان جیسے دیگر مقاصدِ صحیحہ ہیں تو اس حملہ آور کا کثیر تعداد میں دشمن پر حملہ کرنا درست ہے، لیکن فقط بہادری کی بنیاد پر فردِ واحد کا دشمن کی بڑی تعداد پر حملہ آور ہونا ممنوع (ناجائز) ہے، خصوصاً جب اس سے مسلمانوں میں ضعف پیدا ہوتا ہو۔ والله أعلم. (فتح الباري، ج: 8، ص: 185)

احکامِ آخرت اور گناہ کے اعتبار سے یہ چاروں اقسام سب مسلمانوں کے نزدیک خود کشی ہیں، اور ایسا کرنا حرام ہے۔ لیکن یہاں ایک اہم مسئلہ ہے، وہ یہ کہ اگر ان کاموں میں کوئی کام شرعی مصلحت اور فائدے کے لیے کیا جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ تو اس پر مسلمانوں خصوصاً مجتہدین کا اتفاق ہے کہ اگر یہ کام کسی شرعی فائدے کی غرض سے کیا جائے تو یہ جائز سمجھا جائے گا۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ سابقہ ادوار میں ایک لڑکے کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ایک کافر بادشاہ نے قتل کرنا چاہا، مگر مختلف ذرائع اختیار کرنے کے باوجود اُسے قتل کرنے میں ناکام رہا، تب جا کر اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ:

إِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِي حتىٰ تَفْعَلَ مَا آمُرُكَ بِهِ، قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ: تَجْمَعُ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، وَتَصْلُبُنِي عَلَى جِذْعٍ، ثُمَّ خُذْ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِي، ثُمَّ ضَعِ السَّهْمَ فِي كَبِدِ الْقَوْسِ، ثُمَّ قُلْ: بِاسْمِ اللهِ رَبِّ الْغُلَامِ، ثُمَّ ارْمِنِي، فَإِنَّكَ إِذَا

فَعَلْتَ ذَلِكَ قَتَلْتَنِي.

ترجمہ: تو مجھے نہیں قتل کر سکتا، البتہ اگر تم میرے کہنے کے مطابق عمل کروگے تب قتل کر سکتے ہو، بادشاہ نے کہا: کس طرح؟ لڑکے نے کہا: تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر، پھر مجھے ایک درخت کے تنے پر چڑھاؤ، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لیکر کمان میں چڑھاؤ، اور بِاسْـمِ اللهِ رَبِّ الْغُـلَامِ (اُس اللہ کے نام سے جو اس لڑکا کا رب وحاکم ہے) کہتے ہوئے مجھے مارو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم مجھے قتل کر سکوگے۔ (صحيح مسلم حديث نمبر: 3005)

چنانچہ جب بادشاہ نے لڑکے کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا، تو وہ لڑکا قتل ہوا، مگر ساتھ میں میدان میں موجود اکثر لوگوں نے لڑکے کے رب پر ایمان لایا، اور نتیجتاً وہ کچھ ہوا جس کے خوف سے یہ بادشاہ اس لڑکے کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

دیکھئے!

- یہاں لڑکے نے خود ہی اپنے قتل کا طریقہ بادشاہ کو سکھایا، حالانکہ کئی بار اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کو اس بادشاہ کی تدابیر سے محفوظ رکھا تھا، چنانچہ بادشاہ بھی اس کو قتل کرنے سے عاجز ہو گیا تھا۔
- اسی طرح وہ لڑکا اس بات پر قادر تھا کہ بادشاہ سے بھاگ جائے، لیکن نہیں بھاگا۔

باوجود اس کے کہ یہ دونوں کام خودکشی کے زمرے میں آتے ہیں اور خودکشی حرام ہے، لیکن یہاں اسی حدیث میں اس لڑکے کی تعریف ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس لڑکے کے قصے کی طرف سورت البروج میں اشارہ کیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے کیوں اس لڑکے کے اس فعل کو حرام نہیں ٹھہرایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس لڑکے کا اپنے آپ کو قتل کرنے کا طریقہ بتانے میں اسلام کا فائدہ تھا، اس لیے یہ کام نہ صرف یہ کہ جائز ٹھہرا بلکہ افضل قرار پایا، اور اس طرح دین کے لیے خودکشی کرنا جائز ہوا۔

اس طرح بہت سی احادیث ہیں جن میں آتا ہے کہ تنہا ایک شخص نے کفار کی صفوں میں گھس کر ایسا حملہ کیا جس میں غالب گمان قتل ہونے کا تھا، مگر اس کے باوجود اسے خودکشی (جو حرام ہو) سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ شرعی مصلحت کی خاطر جائز قرار پایا۔

چنانچہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال محمد بن الحسن الشيباني: لو أن رجلا حمل على ألف رجل وهو وحده، لم يكن بذلك بأس إذا كان يطمع في نجاة أو نكاية. فإن كان لا يطمع في نجاة ولا نكاية، فإني أكره له ذلك؛ لأنه عرض نفسه للتلف في غير منفعة للمسلمين. وإنما ينبغي للرجل أن يفعل هذا إذا كان يطمع في نجاة أو منفعة للمسلمين، فإن كان لا يطمع في نجاة أو نكاية ولكنه يجرئ المسلمين بذلك حتیٰ يفعلوا مثل ما فعل، فيقتلون وينكون في العدو فلا بأس، وأرجو أن يكون فيه مأجورًا. (أحكام القرآن للجصاص، ج: 1، ص: 309)

امام جصاص رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے تین صورتوں میں اس کی اجازت دی ہے:

1) بچ جانے کی اُمید ہو،

2) دشمن کو نقصان پہنچانے کا گمان ہو،

3) اس طرح حملہ کرنے سے مسلمانوں میں جرأت مندی پیدا ہوتی ہو۔

اور اگر کوئی اس قسم کا حملہ مذکورہ تین فوائد سے خالی ہو تو امام جصاص رحمہ اللہ اسے خود کو ہلاکت میں ڈالنے (خود کشی) سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ خود کشی حرام ہے، لیکن شرعی مصلحت اور دین کے فائدے کی غرض سے جائز، بلکہ باعثِ اجر ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے (بدائع الصنائع جلد: 7، صفحہ: 99 پر) لکھا ہے:

وَلَوْ طُعِنَ مُسْلِمٌ بِرُمْحٍ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمْشِيَ إلَى مَنْ طَعَنَهُ مِنَ الْكَفَرَةِ حتىٰ يُجْهِزَهُ؛ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بِالْمَشْيِ إلَيْهِ بَذْلَ نَفْسِهِ؛ لِإِعْزَازِ دِينِ اللهِ -سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى- وَتَحْرِيضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى أَنْ لَا يَبْخَلُوا بِأَنْفُسِهِمْ فِي قِتَالِ أَعْدَاءِ اللهِ -سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى- فَكَانَ جَائِزًا. وَاللهُ سُبْحَانَهُ وَتعالىٰ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اگر کسی مسلمان کو نیزے سے مارا گیا تو کوئی حرج نہیں اس صورت میں کہ وہ کفار میں سے اُس شخص کی طرف جائے جس نے اسے نیزہ مارا ہے، تاکہ وہ اسے قتل کرے، کیونکہ اس کافر (قاتل) کی طرف جانے سے اس کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کا اعزاز ہے، اور مسلمانوں کو اس بات پر اُبھارنا مقصود ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ قتال میں اپنے آپ کو

قربان کرنے سے دریغ نہ کریں، اس لیے یہ جائز ہے۔وَاللہُ سُبْحَانَہُ وَتعالیٰ أَعْلَمُ.

ہم نے پہلے ذکر کیا کہ کوئی شخص قتل کیا جارہا ہے اور بھاگنے پر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ نہ بھاگے تو وہ شخص خود کشی کرنے والا شمار ہوگا، اور گویا اس اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا ہے، (جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب "الام" کے حوالے سے یہ مسئلہ گزرا)، لیکن یہاں (بدائع الصنائع کے مذکورہ بالامسئلہ میں) تو وہ زخمی مسلمان کافر سے بھاگنے کی بجائے اس لیے اس کے پاس جارہا ہے کہ وہ اُسے قتل کرے، تاکہ شہادت کارُتبہ پالے، اور علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بھی اُس کے اِس فعل کو جائز قرار دیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دراصل اس کام سے اس شخص کا مقصد دین کو فائدہ پہنچانا تھا۔

**خلاصۂ کلام:**

وہ کام جنہیں شرع میں خود کشی کہا گیا ہے اور حرام ہیں، وہ اُس وقت ہے جب وہ بغرضِ دین نہ ہوں، لیکن اگر وہ دین کو فائدہ پہنچانے کے لیے سرانجام دیئے گئے ہوں تو پھر شریعت نے انہیں جواز فراہم کیا ہے۔ (اگر رسالے کے طول کا خوف نہ ہوتا تو باذن اللہ بہت سی احادیث اور علماء کے اقوال اس بارے میں پیش کر دیتا)

فدائی حملوں کے بارے میں "اتفاقی حرمت کا فتویٰ" سفید جھوٹ ہے، ذیل میں ہم ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی ذکر کرتے ہیں جنہوں نے فدائی حملوں کے جواز کا فتویٰ دیا ہے:

1- شيخ الحديث مولانا نور الہدی صاحب۔
2- مفتی ابوالبشار صاحب۔
3- مفتی سیف اللہ حقانی صاحب۔
4- شيخ ناصر الدين البانی۔
5- حمود بن عقلاء الشعيبی۔
6- علی بن خضير الخضير۔
7- صالح بن عثيمين ۔
8- ابو يحيی الليبی۔
9- يوسف العييری۔

10- عبد العزيز بن صالح الجربوع۔
11- سليمان بن ناصر العلوان۔
12- محمد بن ابراهيم آل الشيخ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ہیں جنہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، البتہ مذکورہ بالا کبار علماء کے نام "مشت نمونہ از خروارے" کے طور پر ہیں، تاکہ نام نہاد ادارہ تحقیقات اسلامی کی حقیقت لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جائے، اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ فدائی حملوں کے بارے میں حرمت کا فتویٰ علماء کا اجماعی موقف نہیں (جس طرح مذکورہ ادارے نے کہا ہے) لہٰذا عامة المسلمین دھوکے میں نہ پڑیں، حکومتی سرپرستی میں تیار کردہ من مانے فتوے کو معتبر سمجھنے کی بجائے آزاد فضا میں شرعی اُصولوں کی روشنی میں علمائے حق کے دیئے ہوئے فتوے کو شرعی حکم تصوّر کریں۔

**دوسری بات: اسلامی ریاست کے خلاف خودکش (فدائی) حملے کرنا:**

اسلامی ریاست کے خلاف خودکش حملے کرنا بالکل ناجائز ہیں۔ لیکن الحمد للہ! یہ بات ہم نے بار بار ثابت کی ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست نہیں، غیر شرعی قوانین کے تحت چلنے والی غیر اسلامی ریاست ہے، اس کا آئین غیر اسلامی، اس کے دیوانی وفوجی قوانین کی اکثریت غیر اسلامی، اس کے عائلی قوانین اسلام مخالف اور اس طرح اور بہت سی وجوہات ہیں (جنہیں ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں) جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ریاستِ پاکستان ایک غیر اسلامی ریاست ہے، جس کے خلاف فدائی (بقول ان کے: خودکش) حملے کرنا جائز ہیں۔

**تیسری بات: خودکش حملوں میں ذمیوں کو قتل کرنا:**

ذمیوں کو چاہے فدائی عملیات میں نشانہ بنا کر قتل کیا جائے یا کسی اور ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے، ناجائز وحرام ہے، اس پر متعدد احادیث وآثار اور علماء کے اقوال موجود ہیں۔ البتہ ذمی کسے کہا جاتا ہے؟ اس کی وضاحت ضروری ہے (جسے پورے "پیغامِ پاکستان" میں کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہے) اس لیے ہم ذمی کی تعریف ذکر کئے دیتے ہیں:

ذمی ہر اُس کافر شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلامی ریاست کے تحت تمام شرعی احکام کی بالادستی قبول

کرتے ہوئے جزیہ ادا کرے، اُس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے۔ پاکستان میں موجود کفار ذمی اس لیے نہیں کہ:

- عقدِ ذمہ مسلمان حکمران کی طرف سے ہوتا ہے، جبکہ پاکستان کے حکمران اللہ کی شریعت کے ساتھ دشمنی اور کفری قوانین کو وضع کرنے اور نافذ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے شرعاً حکمران نہیں رہے، اگر انہیں ہٹا کر شرعی حکمران پاکستان پر آجائیں اور وہ ان کفار کے ساتھ عقدِ ذمہ کریں تب اس عقد کا اعتبار ہوگا۔
- عقدِ ذمہ اس کو کہا جاتا ہے کہ ذمی لوگ اسلامی احکام کی بالادستی قبول کرتے ہوئے اپنے اوپر اس کے اجراء کے لیے تیار ہوں، جبکہ پاکستان میں ایسا نہیں، کیونکہ پاکستان میں جمہوری نظام نافذ ہے، جس میں ذمی نہیں اقلیت ہوا کرتی ہے جس کے اپنے حقوق ہوتے ہیں، اور وہ حقوق اسلامی اُصولوں پر نہیں بلکہ جمہوری کفری اُصولوں پر دیئے جاتے ہیں، چنانچہ آئینِ پاکستان کی رُو سے کسی بھی غیر مسلم سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، انہیں اپنے دین کی طرف دعوت دینے کی مکمل اجازت ہے، اسلامی احکامات کو ختم کرنے اور ان کی جگہ غیر اسلامی احکام کے لیے جلسوں اور جلوسوں کی مکمل اجازت ہے، چنانچہ توہینِ رسالت کے متعلق دفعات کے خلاف کئی بار انہوں جلوس نکالے۔ یہاں (پاکستان میں) تو مسلمانوں پر اسلامی احکام جاری نہیں، کفار پر اسلامی احکام جاری کرنا تو دور کی بات ہے۔
- اسلامی ریاست میں رہنے والے کفار (ذمی) جزیہ دیں گے، کیونکہ قرآن کریم میں کفار کے ساتھ جنگ کے خاتمے کی غایہ جزیہ کی ادائیگی کو بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة: 29)

ترجمہ: ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، اور اس کو حرام نہیں جانتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچے دین کو قبول نہیں کرتے، ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔

لیکن پاکستان میں جزیہ کی ادائیگی کو ان سے قانوناً ساقط کیا گیا ہے، آئینِ پاکستان کہتا ہے:

"،کسی شخص کو کوئی ایسا خاص محصول ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کی آمدنی کی اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ وترویج پر صرف کی جائے"۔ (آرٹیکل: 21)

شق 4- پچھلے تین نکات سے یہ واضح ہے کہ جو لوگ شریعت کے نام پر یا قومیت کے نام پر حکومت کے خلاف مسلح کارروائیاں کر رہے ہیں، وہ شرعاً مسلمان ریاست کے خلاف کھلی بغاوت ہے اور ایسی صورت میں قرآن کریم کا واضح حکم ہے کہ:

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (جو گروہ بغاوت کر رہا ہے، اس سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس نہ آجائے۔) (الحجرات:9)

لہذا حکومت پاکستان یا افواج پاکستان کا شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان باغیوں کے خلاف لڑنا جائز ہی نہیں بلکہ قرآنی حکم کے تحت واجب ہے اور اس سلسلے میں ریاستی کوششوں کے تحت جو آپریشن کیے جارہے ہیں اس میں افواجِ پاکستان کی حمایت اور بقدرِ استطاعت مدد کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

الحمد للہ! جب یہ بات معلوم ہوئی کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں، کیونکہ اس کا آئین غیر اسلامی ہے، اور ملک میں سابقہ انگریز دور کی طرح غیر اسلامی قوانین کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہے، اور وطنِ عزیز کی حکمرانی سیکولر لادین طبقے کے ہاتھ میں ہے، اور پاکستان کے غیر اسلامی ریاست ہونے پر ڈیر سارے دلائل ہم نے سابقہ صفحات میں تفصیلاً دیئے ہیں، انہیں دوبارہ ذکر نہیں کریں گے، البتہ جن لوگوں کو تشفی نہ ہو یا حافظے کی کمزوری کی وجہ سے یاد نہ رہے ہوں تو خود ہی اس رسالے کا دوبارہ مطالعہ فرمائیں۔

لہٰذا ریاستِ پاکستان کے خلاف ہماری جنگ کو اسلامی ریاست کے خلاف جنگ تصوّر کرتے ہوئے اسے بغاوت کہنا، کسی صورت درست نہیں، اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ "پیغامِ پاکستان" میں آیت کریمہ ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ کی غلط تطبیق کی گئی ہے۔

اور رہی یہ بات کہ مجاہدین کے خلاف جاری آپریشن میں اس غیر اسلامی حکومت کی تائید اور حمایت کو مسلمانوں کا فریضہ قرار دینا در حقیقت بہت بڑی زیادتی ہے، مزید کئی دہائیوں کے لیے اسلامی

نظام کو پیچھے دھکیلنا ہے، لادین طبقے کی کمر مضبوط کرنا ہے، حق کے بجائے باطل ساتھ دینا ہے۔ (اللہم أرنا الحقَ حقًّا وارزقنا اتباعَه، وأرنا الباطلَ باطلًا وارزقنا اجتنابَه)

ہماری جنگ کی وجوہات اگرچہ بہت ہیں، مگر پانچ سو علمائے کرام نے وانا میں حکومتی آپریشن کے خلاف فتویٰ دیا تھا، جس میں انہوں فوج کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں مردار اور بالمقابل مجاہدین کی تائید کرتے ہوئے انہیں شہید کہا تھا، اور ہماری موجودہ جنگ اسی کا تسلسل ہے۔ اسی طرح امارتِ اسلامی افغانستان کے خلاف امریکا اور اس کی اتحادی افواج کی مدد کرنے کی وجہ سے بعض مشہور علماء نے فتویٰ دیا تھا، اس بارے میں مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ کا فتویٰ مشہور ہے کہ "جو بھی مسلمان ملک اس جنگ میں امریکا کی مدد کرے وہ مسلمان نہیں رہتا"۔ اسی طرح دیگر علماء نے بھی اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کی وجہ سے حکومت کے خلاف جنگ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، مثلاً دار العلوم حقانیہ (جس کا پاکستان کے دینی اداروں میں ایک اہم مقام ہے) کا فتویٰ کچھ یوں ہے:

سوال ------۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام کہ ایک اسلامی ملک کسی دوسرے اسلامی ملک کے خلاف کسی کافر ملک کی امداد تعاون کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ ملک خالص اسلامی ہے، اس میں کلی طور پر اسلامی قوانین رائج ہیں اور کافر ملک صرف اسلامی قوانین جاری کرنے کی وجہ سے اس کا مخالف بن گیا اور اس پر ظلم وزیادتی کرنے کے لئے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات لگارہا ہے، جس کا اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے، مہربانی فرما کر اس بارے میں شرعی نقطۂ نظر سے مطلع فرمائیں؟

جواب ------۔ کسی مسلمان ملک کے خلاف کسی بھی کافر ملک سے محض دنیاوی مفادات کی خاطر تعاون کرنا یا اس کا آلہ کار بننا شرعی نقطۂ نظر سے حرام وناجائز ہے، کسی بھی مسلمان ملک کا سربراہ اگر ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا اور ایسی لادین قیادت کو ختم کر کے صالح اور دیندار شخص کو حاکم مقرر کرنا مسلمان رعایا پر لازم ہے اور ضروری ہے، اس لئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو خود اس پر ظلم کرے گا اور نہ بے بنیاد الزامات کی بنا پر اسے کسی کافر کے حوالے کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔ لقوله عليه السلام: المؤمن أخو المؤمن لا يظلمه ولا يسلمه. (الحديث) (فتاوی حقانیہ، ج:5، ص:342)

اور آج تک وہی حالت ہے کہ جو اس خطے میں امریکی آمد کے پہلے دن تھی، پاکستان نے پہلے دن سے ہوائی اڈے امریکا کے حوالہ کئے، اپنی سڑکیں امریکی سامانِ رسد پہنچانے کے لیے وقف کیں، اور امریکی سامان کی حفاظت کی وجہ سے گویا تاحال اس کا مکمل ٹھیکہ پاکستان نے لے رکھا ہے، اور افغانستان سے پاکستان میں آئے ہوئے مہاجرین کے خلاف کفری ملک کی تعاون سے ان کے خلاف عملیات اور آپریشن شروع کئے جو آج تک مختلف ناموں سے جاری ہیں۔ الحمد للہ! ہمارا مقدس جہاد شرعی دلائل اور علمائے کرام کے فتاویٰ جات کی روشنی میں شروع ہوا تھا اور اسی کی روشنی میں جاری ہے، کوئی تبدیلی اس میں واقع نہیں ہوئی۔

شق 5- مختلف مسلکوں کا نظریاتی اختلاف ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس اختلاف کو علمی اور نظریاتی حدود میں رکھنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل بیت کے تقدس کو ملحوظ رکھنا ایک فریضہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف سب و شتم، اشتعال انگیزی اور نفرت پھیلانے کا کوئی جواز نہیں اور اس اختلاف کی بنا پر قتل وغارت گری، اپنے نظریات کو دوسروں پر جبر کے ذریعے مسلط کرنا یا ایک دوسرے کی جان کے درپے ہونا بالکل حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلکوں کا اختلاف، یہ تو بالکل صحیح بات ہے، لیکن ایک فرعی اختلاف ہے اور دوسرا اُصولی و نظریاتی اختلاف ہے۔ فروعی اختلاف میں یقیناً وُسعت ہے، لیکن اُصولی اور نظریاتی اختلاف کے بارے میں اسلام ایسی گنجائش نہیں دیتا۔ تعجب کی بات یہ ہے یہاں پاکستان کو ایک اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت کہا ہے، حالانکہ اسلامی حکومت نظریاتی اور عقائد کے اختلاف میں کبھی بھی ثالثی کا کردار نہیں ادا کرے گی، بلکہ اس بارے میں اس کا ایک اٹل فیصلہ ہوتا ہے، وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر گامزن رہتے ہوئے شرکی وبدعی عقائد کا رد کرے گی۔

مامون الرشید، واثق اور معتصم کے دور (جو معتزلہ کا دور تھا، اس) میں سنی علماء (جن کے سر میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور محمد بن نصر خزاعی جیسے جبال العلم تھے، ان) پر قسما قسم مظالم ڈھائے گئے، لیکن جب خلیفہ متوکل کا دور آیا (چونکہ وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر تھے) تو انہوں نے فورًا

معتزلہ کو اپنی دربار سے دُور کر دیا اور اعتزالی عقائد کی دعوت اور اظہار پر پابندی لگادی۔ اسی طرح مجد الدین فیروز آبادی کے دور میں جب بادشاہ توبہ تائب ہوا تو انہوں نے رافضی عقائد پر پابندی لگادی۔

لہٰذا ایک ہے فروعی اختلافات، (جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری وغیرہ کا آپس میں فروعی مسائل میں اختلاف) اس میں حکمران کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اور یہ اختلافات قابلِ برداشت ہے، لیکن اُصولی اور عقائد کے ساتھ متعلق مسائل میں جو اختلاف ہے، اس میں ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے بدعی عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جن کے عقائد اس حد تک نہ ہوں، البتہ فاسد ضرور ہوں۔ پہلی قسم کے بارے میں فتویٰ یہی ہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کے بدعی عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے وہ مرتد کافر سمجھے جائیں گے، اس لیے اگر وہ جتّھے کی شکل میں ہوں تو اُن کے خلاف جنگ لڑی جائے، اور دوسری قسم (وہ لوگ ہیں جن کے عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوں مگر وہ کفر کی حد تک نہ پہنچے ہوں، تو ان) کے بارے میں تفصیل ہے، اگر کہیں وہ اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہوں تو انہیں منع کیا جائے گا، اور اگر زبانی منع کرنا کارگر نہ ہو تو انہیں بزورِ بازو منع کیا جائے گا۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ فاسد ہو مگر اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دیتے ہوں تو انہیں اپنے حال پر چھوڑا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے حنفی مسلک کے مجتہد ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> فإن قيل: فهل تجب إزالة المنكر من طريق اعتقاد المذاهب الفاسدة على وجه التأويل كما وجب في سائر المناكير من الأفعال؟ قيل له: هذا على وجهين: فمن كان منهم داعيًا إلى مقالته فيضل الناس بشبهته فإنه تجب إزالته عن ذلك بما أمكن. ومن كان منهم معتقدا ذلك في نفسه غير داع إليها فإنما يدعى إلى الحق بإقامة الدلائل على صحة قول الحق وتبين فساد شبهته.

ترجمہ: اگر کسی کی طرف سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا وہ منکر جو تأویلاً فاسد مذاہب کے اعتقاد کی شکل میں ہو دیگر منکر افعال کی طرح اس کا ازالہ بھی واجب ہے؟ اس سے (جواباً) کہا جائے گا کہ اس کی دو صورتیں ہیں: ان منکر عقائد رکھنے والوں میں سے جو لوگ اپنی ایسی بات کی طرف لوگوں کو مدعوّ کرتے ہیں جس سے لوگ گمراہی میں پڑتے ہوں تو اس کا ازالہ جیسے ممکن ہو وجوبی طور پر کیا جائے گا۔ اور ان میں سے جو لوگ اپنی ذات کی حد تک باطل عقیدے پر ہوں،

کسی اور کو اس کی طرف دعوت نہ دیتے ہوں، تو انہیں حق کی طرف بلا،  یا جائے گا، ان کے سامنے حق قول کی صحت پر دلائل قائم کئے جائیں گے اور انہیں جو شبہ ہو گیا تھا اس کا فساد ان پر واضح کیا جائے گا۔ (احکام القرآن، ج: 2، ص: 44)

اور جو لوگ خود کو مسلمان کہیں مگر ان کی بدعات کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں تو ان کے ساتھ نہ تو مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے گا اور نہ کفار جیسا، بلکہ اُن کے ساتھ معاملہ مرتدین والا کیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وغير جائز أخذ الجزية من الكفار المتأولين المنتحلين للإسلام، ولا يجوز أن يقروا بغير جزية فحكمهم في ذلك متى وقفنا على مذهب واحد منهم اعتقاد الكفر لم يجز إقراره عليه وأجري عليه أحكام المرتدين.

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں اور درحقیقت کفار ہیں اُن سے جزیہ لینا درست نہیں، اور یہ بات بھی ہے کہ کسی کافر کو جزیہ لیے بغیر چھوڑنا بھی درست نہیں، اس لیے اسلام کے لبادے میں مذکورہ چھپے کفار کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کے کفری عقیدے کے بارے میں ہمیں پتہ چلے گا تو اسے اسی حالت پر چھوڑنا جائز نہیں بلکہ اس پر مرتدین والے احکام جاری کئے جائیں گے۔ (احکام القرآن، ج: 2، ص: 46)

آج پاکستان میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ ان کے عقائد کفری ہیں۔ مثلاً قادیانی، انہیں لوگ کافر بھی کہتے ہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان سے جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ مرتدین والا نہیں، بلکہ پاکستان میں انہیں اقلیت شمار کیا گیا ہے۔ قادیانیوں کی طرح اور بھی کفار ہیں مثلاً ذکری فرقہ، اسماعیلی فرقہ، بوری فرقہ، روافض اثنا عشری اور ان کی طرح اور بہت سے گروہ ہیں جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر حقیقتاً وہ مرتد ہیں، پاکستان میں بعض کو تو تا حال اسلامی حقوق حاصل ہیں، جبکہ بعض کے ساتھ اصلی کفار کا معاملہ ہے، حالانکہ ان کے ساتھ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مرتدّین جیسا معاملہ کرنا ضروری ہے۔

اگر پاکستان اسلامی ملک ہے (جس طرح پیغام پاکستان میں بار بار پاکستان کی اسلامیت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے) تو اسلامی حکومت کے فرائض میں ایک فریضہ یہ بھی بنتا ہے کہ وہ یہ پہچانے کہ باطل عقائد کونسے ہیں اور حق عقائد کونسے ہیں؟ اسی طرح مسلکی اختلاف اور اُصولی و نظریاتی اختلاف

کا علم اسے ضرور ہونا چاہئے، تاکہ موقع و محل کی مناسبت سے اقدامات اُٹھا سکے۔

اُصولی و نظریاتی اختلاف میں حکومت کا کام ثالثی کا نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کے فرائضِ منصبی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل ہے۔ اور باطل عقائد سے بڑھ کر اور کونسا منکر ہوگا؟

ریاستِ پاکستان بجائے اس کے کہ ان باطل عقائد رکھنے والے فِرَق کو ختم کرتی، وہ تو اُلٹا ان فرقوں کو خود ہی یہ حق دیتی ہے کہ انہیں آزادی حاصل ہے، بیان کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی، اپنے باطل نظریات کی طرف دعوت کی آزادی، اجتماعات منعقد کرنے کی آزادی وغیرہ وغیرہ، اور ساتھ میں ان کے تحفظ کے انتظامات صحیح العقیدہ لوگوں کی بنسبت کہیں بڑھ کر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس ملک میں بدعات و شرکیات عروج پر ہیں۔

آ یا یہ اسلام ہے؟ آیا یہ اسلامی حکومت ہے؟ اس باب میں یہ بات بالکل غلط ہے کہ اپنے نظریات زبردستی کسی سے منوانا قطعاً حرام ہے، فقہ اسلامی سے دوری کی وجہ سے یہ بات کہی جارہی ہے، باطل عقائد کی روک تھام اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کی تشہیر اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

ریاستِ پاکستان سے اس باب میں ہمارا کوئی گلہ شکوہ نہیں، کیونکہ ہمیں (الحمدللہ) خوب معلوم ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں، اس لیے اس کا کیا کام ہے کہ اسلام اور اسلامی عقائد کا دفاع کرے؟!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين